

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

حقیقۃ الفقہ

حصہ اول

مؤلفہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ رحمۃ اللہ علیہ
خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

۴۳۷-ڈی - گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۵

فون ۷۱۹۳۸۸



کشف رموز

حقیقۃ الفقہ

حصہ اوّل

WWW.NAFSEISLAM.COM

ص الانتصار للعلامہ سبط ابن الجوزی رح الحنبلی ثم الحنفی۔

ت تبییض الصحیفہ للامام السیوطی الشافعی۔

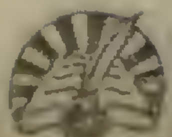
خ۔ الخیرات الحسان للمحقق ابن الحجر المکی الشافعی۔

م۔ مناقب الامام رح للامام الموفق رح۔

ک مناقب لامام الکردری رح۔



ادارۃ القرآن
IDARAT UL QURAN



للطباعة والنشر والتوزيع
Publishing & Distributing

کراچی ۵ پاکستان — ۷۱۶۴۸۸

سے وہ نکال سکے اسلئے علماء شکر اللہ سعیہم نے یہ کام اپنے ذمہ لیا کہ متعلق آیات واحادیث واقوال صحابہ وغیرہم سے تحقیق کر کے ہر ایک مسئلہ مختصر الفاظ میں بیان کر دیا کہ اس میں یہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک مدت کی کوشش میں انہوں نے ہر ایک جزئی مسئلہ کا حکم قرآن وحدیث سے نکالکر ایک علم ہی مستقل مدون کر دیا جس کا نام فقہ ہے یہ ہے حقیقت فقہ۔

تفصیل اس اجمال کی کئی امور سے متعلق ہے جنکا مختصر حال یہاں لکھا جاتا ہے اگر غور سے ملاحظہ فرمایا جاے تو بشرط الصاف معلوم ہو جائیگا کہ فقہا نے جو کام کیا کس قدر ضروری تھا اور اُن کی جانفشانیاں کس درجہ قابل قدر ہیں۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ قرآن شریف فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ درجہ میں واقع ہے جس کو مخالفین نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کیونکہ جب دعویٰ سے کہا گیا۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ تو کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ ایک دو سطر لکھکر پیش کرے جو فصاحت وبلاغت میں قرآن کا جواب ہو سکے اس سے بلاغت قرآن کا معجز ہونا بداہتہً ثابت ہے۔ اور کلام بلیغ کا خاصہ ہے کہ باوجود عام فہم ہونے کے اکثر مضامین اُسمیں ایسے بھی ہوں کہ خاص خاص لوگ ہی اُسپر مطلع ہو سکیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔ الکنایۃ ابلغ من التصریح۔ کنایہ کے ابلغ ہونے کی کوئی وجہ سوائے اسکے نہیں کہ اُس کا پورا پورا مضمون سمجھنا خاص لوگوں کا ہی حصہ ہے یہی وجہ ہے کہ نکتہ رس اور سخن شناس علماء نے غور وفکر کر کے ایک ایک آیت کے کئی کئی معنی بیان کئے جنکا سمجھ لینا بھی ہر کسی کا کام نہیں پھر جس طرح عبارت قرآن سے مسائل سمجھے جاتے ہیں دلالت اور اشارت اور اقتضاء سے بھی سمجھے جاتے ہیں۔ اور اسکے سوا نظم اور معانی سے اتنے مباحث متعلق ہیں کہ اُن کے بیان میں خاص ایک فن اصول فقہ مدون ہو گیا ہے۔ غرض ہر کسی کا کام نہ تھا کہ ان مباحث

قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد خیر خواہ اسلام مفتقر الی اللہ محمد انوار اللہ الحنفی۔ ابن مولائی۔ مرشدی۔ مولوی حافظ محمد شجاع الدین صاحب قندہاری۔ کرہی حنفی نقشبندی۔ قادری چشتی۔ غفر اللہ لہ وجعل الجنۃ مثوٰہ وقومر قدہ۔ اہل اسلام کی خدمتمیں گزارش کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو ابدی بنایا یعنی اس عالم کے فنا ہونیکے بعد بھی باقی رہیگا اور کبھی فنا نہ ہوگا پھر نشاۃ انسانی کا ظہور اس عالم میں اس طور پر ہوا کہ اسکو جسم دیا گیا جو دو حصوں پر منقسم ہے ظاہری اور باطنی اور ہر حصہ میں متعدد اعضا متعدد کاموں کیلئے بنا کر باطنی پورا حصہ حق تعالیٰ نے خاص اپنے تصرف میں رکھا یعنی آدمی اپنے اختیار سے کوئی کام اُس حصہ کے اعضا سے نہیں لے سکتا۔ اور ظاہری حصہ کے اعضا جو اس کام کرنے کے لئے آلات بنائے گئے ہیں کسی قدر اُس کے تصرف میں دیئے گئے ہیں جن سے جو جی چاہتا ہے کام لے سکتا ہے پھر انسان کو پیدا کرنے سے جو مقصود ہے اس آیۂ شریفہ میں بیان فرمایا۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعنی ہم نے جن و انس کو فقط

چنانچہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے۔ عن معاویۃ رضؓ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی رواہ البخاری فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدائے تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اُس کو دین میں سمجھ دیتا ہے۔ میں صرف قاسم ہوں اور دینے والا اللہ ہے۔ قسطلانی رحؒ نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جس کو جیسی فہم دینا چاہتا ہے دیتا ہے یعنی صحابہ احادیث سنتے تھے اور اُنسے صرف ظاہری معنی سمجھ لیتے تھے اور بعضے بہتیرے مسائل اُن سے استنباط کرتے تھے۔ اسی طرح مابعد کے قرون کے علما کا حال رہا ہے انتہیٰ۔ قسطلانی رحؒ نے یہ مضمون اس حدیث شریف سے لیا ہے۔ عن انس وابن مسعود وزید ابن ثابت رضی اللہ عنہم قالوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فوعاہا وحفظہا ثم اداہا الی من لا یسمعہا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ رواہ احمد وترمذی والبو داؤد وابن ماجہ وغیرہم کذا فی کنز العمال یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدائے تعالیٰ تروتازہ رکھے اُس بندہ کو جس نے میرے اقوال سُنے اور یاد رکھکر اُن لوگوں کو پہونچایا جنہوں نے سنا نہیں کیونکہ بہت روایت کرنے والے سمجھدار نہیں ہوتے اور بعض سمجھدار تو ہوتے ہیں مگر جنکو وہ پہونچاتے ہیں اُن میں ایسے بھی لوگ ہونگے جو اُن سے افقہ ہوں۔ اور دارمی کی روایت میں ہے کہ فرب حامل فقہ ولا فقہ لہ جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر روایت کرنے والوں کو یعنی محدثین کو سمجھنے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر ہے کہ محدثین کا اتنا ہی کام ہے کہ روایتیں فقہا کو پہونچادیں تاکہ وہ خوض وفکر کرکے مفید مفید معنا نکالیں جن سے راویوں کی سمجھ قاصر ہو کیونکہ جمیع مالہ وما علیہ کی رعایت کرنی ہر راوی کا کام نہیں جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے جو کنز العمال میں ہے۔ عن الحسن مرسلا قال قال رسول اللہ

فقہا کا درجہ محدثین سے زیادہ ہونے میں

صلی اللہ علیہ وسلم ہمت العلماء الرعایۃ وہمۃ السفہاء الروایۃ رواہ ابن عساکر اور مختصر کتاب النصیحہ لاہل الحدیث۔ تصنیف حافظ ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ میں لکھا ہے وروی باسنادہ الی علی ابن موسیٰ الرضیٰ عن جدہ عن آبائہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کونوا دراۃ ولا تکونوا رواۃ یعنی ائمہ اہل بیت کی اسناد سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سمجھ حاصل کرو روایت کرنے والوں میں مت ہو۔ غرضکہ متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف روایت حدیث نہیں بلکہ احادیث میں غور کرنا اور فقہوں کو پہونچانا ہے۔ جن کا کام یہ ہے کہ جیسی جیسی ضرورتیں پیش آئیں وہ ہر امر کی رعایت کرکے اُن احادیث سے استنباط مسائل کیا کریں۔

ہر راوی حدیث کو فقیہ اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے کہ نہ لغت کی رو سے اطلاق اس لفظ کا اونپر ہو سکتا ہے نہ اصطلاح اور عرف شرعی سے اسلئے کہ فقہ کے لغوی معنی شق وفتح کے ہیں جیسا کہ علامہ زمخشری نے فائق میں لکھا ہے۔ الفقہ حقیقۃ الشق والفتح والفقیہ العالم الذی لیشق الاحکام ویفتش عن حقائقہا ویفتح ما استغلق منہا یعنی فقہ کے اصلی معنی شق وفتح کے ہیں اور فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام میں موشگافیاں کرکے اُنکے حقائق کو معلوم کرے اور مشکل اور مغلق امور کو کھولدے انتہیٰ۔ چونکہ راوی کو نہ شق احکام سے تعلق ہے نہ فتح مغلقات سے غرض اسلئے وہ فقیہ نہیں ہو سکتا اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کا اطلاق فرمایا ہے وہاں یہ بھی تصریح فرمادی کہ بہتیرے راوی فقیہ نہیں ہوتے جس سے صاف معلوم ہو گا کہ ہر محدث کو فقیہ نہیں کہہ سکتے پھر اسکے بعد خاص طور پر فقہا کی تعریفیں کیں چنانچہ جامع الصغیر میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل شئ دعامۃ ہذا الدین الفقہ وفقیہ

واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی ہر چیز کے لئے ایک ستون ہے جسپر اوس کا مدار ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے اور ہزار عابد شیطان پر ایسے سخت نہیں جیسے ایک فقیہ اُسپر سخت اور سرکوب ہے اِسکے سوا بہت سی حدیثیں فقیہ کی تعریف اور رتبہ عالی میں وارد ہیں جن سے ظاہر ہے کہ محدثین میں فقہا تمنا ناور مدارج عالیہ سے سرفراز ہیں بکنز العمال کی کتاب الطہارۃ میں یہ روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ایک روز میں اور عطا اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ بیٹھے ہوے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر پوچھا کہ جب میں پیشاب کرتا ہوں تو ماء دافق یعنی منی نکلتی ہے کیا اُس سے غسل واجب ہوتا ہے ہمنے کہا کہ کیا وہی ماء دافق نکلتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے کہا ہاں ہمنے کہا جب تو غسل واجب ہے وہ شخص انا للہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ ابن عباسؓ نے جلد نماز سے فارغ ہو کر عکرمہ سے کہا اُس شخص کو بلاؤ چنانچہ جب وہ آیا تو پہلے ہم سے پوچھا کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا ہم نے کہا نہیں۔ فرمایا حدیث سے ہمنے کہا نہیں فرمایا صحابہ کے اقوال سے ہم نے کہا نہیں پھر فرمایا آخر کس کے قول پر فتویٰ دیا ہمنے کہا اپنی رائے سے۔ یہ سنکر فرمایا لذلک یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے اشد ہے پھر اُس سائل سے پوچھا کہ پیشاب کے بعد جو چیز نکلتی ہے اُسکے نکلتے وقت تمہارے دل میں شہوت یعنی عورت کی خواہش ہوتی ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا اعضا میں استرخا یعنی ڈھیلا پن پیدا ہوتا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا اس صورت میں صرف وضو تمہارے لئے کافی ہے۔ انتہیٰ۔ ابن عباسؓ نے جب دیکھا کہ ان کو فتویٰ

کے لفظ پر اُن محدثین کو دھوکا ہوا اور صرف ظاہری معنی پر انہوں نے فتویٰ دیدیا اور علّت غسل پر غور نہیں کیا تو سمجھ گئے کہ اُن میں کوئی فقیہ نہیں اگر فقیہ ہوتے تو علّت غسل کی تشخیص ضرور کرتے پھر جب دیکھا کہ علّت غسل یعنی خروج منی کے لوازم نہیں پائے جاتے اس لئے فتویٰ دیا کہ وہ منی ہی نہیں۔ اس وجہ سے غسل بھی واجب نہیں۔ اِس سے ظاہر ہے کہ فقیہ کی جو تعریف و توصیف احادیث میں وارد ہے اُس کو اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور موشگافیاں درکار ہیں اور مجاہد اور عطا اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین کو (جو تقریباً کل محدثین کے اساتذہ اور سلسلہ اساتذہ میں ہیں) فقیہ نہیں سمجھا۔ اِس وجہ سے اُنہوں نے علّت کی تشخیص نہیں کی اور کمال افسوس سے فرمایا کہ اسی وجہ سے (کہ فقیہ اور سمجھدار لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور کم فہم فتویٰ کے لئے ظاہری نصوص کو کافی سمجھتے ہیں) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیہ کی تعریف کی کہ شیطان کے مقابلہ میں وہ ہزار عابد سے بہتر ہے اس لئے کہ شیطان کا مقصود اصلی یہی ہے کہ خلاف شرع لوگ کام کرائے اور بیچارہ عابد کو عبادت میں اتنی فرصت کہاں کہ معانی نصوص اور مواقع اجتہاد میں غور و فکر کرکے آپ ایسا حکم دے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق ہو جیسے محدثین کو ضبط اسانید اور تحقیق رجال وغیرہ فنون حدیث کے اشتغال میں اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ تو خاص فقیہ کا کام ہے کہ ہر مسئلہ میں تمام آیات و احادیث متعلقہ کو پیش نظر رکھ کر اپنی طبیعت وقاد سے کام لیتا ہے اور انہیں موشگافیاں کرکے کوشش کرتا ہے کہ شارع کی مرضی معلوم کرے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ہر مردے و ہر کارے۔ جامع ترمذی میں یہ روایت ہے

عن ابی ہریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصلتان لا یجتمعان فی منافق حسن سمت وفقہ فی الدین یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو خصلتیں منافق میں نہیں جمع ہوتیں عامل خیر طریقہ اختیار کرنا اور فقہ فی الدین یعنی دین کے معاملات و مسائل میں سمجھ

اور جامع الصغیر میں یہ روایت ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل العبادۃ الفقہ عن ابن عمر رض یعنی تمام عبادتوں میں افضل فقہ ہے اس سے محدثین اور فقہا کا فرق اور ہر ایک حدیث سے بھی معلوم ہو گئے کہ محدثین کا کام صرف احادیث کی حفاظت ہے صحیح حدیثیں تلف نہ ہوں اور کسی دوسرے کا کلام حدیث نہ بنجاوے اور فقہا کا کام ان احادیث صحیحہ میں غوص و فکر کرنا ہے۔ ملاحظہ فن رجال سے واضح ہو کہ محدثین نے اپنی خدمت اور فرائض منصبی جس خوبی اور عمدگی سے ادا کئے۔ اُس کی نظیر کسی اُمت میں بلکتی ہے نہ اسلامی کسی دوسرے فرقہ میں۔ انکے تقویٰ دیانت۔ تورع صدق جفاکشی وغیرہ ضروریات اس درجہ کو پہونچے ہوئے تھے کہ اُنپر اطلاع ہونے کے بعد ہر منصف مزاج بے اختیار یہی کہے گا کہ جن احادیث کو محدثین اہل سُنت وجماعت نے صحیح کہا ہے بے شک وہ صحیح ہیں۔ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت ایسے طور پر منظور تھی کہ اصلی دین شیطانی تصرف سے محفوظ رہے اور جس طرح دوسرے ادیان میں آسمانی کتابوں اور اقوال و احوال انبیا میں تحریفیں ہو گئیں اس میں نہ ہونے پائیں۔ اسلئے ہر زمانہ میں لاکھوں مسلمانوں کو توفیق دی کہ قرآن شریف پڑھا یاد کیا کریں چنانچہ اس تدبیر سے اپنا کلام پاک ہر تک ایسا پہونچایا کہ اُس میں ایک لفظ کی غلطی اور تحریف کا وہم تو کیا مخالف کو بھی خیال نہیں آسکتا۔ اسی طرح اپنے نبی صلی اللہ

حدیث سے ائمہ محدثین و فقہا کی شان اور فضیلت کا بیان

علیہ وسلم کے کلام کی حفاظت کے لئے ان حضرات کو پیدا کیا جن کے تاریخی حالا دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان حضرات کو فقط حفاظت احادیث نبویہ کے واسطے پیدا کیا تھا اور جتنے ضروری امور اس سے متعلق تھے سب اُنکے حق میں ایسے کر دئے جیسے فطرتی اور طبعی امور ہوا کرتے ہیں چنانچہ ان حضرات کی سعی سے احادیث نبویہ مخالفین اسلام کے تصرفات سے محفوظ رہ کر اصلی اور صحت کی حالت پر ہم تک پہونچیں۔ ہر چند تیرا سو سال کے عرصہ میں ہر ملک اور قوم میں بڑے بڑے انقلاب واقع ہوے ملاحدہ اور زنادق نے بہت کچھ کوششیں کیں کہ دین محفوظ نہ رہے اور عموماً مسلمانوں کے احوال میں تغیر آگیا۔ اور ہر زمانہ میں ان حضرات کو دھمکیاں دی گئیں توہین و تذلیل کی گئی مگر انہوں نے اپنے استقلال کو نہ چھوڑا اور جس طرح امم سابقہ کے علما تحریفیں کرتے تھے جس کی خبر حق تعالیٰ نے دی ہے فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ہٰذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلاً ان حضرات نے اوس کا خیال تک آنے نہ دیا۔ اور جس طرح اس زمانہ کے بعض اہل علم طمع دنیوی یا توہین و تذلیل کے خیال سے معنوی تحریفیں کر کے قوم میں رسوخ حاصل کرنا چاہتے ہیں انہوں نے نہیں کیا بلکہ اکثروں نے اسی وجہ سے قصداً فقر و فاقہ اختیار کیا کہ طمع دنیوی یا خیال توہین کسی ناشائستہ حرکت کا باعث نہ ہو جائے۔ آج کل جو دیکھا جاتا ہے کہ ہر طرف سے علماء پر حق ناحق اعتراضوں کی بوچھار ہے جسکے جی میں جو کچھ آتا ہے کہدیتا ہے۔ چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ قوم کو انہی لوگوں نے تباہ کیا اسلئے کہ اُنکے فائدہ کے مسئلے (مثلاً ربا خواری کی علت۔ عورتوں کو اجنبی مردوں کے ساتھ

مثل جاں کی اجازت وغیرہ امور) اُن کو یہ لوگ نہیں بتلاتے حالانکہ دنیوی ترقی اور تمام تیں ان امور سے متعلق ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عربی خصوصًا دینی علوم پڑھا کر یہ لوگ مسلمانوں کو بیوقوف اور مفلس بناتے ہیں پھر اُنکے القاب وخطاب بھی ایسے ایسے تراشے جاتے ہیں (مثلاً ملّا ۔۔۔ قل اعوذ ۔۔۔ وغیرہ) جن کے سُننے سے غیرت دار آدمی کبھی مولویت کا نام نہ لے سکے چنانچہ اِسی وجہ سے بعضوں کو داڑھی قصر کرنے اور ترکی ٹوپی بلکہ کوٹ پتلون پہننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کوئی ملّا نہ سمجھے۔ اِس زمانہ کے اکثر مولوی تو چند فقروں سے اتنے گھبرائے کہ وضع بدل ڈالی۔ اور اُن حضرات کو دیکھئے کیسی کیسی ذلتیں اور آفتیں انہوں نے اٹھائیں ادنیٰ ادنیٰ بات پر قید کئے جاتے تھے اُن کو سر بازار کوڑے مارے جاتے تھے یہاں تک کہ قتل کئے جاتے تھے جن کی ہزارہا نظیریں کتب سیر و تواریخ میں موجود ہیں۔ باوجود اسکے نہ اُن حضرات نے کبھی اپنی وضع بدلی نہ مولویت کو چھپایا بلکہ عام جلسوں میں بالاعلان احادیث کو صاف صاف بیان کردیتے خواہ قوم انکے حق میں اُن کو مفید سمجھے یا مضر۔ اور جس طرح ہوسکتا شہر بشہر اُن کی اشاعت کرتے کیونکہ وہ حضرات اشاعت دین میں جو مصیبتیں پیش آتیں اُن کو سرمایہ عزت اُخروی سمجھتے تھے اُن کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر امر میں پیش نظر رہتی تھی وہ جانتے تھے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث میں ایسی حدیثیں بھی بکثرت ہیں جن پر عمل کرنے سے صریح نقصان ہے۔ اور مقتضائے طبیعت ہے کہ اس قسم کے امور کو اور اُنکے پھیلانے والوں کو آدمی دشمن سمجھتا ہے اور تاریخوں سے ثابت ہے۔

کہ علما اکثر قوم کے ہاتوں اقسام کی سختیاں اٹھایا کئے اس سے یقینی طور پر ہم کہہ سکتے
ہیں کہ فن رجال میں جس قدر اوصاف ان حضرات کے لکھے گئے ہیں وہ سب
صحیح ہیں کیونکہ اُن میں تقویٰ تدین صدق راستبازی خوف خدا وغیرہ نہ ہوتے تو
آخری زمانہ کے بعض مولویوں کی طرح وہ بھی ہاں میں ہاں ملاتے اور کم سے کم اتنا تو ضرور
کرتے کہ جو روایتیں نفع دنیوی کے مانع ہیں ان کو شائع ہی نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے
ایسا نہیں کیا بلکہ خدا اور رسول کے احکام پہونچانے میں نہ عزت کی پروا کی نہ جان و
مال کی اور جس طرح صحابہ سے انہیں حدیثیں پہونچی تھیں بلا کم و کاست پہونچا دیں۔
اب اگر کوئی شخص اپنے پر قیاس کر کے یہ کہے کہ محدثین کے تقویٰ اور زہد و نیز
اور جفاکشی وغیرہ کی حد سے زیادہ تعریفیں جو فن رجال میں لکھی گئی وہ صحیح نہیں اس لئے
کہ جو روایت درایت کے خلاف ہو وہ قابل تسلیم نہیں! تو اس کا علاج نہیں دنیا
میں اقسام کی طبیعتیں ہیں بہتیری طبیعتوں میں تسلیم کا مادہ ہی نہیں ہوتا اس پر کھلی دلیل
یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق راستبازی معجزات وغیرہ اظہر من الشمس تھے
جن کی شہرت سے دور دور کے قبائل جوق جوق آکر مشرف باسلام ہوتے تھے
مگر نزدیک والے بہتیرے ایسے بھی تھے کہ ان کو جنبش ہی نہ ہوئی اور ان مشاہدات کو
بھی درایت کے مخالف سمجھ کر نہ مانا اس طبیعت کے لوگ نے کسی بات کی تسلیم کی کیا توقع
مگر یہاں یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان دینی حیثیت سے روایت حدیث
کی تصحیح کا مدار درایت پر رکھ سکتا ہے یا نہیں ہمیں قرآن و حدیث اور عقل سے صاف
طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ خدا کے کلام میں کذب کا احتمال ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے کلام میں اس وجہ سے خدا و رسول کے کلام میں جو خبریں قرون سابقہ

کی یا دوسرے عالم کی مذکور ہیں اگر خلاف عقل بھی ہوں تو دینی حیثیت سے اُن کا تسلیم کرنا
مسلمان کا فرض ہے۔ ان خبروں کو اگر کوئی اس لحاظ سے کہ درایت کے مخالف
ہیں نہ مانے اور تاویلیں کر کے اُن کا مطلب ہی دوسرا بنا دے تو یہ سمجھا
جائیگا کہ اُس نے نہ خدا کو خدا سمجھا نہ رسول کو رسول ایسے لوگوں کا دعویٰ اسلام دینی
حیثیت سے بلا دلیل ہوگا۔ البتہ قومی حیثیت سے ضرور قابل قبول ہے
کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں منافق موجود تھے جن کو
خود حضرت کی نبوت سے دلی انکار تھا جس کو حضرت بھی جانتے تھے اور قرآن
میں بھی اُن کا حال بیان کیا جاتا تھا باوجود اسکے وہ مسلمان ہی سمجھے جاتے تھے
تو اس آخری زمانہ میں ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھنے میں کیا تامل - بہر حال کوئی مسلمان
اسلامی حیثیت سے خدا اور رسول کے کلام کے مقابلہ میں درایت کا نام نہیں لے سکتا
رہا یہ احتمال کہ شاید راویوں نے کوئی بات اپنی طرف سے ملا دی ہوگی سو وہ
بھی قابل توجہ نہیں اسلئے کہ کلام اُن روایتوں میں ہے جنکے وہ راوی ہیں۔
جنہوں نے دین کی حفاظت اپنے ذمہ لی اور محدثین کے جم غفیر نے اُن کے
صدق و تدین پر گواہی دی کیا ان اکابرین کے صدق و دیانت کے بھروسے
مسلمان کو اُن کی روایتوں کے صدق کا ظن غالب بھی نہ ہوگا؟

اب غور کیا جائے کہ مولوی شمس العلما شبلی صاحب نے جو لکھا ہے کہ راویوں کی جرح و
تعدیل سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ جو خبر دی گئی فی نفسہ وہ ممکن ہے یا نہیں اگر وہ ممکن
ہی نہ ہو تو راوی کا عادل ہونا کیا مفید ہے اور امکان میں کونسا عادی یعنی اگرچہ کوئی چیز بالذات ممکن ہو
مگر عادۃً اُس کا وجود نہ ہوتا ہو تو اس چیز کے موجود ہونے کی خبر درایۃً قابل تسلیم نہیں

اگرچہ عادی اُس کا عادل ہو) سو یہ قاعدہ کس قدر خلاف عقل ہے۔ اس قاعدہ کی
بنا پر بہتیرے واقعات جو مشاہدہ سے ثابت ہیں جھوٹے ثابت ہونگے کیونکہ
عادتیں زمان و مکان بلکہ اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتی ہیں۔ تجربہ سے
اور اطبا کی تصریح سے ثابت ہے کہ سم الفار زہر قاتل ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے
مگر ایسے بھی لوگ موجود ہیں کہ انہوں نے اُسکے کھانے کی عادت کر لی ہے اور
روزانہ تخمیناً ایک ایک تولہ کھاتے ہیں۔ اور بجائے ضرر اُس سے اُنکو نفع ہی ہوتا ہے
چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک بائسکل سوار ایک شخص حلقہ میں جس کا قطر تخمیناً
دس گز ہوگا اس طور پر چکر لگاتا تھا کہ بائسکل اوپر اور وہ نیچے یعنی اُس کا سر زمین کی طرف
اور صرف حلقہ کو مس کرتے ہوئے بائسکل پر دورے کرتا تھا اور نصف سے زیادہ حصہ میں
طور پر یہ ہوتا تھا کہ اُس شخص کا جسم بغیر کسی سہارے کے معلق اور معرض سقوط میں
رہتا تھا حالانکہ عادۃً بلکہ عقلاً محال ہے کہ آدمی ہوا میں بغیر کسی سہارے کے
معلق رہے اور ثقل یا کشش زمین سے نہ گرے۔ اس میں شک نہیں کہ جب
اس واقعہ کا وقوع ہو گیا تو اُسکے نہ گرنے کی کوئی علت ضرور ہوگی۔ مگر کلام اس میں ہے
کہ قبل مشاہدہ یہی کام محال معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ بصرف زر کثیر جوق
جوق اُسکے دیکھنے کیلئے جاتے تھے اس وقت حیدرآباد میں دو لڑکیاں ایسی موجود
ہیں کہ کمر کے نیچے اُنکا باہمی اتصال اس درجہ ہے کہ اگر جدا کئے جائیں تو ایک ضرور
ہلاک ہو جائیگی۔ اس قاعدہ کے مطابق اس مشاہدہ کی بھی تکذیب لازم ہوگی۔ کیونکہ عادۃً
ایسے آدمیوں کا وجود نہیں ہو سکتا اسکے سوا صدہا بلکہ ہزارہا نظیریں مل سکتی ہیں کہ خلاف
عادت عجیب عجیب چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ اگر خلاف عادت امور کی خبریں جھوٹ سمجھ

لیجائیں تو فن تاریخ اور اخبارات میں عجائبات اور نادرنادر خبریں جو تلاش کرکے بہم پہونچائی جاتی ہیں سب فضول اور تضیع اوقات سمجھی جائیں گی حالانکہ آدمی فطرۃً ایسی خبروں کا مشتاق رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قاعدہ مذکورہ خلاف فطرت انسانی ہے اس سے بڑھکر سنئے کہ دنیا میں ہزارہا مادر زاد اندھے اور بہرے ہیں اگر انکے روبروشنی اور اقسام کے رنگ اور حسن وجمال اور خط وخال اور بصارت کی خوبیاں اور دلکش نغمات اور سماعت کی دلفریبیاں بیان کیجائیں تو اُن کا بھی یہی جواب ہوگا کہ یہ امور امکان سے خارج ہیں کیونکہ عقل انہی چیزوں کا ادراک کرسکتی ہے جنکا احساس کبھی ہوا ہو اور چونکہ ان امور کا احساس اندھوں اور بہروں کو ہونا محال ہے اسلئے یہ امور انکے نزدیک عادۃً بلکہ عقلاً ہر طرح سے محال ہیں اس قاعدہ کی رو سے چاہئیے کہ یہ سب خبریں جھوٹی ہو جائیں حالانکہ کوئی عاقل اس کو گوارا نہ کرے گا۔ ہمنے یہ بات کتاب العقل میں بالتفصیل لکھی ہے جسپر عقل بھی گواہی دیتی ہے کہ ہمارے نزدیک جو چیز محال ہو یہ ضرور نہیں کہ وہ واقع میں بھی محال ہو۔ جب محال عقلی کا یہ حال ہو تو محال عادی کس شمار میں۔

اہل حکمت جدیدہ خبر دیتے ہیں کہ آفتاب زمین سے دس لاکھ حصوں سے بھی زیادہ بڑا ہے اور اسکو ہر وقت اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے۔ مگر زمین بھی اسکو اس قوت سے دفع کرتی ہے کہ اسکی کچھ چل نہیں سکتی پھر اس کے ساتھ ہی زمین اس کو اُسی قوت سے کھینچتی بھی ہے جس قوت اور زور سے آفتاب کھینچتا ہے۔ حالانکہ دس پانچ ہاتھ کے فاصلے سے اُڑتی چڑیا کو بھی نہیں کھینچ سکتی۔ انصاف سے کہا جاسکتا ہے کیا کسی کی درایت اس خبر کی تصدیق کرسکتی ہے؟ اگر سرسید صاحب نے اس کی

مان ہی لیا۔ اور اسی بنا پر ایک رسالہ لکھ ڈالا کہ آسمان کوئی چیز نہیں اور جہاں جہاں قرآن میں آسمان کا ذکر ہے تاویلیں کر ڈالیں۔ معلوم نہیں انہوں نے یورپ کے کسی مدرسہ میں تعلیم پا کر آلات رصدیہ وغیرہ سے اس مسئلہ کی تحقیق کی تھی یا تقلیداً مذہب اختیار کر لیا تھا یا کسی مصلحت سے برائے نام قائل ہو گئے تھے مگر ایک گروہ کثیر نے تو صرف سر سید صاحب ہی کی تقلید کی اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ عقل و درایت ہرگز اُس کو قبول نہیں کر سکتی باوجود اسکے اُن پر الزام نہیں لگایا جاتا کہ خلاف درایت ایسی باتیں کیوں مانی جاتی ہیں۔ پھر اگر مسلمانوں نے اس قسم کے امور میں اپنے ائمہ کی تقلید کی تو اُن پر کیوں الزام لگایا جاتا ہے اہل حکمت جدیدہ یہ بھی خبر دیتے ہیں کہ ہر سال ہم ایک بار اُنیس کروڑ میل ثوابت کے نزدیک ہو جاتے ہیں اور پھر ہر چھ مہینے کے بعد اُنیس کروڑ میل اُن سے دور ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ ہر ایک شخص برس کے بارہ مہینے ہر ستارہ کو ایک ہی مقدار و جسامت پر دیکھتا ہے۔ نہ کبھی اُن کی جسامت میں کمی و زیادتی محسوس ہوتی ہے نہ باہمی فاصلوں میں تفاوت اگر سو پچاس میل کے فاصلہ پر یہ خیال کیا جائے تو طوعاً و کرہاً آدمی قبول بھی کر سکتا ہے۔ اُنیس کروڑ میل کا فاصلہ پہلے خیال کیجئے اُسکے بعد ہر ستارہ کی جسامت محسوسہ پر نظر ڈالکر عقل سے کام لیجئے کہ کیا اتنی جسامت محسوسہ والی چیز اُنیس کروڑ میل دور ہونے کے بعد بھی نظر آسکتی ہے یا نہیں۔ ہر شخص کی عقل گواہی دے گی کہ یہاں امکان عادی تو کیا امکان ذاتی بھی نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی نظیریں حکمت جدیدہ میں بکثرت ملسکتی ہیں مگر اُن کی تصدیق کرنے والوں کو کوئی نہیں پوچھتا معلوم نہیں مسلمانوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ہر طرف سے وہی نشانۂ ملامت بنائے جاتے ہیں

غرضکہ درایت کوئی قابل وثوق چیز نہیں روایت اور درایت کا موقع ہو تو وہی روایت کو ماننے کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے اور درایت سے اس کا رد کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ اکابرین جھوٹے تھے اور دین اسلام جھوٹی تعلیم کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

جو لوگ درایت کے مقابلہ میں روایت کو جھوٹی قرار دیتے ہیں انکو آخرت سے پہلے اسی عالم میں شرمندہ ہونا پڑتا ہے چنانچہ بعض علما صرف درایت کے بھروسے روح انسانی اور عالم روحانی کا انکار کر گئے تھے مگر بفضلہ تعالیٰ مسمریزم سے وہ مسئلہ بخوبی طور پر ثابت ہو گیا۔ اگرچہ مسمریزم کا ذکر یہاں بے موقع ہے مگر چونکہ مسئلہ درایت پیش ہے اور مسمریزم کے ضمن میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ درایت میں اکثر خطا ہوا کرتی ہے اسلئے مختصر طور پر اس کا ذکر چنداں نامناسب نہ ہوگا۔

مسمریزم سے روح انسانی کا ثبوت

کتب مسمریزم میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر انتونی مسمر جو ۱۸۳۴ء میں یورپ میں پیدا ہوا اسکے خیال میں یہ بات تھی کہ عالم میں ایک رقیق مادہ ضرور ہے جس کی حرکت سے اجرام فلکیہ ایک دوسرے میں اور زمین میں تاثیرات پیدا کرتے ہیں چنانچہ ایک مدت دراز کی کوشش میں یہ ثابت ہوا کہ آدمی اپنی قوت مقناطیسی کا اثر ڈالکر بیہوش کر سکتا ہے جس سے شخص معمول جس پر اثر ڈالا گیا غیب کی باتیں بیان کرنے لگتا ہے۔ اور باوجودیکہ شخص معمول اس عالم سے ایسا بیخبر ہوتا ہے کہ اگر اسکے کان کے پاس بندوق کی آواز کی جائے تو بھی اسکو خبر نہیں ہوتی۔ مگر عامل اس سے جو کچھ پوچھتا ہے فوراً اس کا جواب دیتا ہے۔

حالانکہ دماغ بیکار ہے کہ سماعت باوجود تعطل ہونے کے کام کرتی ہے۔

اور درایت یہ بھی قبول نہیں کرسکتی۔ کہ اُس کی سماعت کسی کی حس گھٹنے اور بڑے
سے بڑے صدمہ کا اور آواز کا اُسپر کچھ اثر نہ ہو اور ایک شخص کی آہستہ سی آواز
سُن لے۔ اور یہ بھی قبول نہیں کرسکتی کہ بیہوش شخص مشکل سوال کا فوراً ایسا جواب
دے کہ کامل ہوش والا اُس سے عاجز رہے۔

لکھا ہے کہ اُس کے امورِ غیبیہ کے انکشاف کی کیفیت ہوتی ہے کہ حجابات
اُس کی نظر کے سامنے سے اٹھ جاتے ہیں مقفل صندوق میں اگر خط رکھا ہو تو
پڑھ لیتا ہے۔ اگلے مردوں اور اگلے زمانے کے لوگوں کی حالتیں اس طرح بیان
کرتا ہے کہ گویا اُن کو دیکھ رہا ہے اور جس طرح گذری ہوئی باتیں بتاتا ہے اسی
طرح آئندہ کی باتیں بھی بتاتا ہے جس غائب کا حال اُس سے پوچھا جائے
فوراً کہدیتا ہے کہ وہ فلاں شہر میں ہے۔ اور یہ کررہا ہے۔ اگر کسی بیمار کا حال
اُس سے پوچھا جائے تو اُس کی بیماری کے اسباب و حالات و علاج بالتفصیل
بیان کردیتا ہے غرضکہ اُسکے حواس اسقدر تیز ہو جاتے ہیں کہ اُسکے احساس میں نہ مکان
حائل ہوتا ہے نہ زمان۔ اس قسم کے کئی حالات کی تصریح [illegible] کے رسالوں میں
موجود ہے جن کو مصنفوں نے اپنے ذاتی اور یورپ و امریکہ کے نامی ڈاکٹروں کے
تجربوں سے نقل کیا ہے۔

اب دیکھئے کہ درایت اسکو ہرگز قبول نہیں کرسکتی۔ کہ آنکھیں بند ہوں اور نظر کام کرتی
ہو۔ اور نہ اس کو مان سکتی ہے کہ صندوق کا جسم کثیف حائل ہو اور اندر کا خط پڑھ لیا جائے
اور بڑے علوم کی باتیں بیہوش شخص جس کو اپنی بھی خبر نہیں
اور نہ مان سکتی ہے کہ گذشتہ لوگوں کی جو حالت پوچھے اسے فوراً بیان کرے

جیسے کوئی دیکھ کر کہہ رہا ہو حالانکہ جب وہ شخص ہی معدوم ہو گیا تو اُس کی حالتیں کہیں اور حالتیں بھی کونسی جنکو زمانہ نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور خود بھی مٹ گیا۔ اب بغیر اعادۂ معدوم کے اور کون چیز ہو سکتی ہے جو اُن کو محسوس کرائے حالانکہ وہ محال ہے اور درایت یہ بھی قبول نہیں کر سکتی کہ آئندہ ہونے والے اشیاء کا کوئی حال بیان کرے اسلئے کہ عقل کی رو سے جب تک مادہ میں قابلیت نہ پیدا ہو کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی پھر جب کسی چیز کا مادہ ہی ہنوز وجود میں نہ آیا ہو تو اُس کا وجود کہاں اور احوال کیسے۔ بہرحال ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ ہماری درایت ہرگز قابل اعتماد نہیں ہو سکتی پھر ایسی چیز پر اعتماد کر کے خدا و رسول کی خبروں کی تکذیب کرنی کس قدر بعید از عقل ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ایمان کا دعوےٰ بھی ہو۔

اِس آخری زمانہ میں معجزات اور کشف و کرامات جو نہیں مانے جاتے تھے اُس کی وجہ یہی تھی کہ حکمت جدیدہ نے درایت کو اِن امور کی تصدیق سے روک دیا تھا۔ اب چونکہ ائمہ حکمت جدیدہ یعنی اہل امریکہ و یورپ نے بھی اُس کی اجازت دیدی ہے اِسلئے حکمت جدیدہ کے مقلد مسلمانوں کو چاہئے کہ نہایت مسرت اور کشادہ دلی سے خدا و رسول کی خبروں پر پورا پورا ایمان لائیں اور جو تاویلیں اس خیال سے کیجاتی تھیں کہ عقلی طور پر ان امور کا ثبوت نہیں سب چھوڑ دیں حکمت جدیدہ میں روح انسانی یا نفس ناطقہ بنظر نہ آنے کی وجہ سے ادراک کا کل کارخانہ دماغ ہی کے تفویض کر دیا گیا تھا چنانچہ فن فزیالوجی وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ ادراک دماغ ہی کو ہوتا ہے۔ مگر مسمریزم نے اُسکو درہم برہم کر دیا

اس سے ڈیوری رنٹ پالس صاحب نے لکھا ہے کہ مریٰ کی شبیہ جب شبکیہ منطبع ہوتی ہے تو عروق ناظرہ دماغ کو اُسپر مطلع کر دیتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی کا بھیجا مدرک ہے اور اُس کا ادراک عروق ناظرہ کی خبر دینے پر موقوف ہے سو وہ صحیح نہیں۔ اسلئے کہ اِسمیں کلام نہیں کہ معمول مسمریزم کو ادراک ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ عامل کا کلام سمجھتا ہے اور غیب کی باتوں کو دریافت کرکے اُسکا ایسا جواب دیتا ہے کہ کوئی اعلیٰ درجہ کا عقلمند ہوشیار بھی ہرگز نہیں دے سکتا۔ اور اس ادراک کے وقت نہ اُس کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں نہ پردۂ شبکیہ پر مریٰ کی تصویر ہوتی ہے نہ عروق ناظرہ کو اُس کی خبر۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ادراک کا کارخانہ قواے دماغیہ میں منحصر نہیں۔ بلکہ یہاں یہ کہنا ضرور پڑے گا کہ شخص معمول گو بیہوش پڑا ہے مگر اُس کی روح کو ہوش ضرور ہے اور ہوش بھی کیسا کہ جسمانی ہوش سے ہزاروں درجہ بڑا ہوا اسلئے کہ جسمانی ہوش اُسکو ادراک میں اُسی حد تک مدد دیتا ہے۔ جہاں تک حواس کی رسائی ہے اور ظاہر ہے کہ حواس کی جولانی کا میدان نہایت تنگ ہے۔ بخلاف اسکے جب بیہوشی طاری ہوتی ہے تو نزدیک و دور کثیف ولطیف عالم غیب و شہادت سب اُسکے روبرو یکساں ہو جاتا ہے اور اسوقت نہ اُسکو آنکھوں کی ضرورت ہے نہ کانوں کی حاجت بلکہ اُسکے ذاتی حواس جنکو ہم نہیں جان سکتے کہ کیسے ہیں اُسکے ساتھ ہیں۔ اور وہ اپنے ادراک میں اِسکی بھی محتاج نہیں کہ جن چیزوں کا ادراک کرنا چاہتی ہے وہ اُسوقت خارج میں موجود ہوں بلکہ دوسرا عالم اُسکے پیش نظر ہو جاتا ہے جس کا عکس یہ ہمارا عالم شہادت ہے اسی وجہ سے وہ اُن اشیاء کی بھی خبر دیتی ہے جنکا وجود ہنوز ہوا ہی نہیں یا موجود ہو کر وہ فنا ہو گئیں

مسمیرصاحب کو جوابتدا ایک رقیق مادہ کی تحقیق کا خیال پیدا ہوا تھا وہ منجانب اللہ اس غرض سے پیدا ہوا کہ آخری زمانہ کے مسلمانوں پر رحم فرماکر خدا تعالیٰ عالم روحانی اور روح کو جن کے وجود میں مادہ کو دخل ہی نہیں انہی لوگوں کی تحقیق سے ثابت کرادے جو اُسکے منکر تھے اور پرانے خیال والوں کو نئے خیال والوں کے مقابلہ میں کامیاب کرے سو بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا کہ اب ہر کس وناکس مسمیریزم اور اُسکے کرشموں کو جانتا ہے۔ اور عالم روحانی کی تصدیق کرتا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ جوں جوں فلسفۂ جدیدہ ترقی کرتا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے پرانے مذہبی خیال وقتاً فوقتاً ثابت ہوتے جائینگے جس طرح عالم روحانی اور روح کا اثبات ہوگیا اور جو لوگ کم فہمی سے پرانے خیالوں پر مضحکے اڑاتے ہیں اُن کو شرمندہ ہونا پڑیگا۔

ہمارے اِس دعوے کی تصدیق اِس واقعہ سے بخوبی ہوسکتی ہے کہ سرسید صاحب نے دیکھا کہ قرآن شریف میں جنّات کا ذکر ہے اور نئی روشنی والے ہر باتیں مشاہدہ طلب کرتے ہیں اور جنوں کو محسوس کرکے دکھلانا اپنے امکان سے خارج ہے اسلئے انہوں نے یہ تدبیر نکالی کہ اُنکے وجود ہی کا انکار کردیا جائے اور ایک رسالہ لکھدیا جس کا نام تفسیر الجن والجان ہے۔ اس میں اُن تمام آیتوں کی تاویلیں لکھیں جن میں جنّات کا ذکر ہے اور بڑی تلاش سے جاہلیت کے چند اشعار نقل کئے جن کا مضمون یہ ہے کہ بدو جو جنگل اور پہاڑوں میں رہتے تھے نظر آئے۔ ان اشعار میں بدو پر جن کا اطلاق کیا گیا۔ ہت آ[illegible] جنگل کو جن کہا کرتے ہیں۔ مگر سرسید صاحب نے اُس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جنگل اور پہاڑوں میں رہنے والے

سرسید صاحب کو جنوں کی ضرورت سے انکار ہونا

آدمیوں کو جن کہا کرتے ہیں اور یہی حقیقت جن ہے۔ اور لکھا ہے کہ اہل لغت کو یہ بات معلوم نہ تھی اِسلئے انھوں نے اُسکے معنی نہیں جتلائے اور سخت غلطی کی۔

یہ تقریر سرسیّد صاحب کی کمال مجبوری کی حالت میں تھی کہ حکمت جدیدہ سے عاجز ہو کر جواب کا یہ طریقہ سوچا مگر اب اُس کی ضرورت نہ رہی کیونکہ خود اہل یورپ وامریکہ نے جنّات کے وجود کو مان لیا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد فرید وجدی نے کنز العلوم واللغہ میں لفظ (اسپرتزم) کی تحقیق میں لکھا ہے کہ پیشتر حکما و اطبا اور قدیم کا قول تھا کہ آدمی کی روح اسی قسم کی ہے جو جانوروں میں ہوا کرتی ہے کوئی خاص قسم کی چیز نہیں جو مرنے کے بعد باقی رہے بلکہ آدمی کیساتھ وہ بھی فنا ہو جاتی ہے مگر ۱۸۴۶ء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امریکہ کی ایک بستی میں جس کا نام (ہیدسیل) ہے (فیکمان) نام ایک شخص نے رات کے وقت اپنے گھر کی زمین پر متعدد کھٹکے سنے بہتیر تلاش کی مگر کسی کا پتہ نہ لگا۔ اور اسی قسم کا واقعہ (جان فوکس) کے گھر میں بھی ہوا اُسکی عورت نے کھٹکوں کی آواز پر غیبی شخص سے کہا کہ اگر تم کسی کی روح ہو تو دس بار زمین پر مارو چنانچہ دس بار کے کھٹکوں کی آواز اُسنے سنی پھر اُس عورت نے کہا کہ میری لڑکی (کاترینہ) کی عمر کتنے سال کی ہے اُسنے اُتنے ہی کھٹکے مارے جتنے سال کی عمر اُس کی تھی۔ غرض چند امتحانوں کے بعد اُسکو یقین ہوا کہ وہ کسی آدمی کی روح ہے پھر اِسی قسم کے متعدد واقعات پے درپے ہوے اور اُس کی تحقیقات شروع ہوئی (ادمونز) جو وہاں کا متقن تھا اُس نے پوری تحقیق کر کے ایک ضخیم کتاب اثبات روح میں لکھی اور اُسی کی

تائید میں اوستاد فن کیمیا (مالبس) نے بھی ایک کتاب لکھی پھر تو متعدد کتابیں لکھی گئیں
اور عام شہرت ہو گئی۔ جب اسکے چرچے برطانیہ میں ہونے لگے تو (کروکس صاحب)
جو پارلیمنٹ کے ممبر تھے انہوں نے بھی ایک کتاب اُس کی تائید میں لکھی جس میں اپنے
چشم دیدہ واقعات بیان کئے اور اِس مسئلہ کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ اخباروں میں
اُسکے متعلق مضامین شائع ہونے لگے مگر ذہین حکماء اِس خیال کے سخت
مخالف تھے بالآخر ١٨٦٩ئہ میں خاص اس کی تحقیق کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی
جس میں برطانیہ - امریکہ - اور اطالیہ کے نامی فلاسفر ڈاکٹر اور ماہرین فن فزیولوجی اور
طبعیات اور ریاضی اور ہندسہ وغیرہ اسکے ارکان مقرر ہوئے اور اٹھارہ مہینے
برابر تحقیق ہوا کی جس سے مثبتین روح کا دعوی ثابت ہوا چنانچہ جتنے اراکین مجلس
اس مسئلہ میں مخالف تھے سب نے بالاتفاق اپنے چشم دید خوارق عادات لکھکر
اقرار کیا کہ واقعی ارواح متشکل ہوتی ہیں۔ وہم کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور لکھا ہے کہ
جب تدابیر سے روحیں بلائی جاتی ہیں تو پہلے ایک روشن ابر سا محسوس ہوتا ہے
پھر وہ بتدریج انسانی شکل قبول کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ تھوڑے سے عرصہ
میں ایک عجیب روحی کی شکل میں متشکل ہو جاتا ہے جسکا گوشت نہایت نرم ہوتا ہے کہ اگر کچھ
دبایا جائے تو ہاتھ اُس میں دھس جاتا ہے۔ اس تحقیق سے روحوں کا متشکل ہونا
ثابت ہے۔ اور ممکن ہے کہ اُن کو بھی یہ قدرت حاصل ہو اسیطرح جنات کا اشکال
بدلنا بھی ثابت ہے جس پر ہر زمانہ کے اخبار کا تواتر گواہ ہے اسی وجہ سے علمائے
متکلمین میں سے بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مُردوں کی روحیں ہیں یا اُن
کو ان صورتوں پر دسترس حاصل کی ہے۔

علامہ موصوف نے لفظ جنون کی تحقیق میں مطلع روحیہ سے لکھا ہے جو فرانس
سے شائع ہوتا ہے کہ استاد امیز لوپ امریکی جو تحقیق نفس کی میٹی کا رکن ہے
اُنے ڈاکٹروں میں اشتہار شائع کئے کہ جنون ہمیشہ دماغی خلل سے نہیں ہوتا۔
بلکہ کبھی بعض شریر ارواح کے مسلط ہونے سے بھی ہوا کرتا ہے جسکے لئے
وہ علاج جو ڈاکٹروں کو معلوم ہے مفید نہیں ہو سکتا۔

عاملوں کے متواتر مشاہدات سے ثابت ہے کہ ارواح خبیثہ اور جنات دوسروں
پر مسلط ہوا کرتے ہیں اور عملیات کے ذریعہ سے دفع ہو جاتے ہیں جس کو
نئی روشنی والے وہم اور خیال کہا کرتے تھے مگر جب جدید تحقیقات سے ثابت ہوگیا
کہ وہ واقعی ہیں وہم کو اس میں کوئی دخل نہیں تو اب عاملوں کی خبروں سے
انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ بہرحال جنات کا وجود ہر طرح سے ثابت ہے۔
یہاں ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ تحقیق سرسید صاحب کے زمانہ میں مشہور ہوگئی ہوتی
تو نہ انکو جنات کے انکار کی ضرورت ہوتی نہ خوارق عادات کے ابطال کی حاجت
کیونکہ انکو یہ تو منظور ہی نہ تھا کہ خواہ مخواہ قرآن کو رد کریں اب ہمی پر قیاس کر لیجئے
کہ جس طرح اُن کی تاویلیں جنات کے وجود کے باب میں بیضرورت اور خلاف
واقع ثابت ہوئی۔ اسیطرح آسمان وغیرہ کے وجود کے مسئلہ میں بھی یقیناً
خلاف واقع ثابت ہونگی۔ کیونکہ خدا اور رسول کے کلام میں خلاف واقع ہونیکا
احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر اب یہ دیکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کو اس انتظار کی کیا ضرورت
جب ہمیں یقیناً معلوم ہو گیا کہ ہماری درایت میں اکثر خطا ہوتی ہے تو صحیح
صحیح روایتوں میں کیوں کلام کیا جاسے بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ مخالف بعض یہی

مسائل پر پہنچیں گے پھر اس سے کیا ہوتا ہے کئی مسائل میں ہم بھی انکی عقل بے اصل
تحقیقات پر ہنسنے کا موقع حاصل ہو گیا ہے جس سے جواب ترکی بہ ترکی ہو جائیگا
اب اگر اسپر بھی کسی کو صحیح صحیح روایتوں پر ایمان لانیکی ہمت نہ ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ
سرے سے ایمان لانا ہی اُسکو منظور نہیں حکمت جدیدہ کا صرف حیلہ ہے۔
یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ آدمی درایت سے تو کام لیتا ہے مگر بہت سے
مواقع میں درایت سے اغماض کرنا بھی اُسکی طبیعت کا مقتضی ہے چنانچہ لڑکا
جب اُسکے ماں باپ کی خبر دیجاتی ہے تو یقیناً اُنکو اپنے ماں باپ سمجھ لیتا ہے
اسی طرح دادا وغیرہ اہل خاندان کی قرابت کی تصدیق مجرد خبر سے کر لیتا ہے
شاید بعضے لوگ ایسے بھی ہوں کہ ایک شخص کی گواہی کو کافی نہ سمجھ کر دلمیں یہ خیال
کرتے ہونگے کہ بلا تحقیق اور ثبوت کافی کسی کو اپنا باپ کہنا ننگ و عار اور خلاف
درایت ہے مگر اُنکو بھی ایسے رکیک احتمالات سے اغماض ہی کرنا پڑتا ہے۔
اور اگر کوئی ایسے احتمالات پیش کرکے اُنکے نسب میں کلام کرے تو اُس سے
غالباً ناخوش ہونگے اس سے ظاہر ہے کہ بزرگوں کی بات کا یقین کر لینا آدمی
کی فطرت میں داخل ہے اب یہاں غور کیا جائے کہ کونسی چیز ہے کہ اس موقع
میں احتمالات عقلیہ کو ہٹا کر مجرد خبر کو قابل اعتماد بناتی ہے۔ بات یہ ہے کہ
بزرگوں کی محبت اور وقعت آدمی کے دل میں ایسی متمکن ہوتی ہے کہ اُسکی
خبر کی مخالفت کا خیال تک دل میں نہیں آتا۔ اسیطرح جب استاد اور پیر کی
وقعت کسی کے دل میں ہوتی ہے تو وہ جو کچھ کہتا ہے اُسکی تصدیق دل سے
کر لیتا ہے۔ اسیوجہ سے محدثین جن استادوں کو معتمد علیہ سمجھتے تھے اُن کی

حدیثوں کی صحت کا یقین اُن کو ہو جاتا تھا اور نہایت جزم اور وثوق سے اُنکی روایتیں بیان کرتے تھے۔ اگر یہ اعتماد اُنکو نہ ہوتا تو جس طرح غیر معتبر اسناد کی روایتوں کو ترک کر دیتے تھے اُن کی روایتوں کو بھی ترک کر دیتے غرضکہ اپنے بزرگوں کی بات کا یقین کر لینا آدمی کی فطرتی بات ہے اور جسکو وہ اپنا بزرگ اور مقتدا نہیں سمجھتا اُس کی بات کو نہیں مانتا۔ اور پہلے یہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ بات درایت کے خلاف تو نہیں۔ پھر درایت کے خلاف نہ بھی ہو تو اس شرط پر مانتا ہے کہ اپنے نقص میں کسی طرح مضر نہ ہو۔ اور اس ماننے میں بھی وہ جزم نہیں ہوتا جو معتمد علیہ کی خبر میں ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قاعدہ مذکورہ کہ روایت درایت مقدم ہے اپنے بزرگوں کی خبر کی نسبت خلاف فطرت انسانی ہے البتہ اس شخص کے حق میں یہ قاعدہ صحیح ہوگا جو بزرگان دین کو اپنے بزرگ نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ وغیرہم ہمارے دین کی باتوں کو نہیں مانتے گو کیسی ہی مطابق عقل و درایت ہوں اور اپنے دین کی باتوں کو خلاف عقل و درایت ہی کیوں نہ ہوں مان لیتے ہیں چنانچہ بائبل

عہ ملاحظہ ہو کتاب مقدس مطبوعہ امریکن مشن پریس۔ الہ آباد مطبوعہ سنہ ۱۸۹۶ء میں (باب ۲۳ صفحہ ۹۳۴) اور خداوند کا کلام مجھے پہونچا اور اسنے کہا کہ (۲) اے آدم زاد دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں (۳) اُنہوں نے مصر میں زناکاری کی وہ اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں۔ وہاں اُنکی چھاتیاں ملی گئیں اور وہاں اُنکی بکر کی پستان چیرے گئے: (۴) اُن میں کی بڑی کا نام اہولاہ اور اُس کی بہن اہولیبہ اور وہ میری جوروان ہوئیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں اُن کے یہ نام۔ (۱) اہولہ سمرون ہے اور اہولیبہ یروشلم (۵) اور اہولہ جن دنوں میں وہ میری تھی چھنالا کرنے لگی اور اپنے یاروں پر یعنی اسوریوں پر جو ہمسایہ تھے عاشق ہوئی (۶) کہ وہ سر لشکر اور حاکمان تھے اور سب کے سب دل پسند جوانمرد اور سوار تھے جو گھوڑوں پر چڑھتے تھے اور ارغوانی پوشاک پہنے ہوئے تھے (۷) اسی طرح اُس نے اُن سب کے ساتھ جو اسور کے برگزیدہ مرد تھے چھنالا کیا۔ اور وہ اُن سب کے ساتھ جن سے وہ عشقبازی کرتی تھی اور اُن کے سارے بتوں سے ناپاک ہو گئی (۸) اس نے ہرگز اس زناکاری کو جو اُس نے مصر میں کی نہ چھوڑا

جسپر تمام یہود و نصاریٰ کا اعتقاد ہے اور جسکو کتاب آسمانی سمجھتے ہیں اسمیں عجیب عجیب باتیں ہیں اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ ہمارے دین کی باتوں کے مقابلہ میں یہ قاعدہ پیش کرتے ہیں وہ ہمارے دین سے اجنبی اور بیگانے ہیں مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ بیگانوں کی باتونکو سنکر خود ہی اپنے دین سی بیگانے بنجائیں۔ بلکہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ ایسے لوگوں کا وہی جواب ہوگا جو دوسرے دین والونکا جواب ہوتا ہے۔ اور اگر جواب نہ دیسکیں تو اسکا ملال نہ کریں ایسلئے کہ ہر شخص کل مذاہب باطلہ کے جواب کہاں تک دیسکے۔ اور یہ خیال کرلیں کہ تیرا سوسال

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۔ ۸ کیونکہ انہوں نے اس کے جوانی میں اس سے خلوت کی تہی انہوں نے اس کی بکر کی پستانوں کو ملا تھا اور اپنی زنا اس پر انڈیلی تہی (۹) اسلئے میں نے اُسے اُس کے یاروں کے ہاتھ میں یعنی اسوریوں کے ہاتھ میں جن پر وہ مرتی تہی کر دیا۔ (۱۰) انہوں نے اُسکو بے ستر کردیا اس کے بیٹے اور بیٹیوں کو چہین لیا اور اسے تلوار سے مار ڈالا۔ سو وہ عورتوں کے درمیان انگشت نما ہوئی کیونکہ انہوں نے اسے عدالت سے سزا دی (۱۱) اور اُس کی بہن اہولبہ نے یہ سب کچھ دیکھا ۹ پر وہ شہوت پرستی میں اس سے بدتر ہوئی ۱۰ اور اُس نے اپنی بہن کی زناکاری کی نسبت سے زیادہ زناکاری کی (۱۲) وہ بنی اسور ۱۱ یعنی سرلشکروں اور حاکموں پر جو اُس کے ہمسایہ تھے جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے تھے اور گھوڑوں پر چڑھتے تھے ۱۲ اور سب کے سب دلپسند جوان تھے عاشق ہوئی (۱۴) اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہو گئی۔ اُن دونوں کی ایک ہی راہ و رسم تہی۔ (۱۴) بلکہ اُس نے زناکاری زیادہ کی۔ کیونکہ جب میں نے دیوار پر مردوں کی صورتیں دیکھیں کسدیوں کی تصویریں جو شنگرف سے کہنچی ہوئی تہیں (۱۵) اور کمر اُن کے کمروں پر پٹکے کسے ہوئے تھے اور اُن کے سروں پر رنگین پگڑیاں تہیں اور سب کے سب دیکھنے میں سرلشکر ہیں بابل کے دستور کے مشابہ جن کا وطن کسدستان ہے۔ (۱۶) تب دیکھتے ہی وہ اُنپر مرنے لگی ۱۳ اور قاصدوں کو کسدیوں کے ملک میں اُن پاس بھیجا۔ (۱۷) سو بابل کے بیٹے اس پاس آکے عشق کے بستر پر چڑھے اور انہوں نے اس سے زنا کرکے اسے آلودہ کیا اور جب وہ اُن سے ناپاک ہوئی تو اسکا جی اُنسے پھر گیا ۱۴ (۱۸) تب اُسکی زناکاری علانیہ ہوئی اور اس کی برہنگی بے ستر ہوئی تب جیسا میرا جی اُسکی بہن کی طرف سے ہٹ گیا تہا ویسا میرا دل اُس سے بھی ہٹا۔ ۱۵ (۱۹) تسپر بھی اُس نے اپنے جوانی کے دنوں کو یاد کرکے جب وہ مصر کی سرزمین میں چھنالا کرتی تہی ۱۶ زناکاری پہ زناکاری کی۔ (۲۰) سو وہ پہر اپنے اُن یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن ۱۷ گدہوں کا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تہا انتہیٰ۔ اب غور کیجئے کہ زنا کا کسقدر تذکرہ ہے اور یہ حالا نعوذ باللہ بھاکس عقلمند کی بات میں نہ آئے [illegible]

سے کرور ہا مسلمان جس طرح اپنے دین کی حفاظت کرتے آرہے ہیں
ہمیں بھی اسی طرح حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔
اب ہم بطور نمونہ چند اکابر دین کے حالات لکھتے ہیں جنسے اہل انصاف
منکشف ہو جائیگا کہ یہ حضرات فقط حفاظت دین ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے
اور جس دین میں ایسے حضرات کا وجود ہو اسکا قیامت تک محفوظ رہنا دور از
قیاس نہیں۔ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات شافعیہ میں اور امام سیوطی اور ابن اثیر
نے تاریخ الخلفاء اور تاریخ کامل میں مسئلہ خلق قرآن میں جو واقعات پیش آئے
انکو تفصیل سے لکھا ہے جس سے ثابت ہے کہ محدثین رحمہم اللہ نے کیسی
کیسی جانفشانیوں سے اسلامی عقائد کو محفوظ کر دیا خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ قاضی
احمد ابن دؤاد (جو نہایت فصیح اور علم کلام میں متبحر اور معتزلہ کا صحبت یافتہ شخص تھا
اور خلیفہ مامون کے دل میں اس کی بڑی وقعت تھی۔) اُسنے مامونکو سمجھایا کہ
کلام اللہ مخلوق ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا جعلناہ قرآنا عربیا اور جعل کے
معنی پیدا کرنے کے ہیں، جیسے وجعل الظلمات والنور سے ظاہر ہے لیکن بعض
جہال اُس کو غیر مخلوق کہکر خالق کے برابر بنا دیتے ہیں اور باوجود اس شرک
کے اپنے آپ کو اہل حق اور اہل سنت قرار دیکر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں
بادشاہ اسلام کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی تادیب کر کے دین کی حفاظت
کرے۔ چنانچہ یہ بات بادشاہ کے سمجھ میں آگئی۔ اور اسحٰق ابن ابراہیم
حاکم بغداد کے نام حکم جاری کیا کہ تمام فقہا اور محدثین کو بلا کر اُن کا عقیدہ
دریافت کرو اگر وہ علانیہ اقرار کریں کہ قرآن مخلوق ہے تو بہتر ورنہ انکو لکھا

مقید کر کے پیشگاہ میں روانہ کریں۔ چنانچہ حاکم نے اکابر علما کو جمع کر کے حکم شاہی سنا دیا انہیں اکثر تو یہ کہہ کر ٹال گئے کہ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور اس مسئلہ میں کسی سے بحث نہ کرینگے اور بعضوں نے بالکل سکوت کیا۔ اور بعضوں نے کہا کہ قرآن مجعول ہے۔ مگر چونکہ خدائے تعالیٰ نے اُسکو مخلوق نہیں کہا اسلئے ہم مخلوق نہیں کہہ سکتے۔ بادشاہ نے اُن اقوال کو دیکھکر حکم بھیجا کہ جو لوگ قرآن کو صاف طور پر مخلوق نہ کہیں انکو فتوی دینے اور روایت حدیث کرنے سے روک دیا جائے۔ اور چند نامی گرامی محدثین کے نام لکھے کہ اگر وہ اقرار نہ کریں تو انکی گردنیں مارے انکے سر دربار شاہی میں روانہ کئے جائیں جب یہ حکم سنایا گیا تو اکثر نے جان بچانیکی غرض سے کہدیا کہ قرآن مخلوق ہے مگر امام احمد ابن حنبل اور محمد ابن نوح رضی اللہ عنہما نے اُس سے صاف انکار کیا حاکم نے انکو مقید کر کے بادشاہ کے پاس روانہ کر دیا۔ بادشاہ سے کسی نے یہ کہدیا کہ جن لوگوں نے اقرار کیا ہے وہ جان بچانے کی غرض سے صرف زبانی اقرار ہے۔ اُسپر حکم شاہی نافذ ہوا کہ سنا گیا ہے کہ بعضوں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے باب میں جو آیت نازل ہوئی۔ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اس میں تاویل کر کے زبانی اقرار کرلیا ہے حالانکہ وہ غلط ہے بہر حال انکو بھی دربار شاہی میں بھیجدیا جائے چنانچہ وہ سب محدثین روانہ کئے گئے مگر حسن اتفاق سے راستہ ہی میں یہ خبر پہونچی کہ خلیفہ مامون کا انتقال ہو گیا۔ جس سے سب کی رہائی ہوئی لیکن مامون نے مرتے وقت وصیت نامہ لکھا کہ میرے بعد جو خلیفہ ہو اُس کو چاہئے کہ محدثین کو مجبور کر کے قرآن کے

مخلوق ہونے کا اقرار کرائے۔ چنانچہ اُسکے جانشین مستعصم باللہ نے بھی وہی کارروائی شروع کی۔ اور چونکہ امام احمد رحؒ اپنے انکار پر مصر تھے اُن پر سختی شروع کی گئی چنانچہ متعدد قید خانوں میں قید کیے گئے کبھی اصطبل میں کبھی عام قید خانوں میں کبھی نہایت تنگ و تاریک مکان میں اور اُس اثنا میں اکثر مناظرے بھی ہوئے مگر آپ کے مقابلہ میں جو آتا اُسکو ساکت کردیتے آخر بادشاہ نے دو شخصوں کو مناظرے کے لیے بھیجا آپ نے اُن سے پوچھا کہ تم خدائے تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق اُنہوں نے کہا کہ مخلوق آپ نے فرمایا اس قول سے تم کافر ہوگئے کسی نے کہا آپ یہ کیا کرتے ہو یہ بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں یہی بھیجے ہوئے کافر ہوگئے وہ دونوں تین روز تک مناظرہ کے لئے آیا کیے ہر روز یہ نیل مرام جاتے وقت ایک بیڑی امام رحؒ کے پاؤں میں اضافہ کردیتے۔ چنانچہ اب چار بیڑیاں آپ کے پاؤں میں ہوگئیں۔ چوتھے روز بادشاہ نے خود اپنے روبرو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ حاکم بغداد نے آپ کو بلوا کر کہا کہ اب اگر آپ اقرار نہ کروگے تو بادشاہ نے قسم کھائی ہے کہ ہر روز آپ کو کوڑے لگوائے جائیں گے یہاں تک کہ آپ یا اقرار کریں یا اسی عذاب سے مرجائیں۔ اور آپ کے قید کے لئے ایک نہایت تنگ و تاریک مکان تجویز کیا گیا ہے پھر اُنسے کہا بھلا یہ تو خیال کرو کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے

انا جعلناہ قرآناً عربیاً۔ یہ کیونکر صحیح ہو سکے کہ قرآن مجعول ہو اور مخلوق نہ ہو۔ آپنے فرمایا حق تعالیٰ نے فجعلہم کعصف ماکول بھی فرمایا ہے۔ کیا یہاں تخلیق کے معنی

صادق آتے ہیں مطلب یہ کہ عمل اور خلق مرادف نہیں اسکا کچھ جواب اُس کو نہ ہو سکا اور بادشاہ کے روبرو لیجانیکا حکم دیا۔ چونکہ آپکے ہر پاؤں میں چار چار بھاری بیڑیاں تھیں۔ قدم قدم پر آپ گرتے تھے آخر کسی جانور پر سوار کی گئی اور معتصم کے گھر پہونچے اور ایک نہایت تنگ و تاریک حجرہ میں آپکو داخل کر کے باہر سے قفل لگا دیا گیا آپ فرماتے ہیں جب رات کو میں تہجد کا ارادہ کیا اور چراغ تو تھا ہی نہیں تیمم کے لئے مٹی ملجاتی مٹی کی تلاش میں لینے ادہر اودہر ہاتھ دوڑے یکایک میرا ہاتھ ایک برتن پر پڑا جو پانی سے بھرا ہوا طشت کے ساتھ رکھا تھا میں نے وضو کر کے نماز پڑھ لی۔ صبح کو بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ چار بیڑیوں کو سنبھالکر چلنا مشکل تھا اور کوئی چیز نہ تھی جس سے اُن کو باندھ لیتا اس لئے پائجامہ سے ازار بند نکالکر اُن کو اکٹھے کیا اور پائجامہ کو گرہ دیکر اقتان وخیزان چلا جب بادشاہ کے روبرو پہونچا تو خلق کا ہجوم تھا جس میں ابن دواد اور اُسکے طرفدار بکثرت تھے۔ بادشاہ نے اپنے روبرو مجھے جگہ دی۔ تھوڑی دیر بیڑیوں کی مشقت سے دم لیکر بادشاہ سے پوچھا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے۔ بادشاہ نے اجازت دی میں نے کہا خدا تعالےٰ بندوں کو کس چیز کی طرف بلاتا ہے۔ بادشاہ نے کہا لا الہ الا اللہ کی شہادت کی طرف میں نے کہا کہ میں لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہوں اور یہ روایت آپ کے دادا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ جب وفد عبد قیس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپنے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے انہوں نے کہا اللہ و رسولہ اعلم پھر حضرت نے فرمایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کی شہادت اور اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور غنیمت کا پانچواں حصہ دینا۔ یہ سنکر بادشاہ نے کہا کہ اگر اپنے سے پہلے بادشاہ کے قید میں میں تمہیں نہ پاتا تو تم سے تعرض نہ کرتا۔ پھر عبدالرحمٰن ابن اسحاق سے کہا کیا میں تجھسے نہیں کہتا تھا کہ اسکے سختی کو اٹھا دے اس نے کہا کہ اِن کی تعذیب مسلمانوں کی آسایش کا باعث ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ خیر اب مناظرہ کرو۔ اُس نے مجھسے پوچھا قرآن کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق میں نے کہا خداے تعالیٰ کے علم کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔ مگر ہر طرف سے دلائل اور اعتراضات ہونے لگے اور میں سب کو جواب دیتا گیا۔ یہاں تک کہ سب ساکت ہو گئے۔ اُس وقت ابن دواد نے بادشاہ سے کہا خدا کی قسم یہ شخص گمراہ اور گمراہ کرنے والا بدعتی ہے۔ بادشاہ نے کہا اور مناظرہ کرو چنانچہ اِس بار کے مناظرہ میں بھی میں ہی غالب آیا اسی طرح دو روز تک مناظرہ ہوتا رہا اس اثنا میں اکثر بادشاہ مجھسے اقرار کر لینے کی فرمائش کرتا اور میں یہی کہتا تھا کہ کوئی آیت یا حدیث اِس باب میں پیش کی جائے تو مجھے اُسکے قبول کرنے میں کچھ عذر نہیں تیسرے روز ایک نہایت شاندار دربار کیا گیا جس میں مسلح فوج ایک طرف اور کوڑے لئے ہوئے بہت سے لوگ ایک طرف کھڑے کئے گئے تھے اور میں بلایا گیا جب میں آیا تو حضار دربار سے خاص خاص لوگوں کو مجھسے مناظرہ کرنے اور سمجھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ بہت دیر تک مناظرہ ہوا جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو بادشاہ نے مجھے ہٹا کر اُن لوگوں سے تخلیہ کیا اُسکے بعد اُنکو ہٹا کر مجھسے تخلیہ کیا۔ اور کہا اے احمد تم اقرار کر لو تو میں ابھی تمہیں رہا کر دیتا ہوں میں نے

دہی کہا کہ بغیر قرآن و حدیث کے میں کوئی بات نہیں مان سکتا۔ یہ سنکر بادشاہ نہایت
غصہ سے کہا اب اس کو کھینچو اور اس کا لباس اتار دو جب قمیص اوتار اگیا تو اُس کی
آستین میں کچھ بندھا ہوا تھا پوچھا یہ کیا ہے میں نے کہا کہ اُس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کا موئے مبارک ہے۔ پھر بادشاہ اپنے مقام سے اٹھکر کرسی پر بیٹھا اور کوڑے
والوں کو بلایا اور اُن کے کوڑے دیکھکر کہا کہ دوسرے کوڑے لاؤ جب دوسرے
کوڑے پسند آئے تو جلادوں کو حکم دیا کہ خوب زور سے اسکو مارو چنانچہ ایک
شخص آگے بڑھا اور زور سے دو کوڑے مارکر ہٹ گیا۔ پھر دوسرے نے
دو مارے اسیطرح جلاد نوبت بنوبت آتے اور اپنی پوری طاقت سے دو دو
کوڑے مارتے جب اُنیس کوڑے مارے گئے بادشاہ کو شاید کچھ رحم آگیا
اور اتر کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے احمد تم کیوں اپنے نفس کو قتل کرتے ہو
خدا کی قسم مجھے تم پر شفقت ہے۔ کوئی تو ایسی بات کہو کہ مجھے تمہارے چھوڑنے
کے لئے حیلہ ہو جائے میں نے اُسوقت بھی یہی کہا کہ اے امیر المومنین کوئی
بات مجھے کتاب اللہ سے معلوم کرائیجائے تو میں ابھی قائل ہو جاتا ہوں
اسکے ساتھ ہی ہر طرف سے سختیاں شروع ہوئیں۔ کوئی تلوار کے قبضہ سے مار کر
کہتا تھا کیا تو اتنے لوگوں پر غالب آجائے گا۔ کوئی کہتا کہ امیر المومنین کی بات کو
تو نہیں مانتا۔ کوئی کہتا تھا کہ تیرے زمانے سے کسی نے ایسا نہیں کیا جو تو کر رہا ہے
بادشاہ کو غصہ میں لانے کیلئے کہا کہ اے امیر المومنین آپ روزہ ہو اور دھوپ میں
اسکے سامنے کھڑے ہو اسکو قتل کر ڈالئے اسکا خون میری گردن پر ہے
بادشاہ نے کہا اے احمد کچھ تو کہو۔ میں نے پھر وہی کہا کہ کوئی آیت یا حدیث بتلادو

تو میں قبول کر لیتا ہوں۔ بادشاہ نے پھر کرسی پہ جا بیٹھا۔ اور جلادوں کو زیادہ سختی
کرنے کا حکم دیا۔ لکھا ہے کہ جب امام رحمہ پر پہلا کوڑا اٹھا آپنے بسم اللہ کہا۔ اور دوسرے
کوڑے پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور تیسرے پر فرمایا قرآن اللہ تعالی کا کلام غیر مخلوق
ہے اور چوتھے کوڑے پر لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا علی ہذا القیاس موقع موقع
کی آیتیں پیش نظر ہوتی تھیں۔ اس اثنا میں ازار بند ٹوٹ گیا اور پائجامہ نیچے کو
اترآیا آپ نے آسمان کی طرف دیکھکر کہا الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو میری
بے ستری نہ ہو۔ لکھا ہے کہ پائجامہ وہیں رک گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد آپ
بیہوش ہو گئے اور وہاں سے اٹھا کر کسی مکان میں آپ کو لٹا دیا۔ آپ فرماتے
ہیں کہ جب سختی سے کوڑے پڑنے لگے تو میں بیہوش ہو گیا اور مجھے کچھ خبر
نہیں کہ اُسکے بعد کیا ہوا جب ہوش آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں پیروں سے نکل ہوئی
ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ جب آپ بیہوش ہو کر گر گئے تو لوگوں نے آپ کو پیروں
سے خوب روندا۔ آپ نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ غرض کامل اٹھائیس مہینے
آپ پر اقسام کی مصیبتیں ڈالی گئیں آخرش رہا کئے گئے۔ لکھا ہے کہ ہوش
آنے کے بعد کسی نے ستو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں روزہ نہ توڑونگا پھر نماز ظہر
ایسی حالت میں پڑھی کہ زخموں سے خون جاری تھا کسی نے کہا یہ نماز کیسی
خون آپکے کپڑوں میں جاری ہے۔ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایکبار ایسی
حالت میں نماز پڑھی ہے۔ اُسکے بعد آپ رہا کئے گئے۔ امام رحمہ کے فرزند
صالح کہتے ہیں کہ یہ واقعہ رمضان میں ہوا کئی روز آپ پر ایسے گذرے کہ بغیر
سحر اور افطار کے روزے رکھا کئے اور کسی کو موقع نہ ملا کہ کھانا یا پانی آپکو پہنچا سکے

اور روزانہ مار پڑتی تھی ایک روز کمال تشنگی کی حالت میں بے اختیار آپ نے سقّا
سے پانی مانگا۔ اس نے برف پڑا ہوا پانی دیا آپ نے پیالہ لے لیا اور تھوڑی دیر
تک پانی کو دیکھتے رہے۔ آخر خوف الٰہی غالب ہوا اور پانی نہ پی سکے۔ لکھا ہے
جب تک کہ ہوش تھا ہر کوڑے پر آپ معتصم بادشاہ کے واسطے دعا کرتے اور اس کی
خطا معاف کرتے تھے کسی نے اس کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا میں مکروہ
سمجھتا ہوں کہ قیامت میں یہ کہا جائے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی
اولاد اور اہل بیت کا دعویدار ہے۔

حیوۃ الحیوان میں علامہ دمیری رح نے لکھا ہے کہ امام شافعی رح نے خواب میں
دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل کو جنت کی
خوشخبری دو کہ وہ اُن مصیبتوں کے معاوضہ میں دی گئی ہے جو اُن کو قرآن کو مخلوق کہنے کی
غرض سے ابتلاء میں [illegible] اُن کو پہنچے گی [illegible] بلکہ صاف
کہہ دیں کہ قرآن غیر مخلوق نازل کیا گیا ہے۔ امام شافعی رح نے ایک رقعہ لکھ
کر ایک خادم کے ہاتھ امام احمد رح کو بھیجا [illegible] میں لکھا ہوا تھا جب وہ
گئے اُس خط کو پڑھ کر [illegible] اور اُس خادم کو عطا کیا
خادم قمیص پہنے ہوئے [illegible] امام شافعی رح کو جب قمیص کا حال معلوم ہوا تو اُس
قمیص کو دھو کر [illegible] اُس کا دھوون [illegible] اُس قمیص کا دھوون
اپنے [illegible] آپ نے [illegible] اور اُس میں لکھا ہے [illegible]
کہ جب امام احمد رحمۃ اللہ کی وفات کا وقت [illegible]
[illegible] امام [illegible] سے [illegible]

قریب گیا میں نے پوچھا حضرت کیا گذرا؟ فرمایا دارالسلام میں خدام کی رفتار کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا مغفرت کی اور تاج اور نعلین مجھے پہنا کر فرمایا کہ یہ اس کا بدلہ ہے جو تم نے کہا تھا کہ قرآن میرا کلام غیر مخلوق ہے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ابو الحسن ابن ہوزی کا قول نقل کیا ہے کہ ابراہیم ابن حنبل رح نے ایک رات بشر حافی رح کو خواب میں دیکھا کہ مسجد رصافہ کے قریب تشریف فرما ہیں اور آپ کی آستین ہل رہی ہے میں نے پوچھا کیا ہے؟ فرمایا شب گذشتہ احمد ابن حنبل رح کی روح جب یہاں آئی تو اس پر موتی اور یاقوت نثار کیے گئے یہ انہی میں سے میں نے چن لیا ہے۔ لمعات شافعیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسئلہ خلق قرآن کی ابتدا مامون نے ۲۱۲ھ میں کی اور ۲۳۴ھ میں متوکل کی ۲۳۲ھ تک برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ واثق کے زمانہ میں خلافت ... متوکل نے اس سے رجوع کر کے احکام جاری کیے کہ ... اس مسئلہ میں ... اہلسنت کے ... گئے۔

لمعات شافعیہ اور حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کو قید کر کے واثق کے دربار میں لایا گیا۔ ابن ابی دؤاد نے جب حاضرت ان سے پوچھا کہ تم قرآن کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ انہوں نے کہا میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کہا دو کہا۔ کہا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم بھی جانتے تھے یا نہیں؟ کہا جانتے تھے۔ کہا جب

تم اُن کو اُس کی طرف بلاتے ہو کیا وہ بھی بلاتے تھے یا انہوں نے سکوت کیا تھا؟ کہا سکوت کیا تھا۔ کہا پھر تم کیوں سکوت نہیں کرتے اِس کا جواب اُس سے کچھ نہ ہو سکا اور بادشاہ کے سمجھ میں وہ بات آگئی اور اُنکو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

طبقات شافعیہ میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک مسخرہ جس کا لقب عبادہ مخنث تھا ایک روز واثق باللہ کے پاس آکر کہا اعظم اللہ اجرک فی القرآن یا امیر المومنین عرب کا دستور ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اُس کی تعزیت میں اعظم اللہ اجرک کہتے ہیں بادشاہ نے کہا اے کمبخت کیا قرآن بھی مرتا ہے؟ کہا اے امیر المومنین قرآن آخر مخلوق ہے اور مخلوق کا مرنا ضرور ہے۔ پھر پوچھا اے امیر المومنین اگر قرآن مرجائے تو تراویح کون پڑھائیگا۔ بادشاہ نے کہا کمبخت چپ رہ۔

اب ہم چند امور یہاں بیان کرتے ہیں جو اِس واقعہ سے مستنبط ہوتے ہیں جو مقصود کتاب سے اگرچہ ان تعلق نہیں مگر مناسب مقام ہیں۔

(۱) اِس واقعہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ غیر مذہب والوں کی مصاحبت اور مجالست اور ادیان مختلفہ کی کتابوں کے مطالعہ سے اعتقاد پر اثر پڑتا ہے گو آدمی دیندار اور فاضل ہو دیکھئے خلیفہ مامون کو محدثین اور اہل تاریخ نے جامع فضائل لکھا ہے چنانچہ تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ وہ حافظ قرآن اور فقہ اور حدیث میں ماہر تھا ایک بار ہارون رشید نے اُسکو عیسٰی ابن یونس کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے سو حدیثیں اُسکو سنائیں۔ مامون نے کہا حضرت میں چاہتا ہوں کہ اعادہ کر کے اُن کی تصحیح کروں اور انہوں نے اجازت دی مامون نے پوری سو حدیثیں اپنا حافظہ زبانی پڑھکر سنادیں۔ اور باوجود اس علم و فضل کے

وہ عابد بھی تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بعضے رمضانوں میں قرآن کے سو ختم کرے
اور اہل بیت کرام کیساتھ اُسکو دلی محبت اور عقیدت تھی چنانچہ اسی وجہ سے اپنی
لڑکی حضرت علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی اور آپ کے نکاح ثانی
کیا اور اپنے بھائی کو جو ولیعہد تھا موقوف کر کے آپکو ولیعہد مقرر کیا اور اسکی شہرت
دی اور سیاہ رنگ جو خلفائے عباسیہ کا بانا تھا چھوڑ کر سبز رنگ اختیار کیا
اور مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے آپ کو معزول کر کے حضرت ممدوح کو مسند خلافت
پر بٹھلا دے مگر اسی عرصہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ غرضکہ خلفائے عباسیہ میں
تو کیا دوسرے سلاطین میں بھی اِن صفات کا جامع شاید ہی کوئی ہوا ہو۔ ایسے حکیم
فاضل کو ایک فاسد الاعتقاد ابن ابی دؤاد کی صحبت اور نیز فلسفہ کی کتابیں جو جزیرہ
قبرس میں اُسکے ہاتھ آئیں اُن کے مطالعہ نے اس مسئلہ میں اُسکو بیباک اور جماعت
اہل سنت سے منحرف کر دیا۔

ابن ابی دؤاد کے تقرب کی وجہ یہ تھی کہ مامون خود کمال اور فاضل شخص تھا
اور ابن ابی دؤاد بھی بڑا ہی فاضل کامل تھا۔ چنانچہ ابن خلکان نے اُس کی
طباعی اور تبحر علمی کے کئی واقعے وفیات الاعیان میں لکھے ہیں منجملہ اُن کے
ایک یہ ہے کہ مامون کی مجلس میں ایک بار ذکر آیا کہ لیلۃ العقبہ میں انصار نے
جو بیعت کی اُن کے کیا نام ہیں ہر شخص نے اپنے معلومات بیان کئے مگر
مقصود حاصل نہ ہوا۔ اس عرصہ میں ابن ابی دؤاد آگیا جب اُس سے پوچھا گیا
تو فوراً ایک ایک کا نام مع کنیت اور انساب بیان کر دیا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا
اور کہا کہ کسی فاضل کیساتھ آدمی جلیس ہو جائے تو ابن ابی دؤاد جیسے آدمی کا ہوتا

کرے اور قاعدہ کی بات ہے کہ اہل کمال اہل کمال کو دوست رکھا کرتے ہیں۔ اس مناسبت سے مامون نے اُس کو اپنا مقرب بنایا اور اپنے تبحر علمی اور کمال تدین کے بہرو سے اُسکے مذہب و مشرب کی کچھ پروا نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں اُس فتنہ کی آتش مشتعل ہوئی اور ایک مدت تک اہل اسلام کا ایک منتخب گروہ حیران و پریشان رہا۔ یہ ہے اثر بری صحبت کا۔

بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(۲) یہ مسئلہ اُس زمانہ میں علمی انداز پر پیش نہیں ہوا بلکہ مذہبی رنگ میں دکھلایا گیا کہ قرآن غیر مخلوق ہو تو خالق کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے اسی وجہ سے سلاطین اسلامیہ نے اُسکے انسداد کو اپنا فرض منصبی سمجھا۔ باوجودیکہ مامون نہایت رحم دل حلیم بادشاہ تھا۔ مگر اس مقدمہ میں حلم و عفو اُس سے نہ ہو سکا حالانکہ اُس کی ذاتی کتنی ہی توہین کیجاتی کچھ مواخذہ نہ کرتا چنانچہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ ایک بار وہ دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا ایک ملاح یہ کہتا ہوا گذرا کیا تم سمجھتے ہو کہ میری آنکھوں میں مامون کی کچھ وقعت ہے ہرگز نہیں اسلئے کہ اُسنے اپنے بھائی امین کو قتل کر ڈالا۔ بادشاہ تبسم کرتا ہوا حضار مجلس سے پوچھا کہ تم کوئی ایسا حیلہ جانتے ہو کہ میری وقعت اس بزرگ کی آنکھوں میں ہو۔ اُس کا قول تھا کہ مجھے کسی کا قصور معاف کرنے میں نہایت تلذذ ہوتا ہے یہاں تک کہ اسی تلذذ کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ عفو کے ثواب سے کہیں محروم نہ ہوجاؤں اور کہا کرتا تھا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عفو کو میں کس قدر دوست رکھتا ہوں تو لوگ میرا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جرم کیا کریں گے۔ باوجود اس کے

بادشاہوں کی مخالفت محض مخالفت دین کی بنا پر ہوئی

اِس مذہبی معاملہ میں اُس نے نہ علم کیا نہ عفو قصور بلکہ حکم قتل جاری کر دیا کہ جو شخص اقرار نہ کرے اُس کی گردن مار ڈالی جائے چونکہ منشا اُس کا حفاظت دین تھا اِسلئے وہ لوگ اسکو باعث تقرب الٰہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ لمعات شافعیہ میں لکھا ہے کہ احمد ابن نصر خزاعی رحمہ جو شیخ جلیل القدر تھے۔ واثق باللہ کے دربار میں حاضر کئے گئے۔ بادشاہ نے سوال کیا کہ قران کے باب میں تم کیا کہتے ہو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اُس نے کہا مخلوق ہے یا غیر مخلوق کہا اللہ کا کلام ہے ہر چند کسی ایک شق کو اختیار کرنیکے لئے اصرار کیا گیا مگر آپ یہی کہتے کہ وہ اللہ کا کلام ہے۔ اہل دربار میں سے کسی نے کہا شخص حلال الدم ہے اسکو قتل کرنا چاہیئے۔ ابن ابی دواد نے کہا کہ ان کی عقل میں فتور معلوم ہوتا ہے بہتر ہے کہ چند روز ان کو مہلت دیجائے۔ شاید اِس عرصہ میں توبہ کرلیں بادشاہ نے کہا میری دانست میں یہ شخص اشد کافر ہے کہ اپنے اعتقاد سے تائب نہیں یہ کہہ کر تلوار منگوائی اور کہا کہ میرے ساتھ کوئی نہ اُٹھے میں خود اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کرتا ہوں کیونکہ جتنے قدم اس کام میں اُٹھاؤں باعث اجر ہیں۔ چنانچہ اپنے ہاتھ سے انکو قتل کر کے انکا سر بغداد کے شرقی جانب میں چندروز اور غربی جانب میں چند روز لٹکانے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ اس عقیدہ والوں کی یہ سزا ہے اور انکے کان میں یہ پرچہ لٹکایا گیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ سر احمد ابن نصر ابن مالک کا ہے اُس سے عبداللہ واثق باللہ امیرالمومنین نے کہا کہ قرآن کو مخلوق کہے مگر اُس نے سرکشی کی اِسلئے اللہ نے اسکو دوزخ میں بھیدیا۔

لکھا ہے کہ اُن کی شہادت سے کے بعد تھوڑے عرصہ میں واثق کا انتقال ہوا اور اسکا بھائی متوکل باللہ مسند خلافت پر بیٹھا۔ ایک روز عبدالعزیز بن یحیٰی کنانی نے عرض کیا کہ ایک عجیب واقعہ دیکھا گیا کہ جب واثق نے احمد بن نصر خزاعی کی گردن ماری تو اُن کے دفن تک قرآن اُن کی زبان سے اکثر سنا گیا۔ متوکل کو اس واقعہ کے سُننے سے عبرت ہوئی اور فکر میں بیٹھا تھا کہ محمد ابن عبدالملک زیات حاضر ہوا متوکل نے اُس سے کہا کہ احمد ابن نصر کے قتل کا مجھے ملال ہے۔ اُسنے کہا اے امیرالمومنین اگر واثق نے اُسکو کفر کی وجہ سے نہ مار ڈالا ہو تو اللہ مجھے آگ سے جلا دے اُسکے بعد ہرثمہ آیا اُس سے بھی بادشاہ نے ملال ظاہر کیا اُسنے کہا اے امیرالمومنین اگر واثق نے اُسکو کفر کی وجہ سے نہ مار ڈالا ہو تو خدا ہر ایک عضو میرا جدا کر دے اُسکے بعد ابن ابی دؤاد آیا بادشاہ نے اُس سے بھی ویسا ہی کہا اُسنے بھی تسکین دی کہ اگر وہ کفر کی وجہ سے نہ مار ڈالا گیا ہو تو خدا مجھے فالج سے ہلاک کر دے۔ لکھا ہے کہ تھوڑے عرصہ میں وہ تینوں نے جسطرح کہا تھا اُسی موت سے وہ مرے۔ حیٰوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ احمد بن نصر خزاعیؒ کو بعد شہادت کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا کہا کہ مغفرت کی لیکن تین روز سے میں ایک غم میں مبتلا تھا۔ پوچھا غم کیا۔ کہا دو بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے رو برو سے تشریف لے گئے مگر میری طرف توجہ نہیں کی تیسرے روز جب تشریف فرما ہوئے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا میں حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں تھے فرمایا ہاں تم ہی حق پر تھے۔ میں نے عرض کیا پھر حضرت! جو مجھے اعراض فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ فرمایا تم کی

سے مجھے شرم آتی ہے کہ میرے اہل بیت میں سے تمہیں ایک شخص نے قتل کیا

اسمیں شک نہیں کہ مسئلہ قرآن میں بعضے سلاطین بایں تشدد اور قتل کو اپنے زعم
میں گو تائید دین سمجھے تھے لیکن باطل پر ضرور تھے مگر انکے اس تشدد کا یہ اثر تو
ضرور ہوا کہ اہل باطل کے حوصلے پست ہو گئے کسی کی مجال نہ تھی کہ دین میں کوئی
نئی بات نکال سکے اور یہ خوف لوگوں کے دلوں میں طاری ہو گیا تھا کہ جب ایسے
ایسے نامی و گرامی علما جنکو عموماً محدثین اور اہل حق اپنے مقتدا مانتے ہیں ایک مسئلہ میں
خلاف کرنے سے انکے قتل عام کا حکم ہو گیا اور ہر طرف دار و گیر ہونے لگی تو ہر کس
و ناکس کس قطار و شمار میں۔ بہر حال ان کارروائیوں سے ثابت ہے کہ جس طرح
اہل حق سے دین کی تائید اور حفاظت ہوئی ان سلاطین کے رعب و داب سے
بھی دین کی حفاظت ہوئی اب غور کیا جائے کہ جس طرح اس آخری زمانہ میں جس کا
جو جی چاہتا ہے قرآن و حدیث میں تاویلیں کر کے ایک گروہ اپنا علانیہ قائم کر لیتا
ہے کیا ان سلاطین کے زمانہ میں یہ ممکن تھا؟ ان کی طرز حکومت گواہی دے رہی
ہے کہ جتنی آزادی ایمان باللہ کو تھی مسلمانوں کو نہ تھی۔ دیکھئے یہی خلق قرآن کے
مسئلہ میں صرف محدثین مجبور کئے جاتے تھے کسی یہودی اور عیسائی سے اس
مسئلہ کا سوال ہی نہ ہوا حالانکہ وہ بھی کلام الٰہی کے قائل تھے۔ ہاں اسلامی مذاہب
باللہ کے موجد اور سرپرست مخفی طور پر جاہلوں کو بمناسبت طبیعی طلاقت لسانی کر
کے اپنے ہمخیال بنا لیتے تھے اور کبھی کبھی موقع پاکر کسی مسئلہ میں عقلی دلائل سے
بادشاہوں کو بھی دھوکہ دیدیتے۔ چنانچہ بعضے اصحاب غیلان نے یزید ناقص کو
جو سلاطین بنی امیہ میں تھا۔ قدری بنا لیا تھا جس کی وجہ سے چند روز مذہب قدریہ

کو تائید ملی اسلئے مامون کو معتزلی نے مسئلہ خلق قرآن میں دھوکا دیدیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں قدیم سے جو مذہب قرناً بعد قرن چلا آرہا ہے وہ مذہب اہل سنّت وجماعت ہے اور اس کے سوا جتنے مذاہب ہیں سب حادث ہیں جنکا موجد ایک ہی ایک شخص ہوا کیا۔ مثلاً مذہب قدریہ کا موجد معبد جہنی ہے جو صحابہ کے زمانہ میں تھا اور جب صحابہ نے اُسکی بدعت سُنی اُس سے ابراء وذمہ کر کے اُسکی مخالفت کا اعلان کیا اسی طرح مذہب اعتزال کا موجد واصل ابن عطا ہے جو تابعین کے زمانہ میں تھا۔ اسی طرح کل مذاہب باطلہ کا حال ہے جو مذہب اہل سنّت وجماعت سے علیحدہ ہوکر قرآن میں ایسی بدنما تاویلیں کرتے جو صراحۃً تحریف ہیں۔ اور اپنی مرضی کے مطابق بحسب ضرورت حدیثیں بنا لیتے اور جو حدیثیں اپنے مقصود کے مخالف تھے انکو موضوع قرار دیتے یا تاویلیں کرتے کیونکہ نئی بات کا موجد جو تمام امت موجودہ سے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ جب تک ایسی کارسازیاں نہ کرے۔ کوئی شخص اُس کا ہمخیال نہیں بن سکتا۔ بخلاف اِسکے اہل سنت وجماعت کو جو ہر ایک موجد کے زمانہ میں موجود تھے ایسی کارروائیوں کی ضرورت ہی نہ تھی اس سے ظاہر ہے کہ صرف اہل سنت وجماعت کا مذہب ایسا ہے جس میں کسی کے ایجاد واختراع کو دخل نہیں۔ اور یہ مسلم ہے کہ ہمارا آسمانی دین کسی کے ایجاد واختراع کو جائز نہیں رکھتا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ اس دین میں تہتر (۷۳) مذہب بنائے جائیں گے مگر وہ کل مذاہب ناری ہیں اور ناجی ایک ہی مذہب ہے کسی نے پوچھا وہ کونسا مذہب ہے فرمایا جسپر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ کما فی المشکوٰۃ عن عبداللہ بن عمرو

مذہب اہل سنت قدیم اور دوسرے مذاہب حادث ہیں

تہتر مذاہب میں سے ناجی اہل سنت وجماعت ہیں

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین ملۃ کلھم فی النار الاملۃ

واحدۃ قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی رواہ الترمذی وفی معناہ ما

رواہ احمد وابو داؤد اسی وجہ سے تابعین نے احادیث اور اقوال صحابہ کو محفوظ

کر لیا تاکہ وہ ناجی مذہب ہاتھ سے جاتا نہ رہے اور اُن کے بعد کے طبقات میں

بھی اُن کی پوری پوری حفاظت ہوتی گئی۔ ہر چند اہل مذاہب باطلہ نے بہت کچھ

فکریں کیں کہ اپنے خیالات باطلہ کو دینی مسائل اور اعتقادات میں مخلوط کر دیں چنانچہ

طلاقت لسانی سے کام لیا بعضے سلاطین کو اپنے ہمخیال بنا کر مسلمانوں پر دباؤ ڈالا۔

جعلسازیاں کیں مگر بفضلہ تعالیٰ اُن کی کچھ چل نہ سکی۔ اور اُن کے تراشیدہ خیالات دین

میں ایسے ممتاز رہے جیسے دودھ میں مکھی جنکو مسلمانوں نے نکال کر پھینکدیا اور

بفضلہ تعالیٰ وہی خالص دین ہم تک برابر پہونچگیا فحمد اللہ علی ذٰلک۔

(۳) اگرچہ شرعاً اجازت ہے کہ جبر واکراہ کے موقع میں زبان سے کوئی کلمۂ کفر

کہدیا جائے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے من کفر باللہ من

بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب

من اللہ ولہم عذاب عظیم اسیوجہ سے اکثر محدثین نے قرآن کے مخلوق ہونے کا

زبانی اقرار کر لیا تھا اور امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ بھی اس مسئلہ کو بخوبی جانتے تھے مگر

باوجود اسکے آپ جو انکار کرتے رہے اس کی وجہ یہی تھی کہ اگر کل علماء مسئلۂ قرآن کا

اقرار کر لیتے تو عوام الناس اس مصلحت کو تو نہ سمجھتے بلکہ یہ خیال کر لیتے کہ اگر یہ اعتقاد

باطل ہوتا کوئی اس کی مخالفت کرتا۔ اور اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ معلوم نہیں یہ طوفان

بے تمیزی کب تک رہیگا اگر ایک مدت تک وہی اعتقاد فاسد عوام الناس کے ذہن

میں جاری ہے تو اہل حق کو آئندہ اُس کی اصلاح میں دشواریاں لاحق ہونگی۔ غرضکہ ان خیالات سے آپ اور آپ کے چند ہمخیال محدثین نے اقسام کی سختیاں اٹھائیں بلکہ جان تک دیدی مگر حق بات ظاہر کرتے رہے جس سے تمام مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ مسئلہ دین میں ایسا ضروری اور بہتم بالشان ہے کہ اسکے مقابل میں جان بھی کوئی چیز نہیں چنانچہ اس کا یہ اثر ہوا کہ اسی مسئلہ پر اہل حق وباطل کا امتیاز قرار پایا نہایت شد و مد سے احتیاط ہونے لگی چنانچہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں وہو کلام اللہ فی صدور الحافظین والسن الناطقین فی اکف الکاتبین وملاحظۃ الناظرین ومصاحف اہل الاسلام والواح الصبیان حیثما روئی ووجد فمن زعم انہ مخلوق او عبارۃ او التلاوۃ غیر المتلو او قال لفظی بالقران مخلوق فہو کافر باللہ العظیم ولا یخالط ولا یؤاکل ولا ینا کح ولا یجاور بل یہجر ویہان ولا یصلی خلفہ ولا یقبل شہادتہ ولا یصح ولایتہ فی نکاح ولیہ ولا یصلی علیہ اذا مات فان ظفر بہ استتیب ثلاثا کالمرتد فان تاب والا قتل سئل الامام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ عمن قال لفظی مخلوق فقال کفر وقال رحمہ اللہ فمن قال القرآن کلام اللہ لیس بخلق والتلاوۃ مخلوقۃ کفر۔ تلاوت اور متلو میں جو فرق ہے اہل علم خوب جانتے ہیں مگر چونکہ عوام ایسے امور میں فرق نہیں کر سکتے اسلئے دونوں کا ایک ہی حکم قرار دیا گیا تھا تاکہ قرآن کی مخلوق ہونیکا کسی کو خیال بھی نہ آئے اور یہ تشدد اس قسم کا تھا جیسے تحریم خمر کے زمانہ میں ظروف خمر کا استعمال بھی حرام کر دیا گیا تھا۔ باوجودیکہ امام بخاری رح کی جلالت شان تمام محدثین میں مسلم ہے مگر چونکہ انہوں نے یہ کہا کہ قرآن تو غیر مخلوق ہے مگر اس کا تلفظ کرنا جو انسان کا فعل ہے وہ مخلوق ہے اتنی بات پر اُس زمانہ کے محدثین

اُنسے بگڑے چنانچہ طبقات شافعیہ میں امام سبکی رحمہ نے لکھا ہے کہ جب امام بخاریؒ نیشاپور گئے تو علمار بغداد نے ذہلی رحمہ کو جو وہاں شیخ الشیوخ مانے جاتے تھے لکھ بھیجا کہ محمد اسمٰعیل بخاری وہاں آتے ہیں اُن کا عقیدہ ہے کہ لفظ بالقرآن مخلوق ہے ہر چند ہم نے انکو اس عقیدہ سے منع کیا مگر وہ نہیں مانتے اُنسے کہدیا جائے کہ کوئی اُن کے پاس نہ جائے چونکہ امام بخاریؒ کی شہرت ہر ملک میں تھی نیشاپور میں آپ کی تشریف فرمائی کا حال معلوم ہوا تو آپ کے استقبال میں خلق کا ایک ہجوم تھا چنانچہ طبقات شافعیہ میں لکھا ہے کہ صرف وہ لوگ جو گھوڑوں پر سوار تھے چار ہزار تھے اور جو لوگ خچروں اور گدھوں پر سوار تھے یا پیادہ تھے اُن کی تو گنتی نہیں ہر روز محدثین اور طلبہ جوق جوق بغرض استفادہ و تلمذ حاضر ہوتے ایک روز جب خوب مجمع ہوا ایک شخص نے کھڑے ہوکر پوچھا کہ حضرت لفظ بالقرآن کو آپ مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق۔ ہر چند آپنے ٹالا مگر اُسنے پیچھا نہ چھوڑا آخر آپنے اپنی تحقیق بیان کی کہ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور بندہ کے کل افعال مخلوق ہیں یعنی تلفظ بندہ کا فعل ہے۔ اسلئے وہ مخلوق ہے۔ یہ کہنا ہی تھا کہ مجلس میں شور مچگیا اور کل حضار مجلس چلے گئے اور اودہر ذہلی رحمہ نے اعلان دیا کہ جو شخص بخاری کے پاس جائے وہ ہمارے پاس نہ آئے کیونکہ جو شخص تلفظ بالقرآن کو مخلوق کہے وہ بدعتی ہے اُسکے ساتھ بیٹھنا اور اُس سے بات کرنی درست نہیں غرض امام بخاریؒ اس مسئلہ میں اس قدر مطعون اور دل تنگ ہوے کہ ایک کتاب اس باب میں لکھنے کی ضرورت ہوئی جس کا نام خلق افعال عباد رکھا اس میں بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے استدلال کیا اور بہت سے دلائل قائم کئے منجملہ اُن کے چند یہ ہیں

قراءۃ القرآن فعل و من قال عل العباد لیس بمخلق ہو کافر - اور لکھا ہے ان البلاغ منہ صلی اللہ علیہ وسلم و ان کلام اللہ من ربہ - اور لکھا ہے القراءۃ فعل العبد ولا تخفی معرفت ہذا القدر الا من اعمی اللہ قلبہ ولم یوفقہ ولم یہدہ سبیل الرشاد اور لکھا ہے جمیع القرآن ہو قول و القول صفۃ القائل و ہو موصوف بہ فالقرآن قول اللہ عز وجل والقراءۃ والکتابۃ والحفظ للقرآن من فعل الخلق اور ہر ایک استدلال میں احادیث بکثرت پیش کیے ہیں۔

تہذیب التہذیب سے ظاہر ہے کہ حسین بن علی کرابیسی کو محدثین معتبر سمجھتے تھے چنانچہ خطیب بغدادی نے اُن کی نسبت لکھا ہے کان فہما عالما فقیہا و تصانیف کثیرۃ فی الفقہ وفی الاصول تدل علی حسن فہمہ وغزارۃ علمہ - باوجود اسکے جب انہوں نے امام احمد بن حنبل رح کی مخالفت کی اور مخالفت بھی اسی قدر کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہتے تھے ورنہ قرآن کے غیر مخلوق ہونے کے وہ بھی قائل تھے - تو محدثین نے ان کو ترک کر دیا اور لکھا ہے کہ امام بخاری رح اُن کی صحبت میں رہتے تھے اُن ہی سے یہ مسئلہ انہوں نے لیا ہے۔

تہذیب التہذیب میں ابو بکر احمد راوی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ کسی نے ابوداؤد سے پوچھا کہ اس راوی کی روایتیں کیوں نہیں بیان کرتے کہا رأیتہ یصحب الواقفۃ فلم احدث عنہ یعنی میں نے اسکو دیکھا کہ اُن لوگوں کے ساتھ رہا کرتا ہے جو قرآن کو غیر مخلوق کہنے میں توقف کرتے ہیں اسلئے اُس سے روایت نہیں لی - تہذیب التہذیب سے ظاہر ہے کہ راوی کے خطا وغیرہ کی تفتیش محدثین نے کی ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں اسحٰق ابن ابی اسرائیل کا حال لکھا ہے کہ محدثین نے اُن کی توثیق میں یہاں تک کہا ہے کہ حفظ و ورع میں اُن کا نظیر نہیں مگر جب انہوں نے قرآن کو غیر مخلوق کہنے میں توقف کیا تو محدثین نے اُن کو ترک کر دیا اور تہذیب التہذیب میں اُن کے ترجمہ میں ابو حاتم رازی کا قول نقل کیا ہے کہ بیشتر ہم لوگ اُن سے روایت کرتے تھے مگر جب انہوں نے قرآن کے مسئلہ میں توقف کیا تو ہم نے اُن سے حدیث لینے میں توقف کیا اور محدثین نے انکو ترک کر دیا چنانچہ میں کبھی کبھی اُن کی مسجد میں جاتا تو دیکھتا کہ وہ اکیلے بیٹھے ہیں۔ اور کوئی اُن کے پاس نہیں جاتا۔
تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابن شرقی کہتے ہیں کہ میں محمد ابن یحییٰ کے حلقہ میں گیا انہوں نے اہل حلقہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تلفظ بالقرآن کو جو شخص مخلوق کہے وہ ہماری مجلس میں نہ آئے۔ کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ مسئلہ خلق قرآن میں چھ مہینے تک ابو حنیفہ رح کے ساتھ میں مناظرہ کرتا رہا۔ آخر میری اور اُن کی رائے کا اتفاق اس پر ہوا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اور محمد رح بھی اسی کے قائل ہیں۔
مقصود ہمارا اس بیان سے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں محدثین نے اس قدر احتیاط کی کہ امام بخاری رح جیسے مستند شیخ وقت کی کسی نے نہ مانی اور مدتوں وہ جلوس رہے اور بہت سے محدثین متروک کر دئے گئے اور سلاطین کی وہ جابرانہ کارروائیاں سب کالعدم ہو گئیں بلکہ بمصداق عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد جس قدر انہوں نے تشدد کیا تھا اُس سے زیادہ محدثین کی طرف سے اس مسئلہ میں تشدد ہوا۔ اور سلطنت سے خصم بات پر اپنا پورا زور لگایا تھا اُس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ اُن کی مخالفت نہایت شد و مد سے کی گئی اور سلطنت سے کچھ دبدبہ [illegible]
سلاطین کی پوری مخالفت سے بھی دین کا ایک مسئلہ مگر اس کا محدثین سے
دین مسئلہ میں اس قدر تشدد اس وجہ سے کیا کہ ایک حدیث شریف میں خود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے جس کی مخالفت ان حضرات
اسلام نے نہ کی اب خود سمجھئے کہ کس قدر ان حضرات کو استقامت تھی کہ پوری سلطنت
مخالف ہو گئی مگر ایک حدیث کو بھی ہاتھوں سے نہ جانے دیا [illegible]
دین کی مخالفت [illegible] آج [illegible] جو ان حضرات کے
ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے ایسے ہی [illegible] دین ہے کہ [illegible] اور شرعاً
ثابت ہے۔ کنز العمال میں ہے [illegible] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم [illegible]
[illegible] الدین [illegible]
[illegible]
اور ان لوگوں سے [illegible]
اور عقل [illegible] ہے اسلئے کہ جو لوگ صرف [illegible] سے دین کے مسائل
میں تصرف کرتے ہیں عقل کی پیروی کر کے قرآن و حدیث کے معنی [illegible]
دیں ان کے [illegible] دین سے کیا تعلق [illegible]
[illegible] کی رائے کا نام نہیں۔ وہ خاص خدا و رسول کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا
ثبوت آیات و احادیث سے [illegible] کی مخالفت [illegible]

[illegible] ان امور میں سے حفاظت حدیث متعلق ہے جس کی حفاظت میں اور احتیاط وغیرہ کے مجاہدے انتہائی قابل انصاف کا مطالعہ خود گواہی دیگا کہ یہ حضرات خاص احادیث کی حفاظت کے لئے پیدا کئے گئے تھے اب ہم چند حالات بھی ان حضرات کے بطور نمونہ از خروارے ذکر کرتے ہیں جن سے ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہو جائیگی۔

مقدمہ فتح الباری میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رح نے لکھا ہے کہ امام بخاری رح کے [illegible] ایک شخص [illegible] ہم [illegible] سے [illegible] کی غرض سے [illegible] کے بعد اس شخص نے چاہا کہ وہ مال غصب کرے لوگوں سے [illegible] کہ [illegible] اسباب میں [illegible] آپ نے دریا [illegible] درخواست کروں [illegible] اور میں [illegible] کے بعد اس شخص سے اسباب میں [illegible] ہو گئے اور خود امام بخاری رح [illegible] پاس سے [illegible] تفصیل [illegible] کی [illegible] روز گذران [illegible] جب زیادہ ہو گئی جنگل کو جا کر [illegible] بوٹیاں کھا لیتا [illegible] میں امام [illegible] نے لکھا ہے کہ عمر بن حفص کہتے ہیں کہ ہم بصرہ میں بخاری رح کے ساتھ حدیث لکھتے تھے۔ ایک بار کئی روز ان سے ملاقات نہیں ہوئی اتفاقاً ایک روز کسی کوٹھری میں ان کو دیکھا کہ برہنہ بیٹھے ہیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے [illegible] کپڑے [illegible] خرچ بھی ہو گیا تھا

ہم نے چندہ کرکے انکو لباس بنا دیا۔ اُن کی اولو العزمی کا خیال کیجئے کہ کھانے کی یہ حالت اور کپڑے کی یہ حالت باوجود اسکے اُن کی ہمت میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور کمال حاصل کرہی لیا اور لکھا ہے کہ حاد ابن آسمیل وغیرہ کہتے ہیں کہ بخاری رحمہ اللہ کپن میں ہمارے ساتھ اساتذہ کے یہاں جاتے مگر چپ چاپ بیٹھے رہتے کبھی کوئی حدیث نہیں لکھی ہم اکثر کہا کرتے کہ جب ہر روز تم آتے ہو کیوں نہیں لکھا کرتے اس تضیع اوقات سے کیا فائدہ یہ سنکر چپ ہو جاتے ایک روز جب ہم نے بہت ملامت کی تو کہا کہ تم نے بہت مجھے تنگ کردیا اچھا جو حدیثیں تم نے لکھی ہیں وہ سب نکالو جب ہم نے نکالا تو پندرہ ہزار سے زیادہ ہوگئی انھیں کہا یہ سب مجھ سے زبانی سن لو چنانچہ وہ پڑھتے گئے اور ہم اُنسے سنکر تصحیح بھی کرتے گئے اسکے بعد جب وہ کسی شیخ کے یہاں جاتے تو ایک عالم کا اُنکے ساتھ مجمع رہتا چونکہ وہ کم عمر تھے کسی جگہ راہ میں بیٹھ کر اُنکو بٹھا لیتے اور اُنسے احادیث کی تصحیح کرتے اور ہزاروں شائقین کا وہاں مجمع ہو جاتا اور اکثر انہی کی روایت کرتے۔

تذکرۃ الحفاظ میں ابن ابی حاتم کا حال لکھا ہے کہ وہ مصر میں سات مہینے رہے وہ کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں سالن کھانے کی کبھی نوبت نہ آئی دن کو اساتذہ کی خدمت میں جاتے اور رات کو سبق لکھ لیتے یا لکھے ہوئے کا مقابلہ کرتے اُن کا بیان ہے کہ ایک روز میں اور میرے ہمسبق رفیق ایک شیخ کے یہاں گئے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں واپسی کے وقت بازار میں ایک مچھلی نظر آئی چونکہ خوبصورت تھی اُسکو ہم نے خرید اجب گھر پہنچے تو دوسرے شیخ کی تدریس کا وقت

ہو چکا تھا ہم وہاں سے چلے گئے اور وہ مچھلی رکھی رہی اور تین روز تک اُسکے پکانیکی نوبت نہ آئی آخر بھوک کی حالت میں جس قدر کھائی گئی کچی کھائی۔

علمائے سلف میں مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی نے لکھا ہے کہ ابن مقری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ ابن فضالہ کی خاطر ستر ولیا کا سفر کیا تھا۔ اُس نسخے کی ظاہری حیثیت یہ ہے کہ اگر کسی نان بائی کو دیا جائے تو وہ ایک روٹی بھی اُسکے عوض میں دینا گوارا نہ کرے گا۔ اِسکے علاوہ امام موصوف نے چار مرتبہ مشرق (ممالک ایشیا) اور مغرب (ممالک افریقہ واسپین) کا سفر کیا تھا اور دس دفعہ بیت المقدس گئے تھے۔

انہی میں ابن طاہر مقدسی کا حال تذکرۃ الحفاظ سے لکھا ہے کہ انہوں نے جتنے سفر طلب حدیث میں کئے کبھی سواری کا سہارا نہیں لیا۔ سواری اور بار برداری دونوں کا کام وہ اپنے ہی نفس سے لیتے تھے سفر پیادہ کرتے تھے اور کتابوں کا پشتارہ پشت پر ہوتا تھا شدت پیادہ روی کبھی کبھی یہ رنگ لاتی کہ پیشاب میں خون آنے لگتا اسی جفاکشی سے جو سیاحت حافظ ممدوح نے کی اُس میں حسب ذیل مقامات منجملہ اور مقاموں کے تھے۔ بغداد۔ مکہ۔ جزیرہ تنیس (واقع بحیرۂ روم) دمشق۔ حلب۔ جزیرہ۔ اصفہان۔ نیشاپور۔ ہرات رحبہ۔ لوقان۔ مدینہ طیبہ۔ نہاوند۔ ہمدان۔ واسط۔ ساوہ۔ اسد آباد۔ انبار اسفرائن۔ آمل۔ اہواز۔ بسطام۔ خسروجرد۔ جرجان۔ آمد۔ استرآباد۔ بوسنج۔ بصرہ دینور۔ ری۔ سرخس۔ شیراز۔ قزوین۔ کوفہ۔ اسکے سوا محدثین کے شوق اور علوہمت اور استقلال وغیرہ کے وقائع بکثرت ہیں جنمیں سے اکثر علمائے سلف میں کوچکا ہوں

اب اُن حضرات کے حافظہ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ کا تو حال کسیقدر ابھی معلوم ہوا اسکے سوا اور بہت سے حالات کتابوں میں مذکور ہیں۔ بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز رح نے امام ترمذی رح کے حافظہ کا حال لکھا ہے کہ کسی شیخ سے آپنے دو جزو روایتیں لکھلی تھیں۔ مگر اُس کی تصحیح کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد مکہ معظمہ کی راہ میں اُنسے ملاقات ہوئی آپنے اُن روایتوں کی تصحیح کی درخواست کی۔ شیخ نے فرمایا۔ اچھا وہ جزو نکالو۔ آپنے نکالے شیخ نے پڑھنا شروع کیا اور آپ سنتے جاتے تھے اور جزو برائے نام ہاتھ میں تھے۔ اتفاقاً وہ جزو سادے تھے جنپر شیخ کی نگاہ پڑگئی غصہ سے شیخ نے کہا کیا تم استہزا کرتے ہو آپنے کہا مجھے اجزا کے دیکھنے کی ضرورت نہیں وہ کل حدیثیں مجھے یاد ہیں۔ شیخ نے فرمایا اگر یاد ہیں تو پڑھو۔ آپنے پوری حدیثیں مع اسناد سنادیں شیخ نے امتحاناً چالیس حدیثیں اپنی غرائب پڑھیں جو دوسروں کے پاس نہیں تھیں۔ آپنے وہ حدیثیں بھی مع اسناد سنادیں۔

جب امام محمد صاحب امام صاحب کی خدمت میں گئے آپنے فرمایا پہلے قرآن یاد کرلو۔ یہ سنکر وہ چلے گئے اور ایک ہفتہ میں یاد کرلیا۔ طبقات شافعیہ میں امام سبکی رح نے لکھا ہے کہ ابوالفضل ہمدانی جب نیشاپور گئے تو اُنکے حافظہ کی وہاں بڑی شہرت ہوئی اور فی الواقع حافظہ تھا بھی ایسا ہی سو شعر ایک بار کے سننے میں اُن کو ایسے یاد ہوجاتے تھے کہ آخری شعر سے شروع کرکے ایک ایک شعر اول تک سنادیتے۔ چنانچہ اسی پر اُنکو بدیع الزمان کا لقب وہاں ملا

ایک روز انہوں نے بکمال فخر سے کہا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فن حدیث میں حافظ ہے اور اکابر محدثین کا ذکر اس لقب سے کیا جاتا ہے سو وہ کوئی نادرات نہیں یہ کیفیت حافظ ابو عبد اللہ حاکم کو پہونچی انہوں نے حدیث کا ایک جزو ان کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ ایک ہفتہ کی آپ کو مہلت ہے اسکو خوب یاد کرکے سنا دیجئے مدت گذر نیکے بعد انہوں نے یہ کہکر وہ جزو واپس کر دیئے کہ یہ کون یاد کرے محمد ابن فلاں اور جعفر ابن فلاں اور عن فلاں مختلف نام اور ایسے الفاظ کہ جن میں کوئی مناسبت نہیں حاکم رحمہ نے کہلایا بس اپنے حافظہ کا مقدار سمجھ رکھیے یعنی اشعار کا یاد ہو جانا اور بات ہے اور حدیثوں کا یاد رکھنا اور۔ اشعار کے مضمون میں مناسبت ہوتی ہے اور احادیث کے اسنادوں میں اور ناموں میں کوئی ربط مناسبت نہیں ہوتی یہاں صرف حافظہ کا کام ہے جو خاص موہبت الہی ہے۔ تہذیب التہذیب میں اسحٰق ابن ابراہیم کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ایک بار انہوں نے گیارہ ہزار حدیثیں مع اسناد زبانی لکھوا دیں پھر جب شاگردوں نے دوبارہ پڑھنے کو کہا تو بلا کم وکاست اعادہ کر دیا۔ اور ایک حرف کی کمی و زیادتی نہیں کی۔ اس قسم کے واقعات کتب رجال میں بکثرت مذکور ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنے نامی گرامی محدثین ہیں سب کو اعلیٰ درجہ کا حافظہ عنایت ہوا تھا اسی وجہ سے اُن کا لقب حافظ ہوا کرتا تھا چنانچہ امام ذہبیؒ نے خاص ان حضرات کے حالات میں ایک کتاب چار جلدوں میں لکھکر اُس کا نام ہی تذکرۃ الحفاظ رکھا۔ چونکہ حفاظت حدیث کا مدار حافظہ پر ہے اسوجہ سے راویوں کے حافظہ کی تحقیق و تفتیش خاص طور پر ہوا کرتی تھی اگر پیرا و سری کی وجہ سے کسی کے حافظہ میں ضعف آجاتا تو وہ کہیں کہیں

مسند شیخ الشیوخ مانے گئے ہوں متروک کر دیے جاتے تھے۔ تہذیب التہذیب میں ابن حجر عسقلانی رح نے جریر ابن حازم کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ اعمش اور ایوب اور ابن مبارک اور وکیع رح وغیرہ کے استاد ہیں جن میں کسی قسم کا کلام نہیں ہو سکتا مگر جب اُن کے حافظہ میں ضعف آگیا تو خود اُن کے فرزندوں نے اُن کو ترک کر دیا۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جس قوم میں شوق تحصیل حدیث اور طوبہت اور استقلال اور قوت حافظہ افوق العادت حق تعالیٰ نے دی ہو تو دلیل انی یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ مثل قرآن کے احادیث نبویہ بھی محفوظ رہیں کیونکہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ جس قوم کو خدا تعالیٰ کوئی فضیلت دینا چاہتا ہے تو ادس لائق اور قابل افراد پیدا کر کے ایسے صفات اُن کو عطا فرماتا ہے کہ اُن کو کام میں لائیں تو اُس فضیلت کے مستحق ہو جائیں پھر عمل کی توفیق بھی دیجاتی ہے جس سے وہ کوشش کر کے وہ فضیلت حاصل کر لیتے ہیں۔ غرضکہ حضرات محدثین کو تمامی اہل اسلام میں اس فضیلت کا افتخار ضرور حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو انہوں نے محفوظ کر دیا۔

پھر علاوہ صفات مذکورہ کے ان حضرات کی طبیعتوں میں احتیاط انتہا درجہ کی تھی۔ وہ ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے کہ کوئی ایسی بات دین میں شریک ہو جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ ہو۔ یہ احتیاط صحابہ ہی کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی۔ منشا اس کا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار جس سے ظاہر ہے کہ حضرت کے اقوال و افعال سے متعلق کوئی خلاف واقع بات بیان کی جائے تو اُس کا انجام دوزخ ہے

اس وجہ سے صحابہ کو کسی حدیث میں ذرا بھی شک ہوتا تو اُس کو بیان نہ کرتے اس خیال سے کہ کہیں اس وعید کے مستحق نہ ہو جائیں۔ اسی احتیاط نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو احادیث کے جمع کرنے سے روک دیا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ آپ نے پانسو حدیثیں جمع کی تھیں مگر اس خیال سے کہ ان میں کوئی حدیث شاید خلاف واقع ہو۔ سب کو جلادیا۔ اور باوجود اُس ملازمت اور تقرب کے صرف تخمیناً سو روایتیں آپ سے مروی ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں ابوہریرہ رض کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح میں اس وقت حدیثیں بیان کرتا ہوں اگر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیان کرتا تو مجھے دُرّے مارتے اور لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود اور ابوالدرداء اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہم کو تین روز قید رکھا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری حدیثیں روایت کیں۔ اور جب آپ نے قرظہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو عراق بھیجا تو اُن کو تاکید کی کہ حدیث کی روایت بہت کم کریں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فلیبلغ الشاہد الغائب وغیرہ فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کو ضرور تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سُنا اور دیکھا ہے اُمت کو پہنچادیں اور نیز احادیث میں علم کی اشاعت کی ترغیبیں اور چھپانے کی وعیدیں وارد ہیں اور اُس زمانہ میں سوائے قرآن وحدیث کے کوئی دوسرا علم نہ تھا۔ غرضکہ کئی طرح سے ثابت ہے کہ احادیث کی اشاعت صحابہ کا فرض منصبی تھا۔ پھر صدیق اکبر اور عمر رضی اللہ عنہما کا اُس سے منع کرنا کیسا۔

[illegible handwritten marginal note]

اس کا جواب یہ ہے کہ اُن حضرات نے روایت حدیث کرنے سے ہرگز منع نہیں کیا اور نہ اُنکو یہ منظور تھا۔ کہ تمامی امت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادوں سے محروم رہجائے۔ اور نہ اونکا یہ خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل ارشادات صحابہ ہی کے واسطے تھے اور بعد آنے والی اُمت اُن خطابات اور احکام کی مامور نہیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قیامت تک حضرت ہی کی نبوت ہے اور نبی کے ارشادات اُمت کو معلوم ہونے کی ضرورت ہے بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شارع تھے ہر موقع اور اشخاص کے لحاظ سے جو احکام مناسب ہوتے بذریعہ الہام آپ کو معلوم ہوجاتے اور آپ اُن کو بیان فرمادیتے۔ جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے کما قال تعالیٰ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے۔ وہ ایک قسم کی وحی ہے جو اُنکو ہوا کرتی ہے اور سُنن دارمی میں روایت ہے۔ عن حسان رض قال کان جبرئیل ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن۔ اس سے جبرئیل علیہ السلام ہی کا سُنت کو لانا ثابت ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے ارشادات میں اختلاف ضرور ہوگا پھر اگر وہ سب بیان کردئے جائیں تو لوگ حیرانی میں پڑ جائیں گے ان وجوہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اختلافی روایات بیان کرنے سے منع کیا تھا چنانچہ یہی بات آپ کے اس قول سے ظاہر ہے جو تذکرۃ الحفاظ میں منقول ہے۔ ان الصدیق جمع الناس بعد وفاۃ نبیھم فقال انکم تحدثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث تختلفون فیھا والناس بعدکم اشد اختلافا

فلا تحدثوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ وحرموا حرامہ۔ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ جو روایتیں تم لوگ کرتے ہو اُن میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور جب تم ہی میں اختلاف ہو تو تمہارے بعد لوگ اور بھی سخت اختلاف میں پڑ جائیں گے۔ اِسلئے اختلافی روایتیں مت بیان کیا کرو اگر کوئی تم سے پوچھے تو یہی کہہ دیا کرو ہم میں اور تم میں قرآن موجود ہے جو چیزیں اُس میں حلال ہیں اُنکو حلال اور جو حرام ہیں اُنکو حرام سمجھو اس سے ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی کو اختلاف سے روکنا منظور تھا وہ بھی صرف حلال و حرام میں اور دوسری حدیثوں سے کوئی تعرض نہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ حلت و حرمت سے متعلق حدیثیں بہ نسبت تمام حدیثوں کے عشر عشیر بھی نہیں النکت میں ابن حجر عسقلانی رحمہ نے امام احمد رحمہ کا قول نقل کیا ہے کہ حلال و حرام کے باب میں احادیث مرفوعہ کل آٹھ سو ہیں۔ اور عبد اللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے۔ کہ نوسو ہیں بہر حال ان آٹھ نو سو کے سوا لاکھوں حدیثیں ہیں جن میں خدائے تعالیٰ کی صفات اور وعظ و نصیحت اور اخلاق اور احوال برزخ اور قیامت اور جنت اور دوزخ اور اخبار امم سابقہ اور پیشین گوئیاں اور موجودات عالم کے حقائق وغیرہ امور مذکور ہیں جس طرح آیات قرآنیہ جو احکام میں وارد ہیں صرف پانسو ہیں حالانکہ کل آیتیں چھ ہزار چھ سو سولہ ہیں جیسا کہ امام سیوطی رحمہ نے الاتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے۔

غرضکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو کل احادیث کی روایت کی اجازت

دی اور صرف احکام کے باب میں یہ خیال کیا کہ قرآن شریف میں وہ کل موجود ہیں
اور احادیث میں اختلاف ہونے کی وجہ سے امت میں اختلاف پڑ جانے کا
اندیشہ ہے۔ اسلئے صرف اُن حدیثوں کی روایت سے روکا جو احکام میں وارد
ہیں اور وہ بھی ایسی کہ اختلافی ہوں۔ اسیطرح عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر بھی
یہی مصلحت تھی اگر یہ حضرات نفس حدیث کو بے ضرورت سمجھتے تو ہر بات میں
خود حدیثیں کیوں تلاش کرتے جس کا ثبوت متعدد روایتوں سے ملتا ہے۔
یہ بات درایت کے بالکل خلاف ہے کہ صحابہ کبار نے مطلقاً روایت حدیث
کو جائز نہیں رکھا یہ کیونکر ہوسکتا ہے وہ حضرات جانتے تھے کہ خود سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق اور تفرقہ انداز موجود تھے تو بعد کے
زمانوں کا کیا حال ہوگا۔ اور تاویل کے لئے کوئی حد نہیں اگر احادیث بھی
نہ رہے تو جس کا جو جی چاہے گا قرآن کے معنی بنا لیگا۔ اور ان معنی کو غلط ثابت
کرنیکے لئے اہل حق کے پاس کوئی دلیل نہ رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا
کہ بے دینوں نے قرآن کے جو معنی کئے دین سے انکو کوئی تعلق نہیں
منہاج السنّۃ میں ابن تیمیہ رح نے لکھا ہے کہ ابو منصور جو فرقہ منصوریہ کا بانی
تھا اس کی یہ تعلیم تھی کہ قرآن میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر ہے وہ دو شخصوں
کے نام ہیں۔ مطلب یہ کہ اچھے بُرے افعال کی جزا و سزا کچھ نہیں جس کا جو جی چاہے
کرے مگر حاکموں کے مواخذے سے بچکر۔ اور میتہ اور خنزیر وغیرہ جو قرآن میں
مذکور ہیں وہ بھی چند اشخاص کے نام ہیں جن کی محبت حرام کی گئی تھی ورنہ
گوشت تو آدمی کی غذا اور باعث تقویت ہے ایسی چیز کیوں حرام ہونے لگی

اسی طرح صوم و صلوٰۃ۔ زکوٰۃ اور حج وغیرہ بعض لوگوں کے نام ہیں جن کی محبت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ غرضکہ قرآن میں تاویلیں کرکے کل تکلیفات شرعیہ کو اُنے اُٹھا دیا اور باوجود اسکے اُس فرقہ کا دعوےٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں قرآن پر ہمارا ایمان ہے۔ توحید و رسالت کے قائل ہیں۔ مگر فرق اس قدر ہے کہ قرآن کے جو معنی اور لوگ کیا کرتے ہیں ہم نہیں کرتے۔ عبد الکریم شہرستانی رح نے ملل و نحل میں لکھا ہے کہ مغیرہ ابن سعید عجلی جو فرقہ مغیریہ کا سرگروہ ہے اُس کی تعلیم یہ تھی کہ حق تعالیٰ جو فرماتا ہے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ امانت یہ بات تھی کہ علی ابن ابی طالب رضہ کو امام نہ ہونے دینا یہ بات آسمان و زمین اور جبال نے قبول نہ کی اور ڈر گئے۔ (کیونکہ علی رضہ کی شجاعت شہرۂ آفاق ہے) پھر وہ بات انسان پر پیش کی گئی تو عمر رضہ نے ابوبکر رضہ سے کہا کہ تم اُن کو امام ہونے نہ دو اور میں تمہاری تائید میں موجود رہوں اِس شرط پر کہ مجھے اپنا خلیفہ بنانا انہوں نے قبول کیا۔ چنانچہ اُن دونوں نے اُس امانت کو اُٹھالیا سو یہی بات ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولا یعنی وہ دونوں ظلوم وجہول ہیں۔ اگر فرق سابقہ اور موجودہ کی کتابیں دیکھی جائیں تو یہ صاف معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ اِن لوگوں نے قرآن کو کھلونا بنالیا ہے۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جو معنی اِن لوگوں نے اپنی مرضی کے مطابق بنالئے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی مراد ہے؟ کیا انہی تراشیدہ خیالات کا نام آسمانی دین ہوسکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو حقیقت صوم و صلوٰۃ وغیرہ حدیث سے معلوم نہ ہو اور اُس سے کہا جا

کہ وہ چند آدمیوں کے نام سے تھے تو اسکو اس اعتقاد سے انکار کرنے کا کیا ذریعہ
آخر ایک گروہ نے مان ہی لیا اگر احادیث اُن کے پیش نظر ہوتیں تو کیا اُنکی
دغابازی چل سکتی ہرگز نہیں۔ اسیوجہ سے ربیعہ رحمۃ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن
نازل تو فرمایا مگر حدیثوں کی ضرورت باقی رکھی کما فی الدر المنثور اخرج ابن ابی حاتم
من طریق مالک ابن انس رح عن ربیعہ قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ انزل الکتاب
وترک فیہ موضعا للسنۃ مطلب یہ کہ قرآن شریف میں جو کچھ اجمالی طور پر مذکور
ہے جس کی تفصیل کی ضرورت ہے سو وہ حدیثوں میں مذکور ہے۔ دیکھ لیجئے
قرآن شریف میں صرف نمازوں کا حکم ہے اور اُن کی تعداد اور تعین اوقات اور
طریقہ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے مانا کہ حسب بیان مولوی شبلی صاحب
احادیث غیر متواترہ قطعی الثبوت نہیں ہیں مگر عدل ضابط محتاط راویوں کی روایت
سے ظن غالب تو ہو جاتا ہے۔ پھر جب اُن الفاظ کے لغوی اور شرعی معنوں میں
جو احادیث سے ثابت ہیں مناسبت معلوم ہو جائے اور مسلمانوں کا عمل بھی اُسکے
مؤید ہو تو مسلمان کے دل پر اتنا تو اثر ضرور ہو گا کہ جو خود غرض بے تدین لوگ تصرف
کر کے اپنی رائے سے قرآن کے معنی گھڑ لیتے ہیں اُنکو وہ ہرگز نہ مانے گا۔
پھر اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ حدیث سے ہونا چاہئے اُسکی بدولت خود قرآن
جو اصل دین ہے محفوظ ہو جاتا ہے۔
کنز العمال میں یہ روایت ہے عن عقبۃ ابن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اتخوف علی امتی اثنتین یتبعون الاریاف والشہوات ویترکون الصلوۃ والقرآن
یتعلمہ المنافقون یجادلون بہ اہل العلم رواہ الطبرانی جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ

حدیث سے قرآن محفوظ ہو جاتا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خوف اس بات کا ہے کہ منافق لوگ قرآن کو سیکھ کر اہل علم سے جھگڑے کرینگے۔ جس بات کا خوف حضرت کو تھا وہی بات پیش آئی چونکہ منافقوں کو صرف جھگڑے کرنا اور اسلام میں رخنے ڈالنا منظور ہوتا ہے اسلئے وہ فقط قرآن ہی کی طرف متوجہ ہوکر اسکو سیکھ لیتے ہیں اور علما کے ساتھ مجادلے اور رسالہ بازیاں کرتے ہیں۔ اگر قرآن کے ساتھ حدیثیں بھی سیکھیں تو انکو ایسے جھگڑوں کا موقع ہی نہ ملے کیونکہ حدیثوں میں قرآن کے پورے پورے معنی بیان کردئیے گئے ہیں اسوجہ سے منافق حدیثوں سے گھبرا تے ہیں۔ اور سرے سے اُن کو بے اعتبار بنانے کی فکر کرتے ہیں۔ بخلاف اہل سنّت کے کہ ہر مسئلہ میں قرآن اور تمام حدیثوں سے جو اس باب میں وارد ہیں جو بات ثابت ہو اُس پر عمل کرتے ہیں۔

درمنثور میں دارمی سے یہ روایت منقول ہے۔ عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

قال انہ سیاتیکم ناس یجادلونکم بشبہات القران فخذوھم بالسنۃ فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ۔ یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قریب ہے کہ تمہارے پاس لوگ آکر قرآن کے شبہات میں جھگڑے کریں گے۔ سو اُن کو حدیثوں سے الزام دو۔ اسلئے کہ احادیث کو جاننے والے قرآن کو زیادہ جانتے ہیں دیکھ لیجئے جو ہم نے کہا تھا کہ عمر رض وغیرہ صحابہ جانتے تھے۔ کہ جھگڑنے والے پیدا ہونگے۔ سو اس حدیث سے اُس کی تصدیق ہوگئی اور جو فرمایا کہ حدیث جاننے والے قرآن کو زیادہ جانتے ہیں اُسکی یہی وجہ ہے کہ حدیث ہمیشہ قرآن کی تائید میں ہوتی ہے غرض اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ

کو حدیثوں کی روایت موقوف کرتی ہرگز منظور نہ تھی۔ ہو المطلوب۔ کنز العمال میں

ہے من یمین ابن ابی الاسود ان علی ابن ابی طالب ارسل عبداللہ ابن عباس رض

الی اقوام خرجوا انتقال لہ ان خاصموک بالقرآن فخاصمہ بالسنۃ یعنی علی کرم اللہ وجہہ نے ابن عباس رض کو خوارج کیطرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ قرآن سے استدلال کریں تو تم سنت یعنی حدیث سے استدلال کرو۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ قرآن میں حسب مرضی مخالفین تاویلیں کر سکتے ہیں مگر جب احادیث سے قرآن کے معنی متعین ہو جائیں تو پھر کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔ غرضکہ احادیث اور صحابہ کے اقوال اور عمل اور نیز درایت سے ثابت ہے کہ دین میں احادیث کی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ دین حالت اصلی پر باقی نہیں رہ سکتا۔ انہیں اسباب سے صحابہ کو جتنی حدیثیں یاد تھیں حسب ارشاد فلیبلغ الشاہد الغائب سب طالبین حدیث کو پہونچاویں۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ نے جن روایتوں کو کسی مصلحت سے عمر بھر چھپا رکھا تھا وہ بھی انتقال کے قریب بیان کر کے اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہو گئے۔ ابوہریرہ رض وغیرہ صحابہ باوجودیکہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور دلیلوں کو جانتے تھے مگر اُن کے بعد ان حضرات نے احتیاطاً اسی میں بہتری دیکھی کہ جو روایتیں اپنے کو یاد ہیں خواہ اختلافی ہوں یا غیر اختلافی سب بیان کر دی جائیں رہا اختلاف سو فقہا اُس کو نمٹ لیں گے۔

احادیث کی اشاعت میں صحابہ کا اختلاف بعینہٖ ایسا تھا۔ جیسا کہ قرآن شریف کے جمع کرنے میں ہوا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جمع کرنے میں احتیاط کرتے تھے اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جمع نہیں ہوا تھا

سبب اختلاف صحابہ در اشاعت احادیث

اور عمر رضی اللہ عنہ جمع کرنے میں احتیاط سمجھتے تھے تاکہ خلط نہ ہو جائے۔ الحاصل
جس طرح عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل ہونے کی وجہ سے قرآن شریف
محفوظ ہو گیا اسیطرح اکثر صحابہ کی رائے پر عمل ہونے سے احادیث محفوظ ہو گئیں الحمد للہ علی ذلک
جب روایتیں ہر طرف بکثرت ہونے لگیں تو منافقوں اور زندیقوں کو موقع ملگیا اور
ملتے جلتے مضامین کی حدیثیں بنا بنا کر روایتیں کرنے لگے۔ اس طوفان بے تمیزی
کی دفع کرنے کے غرض سے محدثین نے راویوں کی تحقیق شروع کر دی
اور ایک جم غفیر محدثین کا اُن کے پیچھے پڑ گیا۔ اور شہر شہر کوچہ کوچہ اُن کی
تلاش و تفتیش ہونے لگی ان ہزاروں محققین سے وہ کہاں چھپ سکتے تھے آخر
اُنکی جعلسازیاں طشت از بام ہو گئیں اور اُن مفتریوں کی فہرستیں اور نام اسلامی دنیا
میں شائع ہو گئیں۔ اور اب تک کتب رجال میں چھپ کر شائع ہوا کرتی ہیں۔
تذکرۃ الحفاظ اور تہذیب التہذیب میں ابو اسحٰق فزاری کے حال میں لکھا ہے کہ
ایک زندیق کو گرفتار کر کے ہارون رشید کے دربار میں لایا گیا جب اُسکے قتل کی تجویز
ہوئی تو اُسنے بادشاہ سے کہا کہ آپ مجھے کیوں قتل کرتے ہیں میں نے ایکہزار حدیثیں
بنا ڈالیں۔ بادشاہ نے کہا اے عدو اللہ تو کہیں جاتا ہے ابو اسحٰق فزاری اور ابن مبارک
ایک ایک حرف کو چھان کر جدا کر دیں گے۔ دیکھئے مرتے دم تک اُس کو یہی
خیال تھا کہ کسی طرح احادیث میں شبہ ڈالدے ورنہ اسکو کسی نے پوچھا تھا
کہ تو نے کتنی حدیثیں بنائیں اس سے مطلب یہ ہے کہ حقیقت ایسے لوگوں کے پیش نظر
یہی بات رہی کہ حدیثوں میں کسی طرح شبہات پیدا کر دیں چنانچہ مرزا صاحب قادیانی
نے بھی ازالۃ الاوہام میں تو کسی قدر یہی تدبیر کی ہے کہ کسی طرح احادیث ساقط الاعتبار

ہو جائیں۔ جس کا حال ہم نے افادۃ الافہام میں لکھا ہے غرضکہ ہر زمانہ میں نئی نئی تدابیر اور دلائل سوچے گئے۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ اُن کا مقصود کبھی پورا نہ ہوا چنانچہ بادشاہ کے جواب سے ظاہر ہے کہ علما کے مقابلہ میں اُن کی کارروائیاں کبھی نہیں چل سکتیں۔

مولوی شمس العلما شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے۔ زبانی روایت سے گذر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ ابن عباس حضرت علی کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ واللہ علی رضہ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک اور دفعہ عبداللہ بن عباس نے حضرت علی رضہ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی"۔ دیکھئے روافض نے جو باتیں علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلوں اور تحریروں میں زیادہ کی تھیں ابن عباس نے سب کو مٹا کر اصل کو محفوظ کر دیا اسیطرح ہر قرن کے محققین نے جعلسازوں کی زیادتیوں کو دور کر کے اصل احادیث کو محفوظ کر دیا۔ یوں تو اِن حضرات نے موضوع حدیثوں کو مختلف تدبیروں اور طریقوں سے پہچانا مگر اُنہیں معرفت موضوع کا ایک طریقہ الہامی ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جیسا کہ اس حدیث شریف میں ہے۔ عن سمرۃ ابن جندب رضہ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فہو احد الکاذبین حم م۔ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص ایسی حدیث میری طرف سے روایت کرے جسکو وہ جھوٹ گمان کرتا ہے وہ بھی ایک جھوٹا ہے چونکہ محدثین کو سوائے حدیثوں کے پڑھنے پڑھانے کے

کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ اس مزاولت اور ممارست سے اونکو ایک خاص ملکہ اور درایت حاصل ہوگئی تھی۔ جس سے احادیث نبویہ کو اور اونکے کلام سے ممتاز کر لیتے تھے اور جس میں گمان ہوتا کہ وہ کسی دوسرے کا کلام ہے اُسکو روایت ہی نہ کرتے تاکہ کہیں کاذبوں میں شریک نہ ہو جائیں۔

شمس العلما مولوی شبلی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں کہ بعض محدثین کا قول ہے

اثر یہجم علی قلوبہم لایمکنہم ردہ وھیاۃ نفسانیۃ لامعدل لہم یعنی وہ ایک اثر ہے جو آئمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے۔ اور وہ اوسکو رد نہیں کر سکتے۔ اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا۔ محدثین کا یہ دعوی بالکل صحیح ہے بے شبہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ جس سے خود تمیز ہو جاتی ہے۔ کہ یہ قول رسول اللہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں انتہی۔ اسی ملکہ اور ذوق کو ہم اسلامی درایت سے تعبیر کرینگے۔ غرضکہ اسلامی درایت کے مخالف جتنی حدیثیں تھیں سب صحت کے دائرہ سے خارج کر دی گئیں۔ رہیں وہ حدیثیں جنکو دوسری ملت والے یا معمولی عقلیں خلاف درایت سمجھتے ہیں اگر بلاتکلف روایت کی اسلئے کہ اجنبی لوگوں کی درایت میں جو چیز امکان عادی کے خلاف ہو۔ وہ قابل قبول نہیں اور بارے دین میں امکان عادی تو کیا بلکہ امکان ذاتی کی محالات جو امور سمجھے جاتے ہیں اُن کا وقوع بلا ضرورت قرآن شریف سے ثابت ہے۔ مثلاً ابدفنا ہڈیاں بوسیدہ بلکہ خاک ہونے کے بعد پھر مردوں کا زندہ ہو کر قبروں سے نکلنا۔ اور ایک لکڑی کا اژدہا بنجانا وغیرہ امور اس طور پر ثابت ہیں کہ جب تک اُن کا یقین نہ ہو آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اسکے سوا ہزاروں مسلمان ایسے امور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم سے ہمیشہ دیکھا کیے کہ جنکو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ ان یقینی اور متواتر شہادتوں نے
مسلمانوں کی درایت کو دوسری اقوام کی درایت سے ممتاز کر دیا تھا اور یہ کوئی نئی
بات نہیں۔ درایتوں میں فرق ہوا ہی کرتا ہے۔ دیکھیے جس زمانہ میں ریل اور تار
وغیرہ عجائب روزگار کی خبریں سنی جاتی تھیں۔ تو اونکو عقلا مخالف درایت سمجھکر قبول
نہیں کرتے تھے اور اب تک یہی بات جاری ہے کہ اس قسم کی کوئی نئی خبر
سنی جاتی ہے تو بعضوں کی درایت قبول کر لیتی اور بعضوں کی نہیں قبول کرتی پھر
مشاہدہ یا تواتر سے معلوم ہونے کے بعد طوعاً و کرہاً ماننا پڑتا ہے۔ غرضکہ اسلامی
درایت کے مخالف جتنی حدیثیں تھیں وہ سب موضوع قرار پائیں اور جتنی حدیثیں
صحیح سمجھی گئیں مثلاً معراج وغیرہ کی جنکے سمجھنے میں عقل حیران ہوتی ہے وہ اسلامی
درایت کے موافق ہیں۔ اُن کی صحت میں کوئی مسلمان کلام نہیں کر سکتا۔

اگر کہا جائے کہ درایت ایک قسم کی چیز ہے جس میں تمام افراد انسانی برابر ہیں،
اسلئے درایت اسلامی کوئی علیحدہ چیز نہیں ہو سکتی۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ [illegible] کی کثرت مزاولت سے ایک ایسی قوت آدمی میں
پیدا ہوتی ہے جو دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اُس کی درایت بھی الگ ہو جاتی ہے
درایتوں کا متفاوت ہونا اس سے ظاہر ہے کہ امریکہ اور یورپ سے کیسے
عجیب عجائبات کا ایجاد کرتے ہیں اُن کا سمجھنا اوروں کو دشوار ہوتا ہے اکثر
ایجادیں تو ایسی ہیں کہ ناواقف شخص جب تک نہیں دیکھتا اُن کے وجود کو نہیں
تسلیم کر سکتا ایسے شخص کی اور موجدوں کی درایتیں کس قدر [illegible]
فیثا غورث اور حکماء جدیدہ کے مقلدوں کی درایتیں بالکل الگ ہیں

اُن کی درایت جن باتوں کو قبول کرتی ہے۔ دنیا میں کسی عقلمند کی درایت اُنکو قبول نہیں کر سکتی۔ اور نہ سابق کے حکما نے ان کو قبول کیا تھا مثلاً اُن کے یہاں مسلّم ہے کہ آدمی پر تین سو نوے سن ہوکر زوال ہے اور دوسرا وہ بات بھی ہے کہ دوئی کو عادت ہونے کی وجہ سے اُس کی حس نہیں ہوتی۔

آدمی ہر چیز کو اُلٹی دیکھتا ہے مثلاً سر نیچے اور پاؤں اوپر۔ اور عادت کی وجہ سے سیدھی سمجھتا ہے۔ ہم ہر سال ایک ساڑھے کروڑ میل قوابت کے نزدیک ہوجاتے ہیں اور چھ مہینے کے بعد اُسی کروڑ میل ان سے دور ہوجاتے ہیں اور ہر ستارہ جس کروڑ میل نزدیک ہونے پر بھی اتنا ہی نظر آتا ہے جتنا کئی کروڑ میل دور ہونے پر نظر آتا تھا۔ اس قرب و بعد میں نہ اُن کی بساطت حجم میں کچھ تفاوت آتا ہے نہ اُن کے باہمی فاصلوں میں۔ حالانکہ دو چار میل کے قرب و بعد میں محسوسات کے مقدار محسوس میں تفاوت ظاہر طور پر محسوس ہوتا ہے۔

آفتاب اور زمین دیگر کواکب میں کشش ہے ایک دوسرے کو ہر وقت کھینچتے رہتے ہیں۔ اگر دم بھر یہ کام نہ کریں تو تمام عالم تباہ ہوجائے۔

آفتاب زمین کے دس لاکھ حصوں سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ اور ساڑھے نو کروڑ میل سے زیادہ زمین سے دور ہے اتنی دور سے زمین باوجود کہ اُس سے اتنے چھوٹے ہونے کے آفتاب کو اُسی قوت اور زور سے کھینچتی ہے جس قوت سے آفتاب زمین کو کھینچتا ہے۔ اور اسیطرح ایک دوسرے کو دفع بھی کرتے ہیں ورنہ کشاکشی میں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے

ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلے سے زمین آفتاب کو کھینچتی ہے جو اُس سے

دس لاکھ حصے بڑا ہے مگر ایک چڑیا کو جو دس پانچ ہاتھ کے فاصلہ پر اوڑتی ہے
نہیں کھینچ سکتی۔ حالانکہ قوت جاذبہ اُس کی اس فاصلہ پر نہایت قوی ہوتی ہے
کیونکہ قوت جاذبہ اُسیقدر گھٹتی ہے جس قدر دوری کا مربع بڑھتا ہے۔
الحاصل معتقدین فیثاغورث کی درایتیں ایک خاص قسم کی ہیں جنکے موافق دوسرے
عقلا کی درایتیں نہیں ہوسکیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقدوں کی
درایتیں بھی ایک خاص قسم کی ہیں۔ اور جس طرح فیثاغورثی درایتوں پر الزام مخالفت
نہیں لگایا جاتا۔ اسیطرح اسلامی درایتوں پر بھی الزام مخالفت کوئی لگا نہیں سکتا۔
مولوی شمس العلما صاحب نے جو سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ جو روایت درایت
کے مخالف ہے موضوع ہے اور درایت کی چند صورتیں بیان کر کے
لکھا ہے کہ اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کیے
جاتے ہیں۔ اور انہیں کا نام اصول درایت ہے علامہ ابن جوزی جو فن حدیث
میں بڑا ہی پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے
مخالف یا اصول مسلمہ کے مناقض ہے تو سمجھ لو کہ وہ حدیث موضوع ہے اس میں
راویوں کی تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع
ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ہو انتہیٰ۔ اس سے بھی وہی ثابت ہوتا ہے
کہ جو ہم نے کہا ہے کہ درایت سے مراد درایت اسلامی ہے کیونکہ خود ابن
جوزی رح نے ایک کتاب موضوعات دو جلدوں میں لکھی ہے جس میں اکثر
حدیث بخاری و مسلم بھی خطا لکھدی ہے اُس میں معراج کی حدیثوں کو موضوع کہا
ہے معجزات وغیرہ کی حدیثوں کو جو صحاح میں ہیں حالانکہ معمولی درایت والا عقلمند

آدمی نہ معراج کے واقعہ کی تصدیق کرسکتا ہے نہ معجزات کی جن میں جمادات کا
باتیں کرنا اور انگلیوں سے چشمہ پانی کا جاری ہوجانا اور قلب حقائق وغیرہ امور خارقِ
عادت ثابت ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ عقل و اصول سے اُنکی مراد اسلامی
عقل و اصول ہے ورنہ صحاح میں جتنی روایتیں اس قسم کی ہیں سب کو موضوعات
میں داخل کردیتے کیونکہ اُنہوں نے اِس کتاب میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے
کہ جو روایت اُن کی تحقیق میں موضوع ثابت ہوتی ہے اُسکے پورے الفاظ
بلکہ اسناد بھی بیان کردیتے ہیں۔

یہ بات ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتی ہے کہ ابن جوزی تو بڑے محدث ہیں
ایک معمولی آدمی بھی یہی کہے گا کہ ہمارا دین نقلی ہے۔ ابتدا سے دیکھئے تو یہی
ثابت ہوگا کہ عقل کو اُس میں دخل ہی نہیں دیا گیا۔ مثلاً جبرئیل علیہ السلام جب وحی
لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عقلی ثبوت اُنسے نہیں طلب کیا
اور یہ نہیں فرمایا کہ کیونکر معلوم ہو کہ تم فرشتے ہو اور خدائے تعالیٰ نے اپنا کلام
تمہارے ساتھ بھیجا ہے بلکہ خود آنحضرت کے سینۂ مبارک میں ایک انشراحی
کیفیت پیدا ہوگئی جس سے حضرت نے اُن کی تصدیق فرمالی۔ پھر جب صدیق
اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت نے خبر دی اُنہوں نے بھی کوئی عقلی ثبوت نہیں
طلب کیا بلکہ اُنکا بھی شرح صدر ہوا اور تصدیق کرلی۔ اور بعضوں نے جو دلیلیں
طلب کی تو انہوں نے بھی کوئی عقلی دلیل نہیں طلب کی کہ شکل اوّل اور کسی شکل سے نبوت ثابت کیجئے
بلکہ ایسے امور طلب کئے جنکا وقوع خلاف عقل اور خارق عادات ہو مثلاً چاند کا دو ٹکڑے
ہونا یا جمادات کا گواہی دینا وغیرہ امور چنانچہ جو کچھ انہوں نے چاہا حضرت نے

کر دیا ہے۔ ہر چند ہر ایک واقعہ کا ثبوت تواتر سے نہیں ہے۔ مگر جو حدیثیں اس باب میں وارد ہیں اُن سے نفس معجزہ پر تواتر معنوی ثابت ہے امام سیوطی رح نے خاص معجزات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی ہے جس کا نام خصائص کبریٰ ہے۔ اور کئی کتابیں اس باب میں بنام شواہد النبوۃ وغیرہ قدما نے لکھی ہیں۔ جنکے دیکھنے کے بعد کوئی مسلمان نفس معجزہ کے وقوع کا انکار نہیں کر سکتا۔ غرضکہ جہاں تک غور کیا جائے ہمارے دین کی بنا اُن اصول پر قائم ہے جو معمولی عقلوں کے خلاف ہیں۔ اسی وجہ سے یہ دین آسمانی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہمارا دین بالکل مخالف عقل ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو اصول اور مسائل اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ عقل کے بھی مطابق ہیں۔ چنانچہ اکثر علما نے انکو مدلل بدلائل عقلیہ کر دیا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خوارق عادات کا وقوع نہیں ہوا۔ بلکہ خوارق کے وقوع کے بعد بھی عقل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ کیونکہ عقل ہی سے سمجھنا پڑیگا۔ کہ جنکو خوارق عادات دکھانے کی قدرت دی گئی وہ بیشک خدا کے رسول ہیں جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام عالم کو پیدا کیا اور جو کچھ چاہتا ہے پیدا کر سکتا ہے۔ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ جب تک معجزات کی تائید نہ ہو کوئی دین آسمانی نہیں ہو سکتا کیونکہ عقلی اخلاقی اور تمدنی اصول حکما نے بھی قائم کئے اور ہر سلطنت بحسب ضرورت قائم کیا کرتی ہے۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ معجزات کو باطل ٹھہرا کے صدہا کتابوں اور ہزارہا صحابہ اور تابعین کو جھوٹے قرار دینے میں دین کا کیا فائدہ سوچا گیا۔ یہود و نصاریٰ

مجوس ہنود وغیرہ جو تقریباً کل روئے زمین پر بستے ہیں انمیں کوئی فرقہ ایسا نہیں جو خوارق عادات کا منکر ہو۔ یہ لوگ تو ہم پر معجزات کے بارے میں الزام نہیں لگا سکتے رہا ایک فرقہ حکما جو یورپ میں ترقی کر رہا ہے سو اُس کے مقابلہ میں ہم اعتراف بھی کرلیں کہ ہمارے اسلاف نے غلطی کی جو خوارق کے قائل ہوگئے یا وہ سب روایتیں ہیں غلط ہیں اور اُس کے بعد اپنے دین کے عقلی اصول جو موجود ہیں پیش کریں بلکہ اور بھی کچھ اضافہ کردیں تو بھی امید نہیں کہ یہ فرقہ اسلام قبول کرے سرسید صاحب نے انہیں کے خیال سے غالباً یہ تدبیر نکالی تھی مگر اب تک نہیں سنا گیا کہ اس تدبیر نے کسی حکیم یا جاہل کو مسلمان بنایا بلکہ یہی سنا جاتا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوتے جاتے ہیں اُن کے رہبر وہی پرانی کتابیں ہیں اور در اصل اُن کے ایمان کا سبب ہی کچھ اور ہے وہ اس آیۂ شریفہ میں مذکور ہے۔ قولہ تعالیٰ فمن یرد الله

ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء کذلک یجعل الله الرجس علی الذین لا یؤمنون ترجمہ جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اُسے راہ راست دکھائے اُسکے سینہ کو قبول اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اُسے گمراہ کرے اُسکے سینہ کو تنگ اور بھینچا ہوا کر دیتا ہے گویا اُسکو آسمان میں چڑھنا پڑتا ہے جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُنپر اسی طرح الله کی پھٹکار پڑتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ نہ معجزات کی کتابیں دیکھنے سے کوئی ایمان لاتا ہے نہ عقلی دلائل قائم کرنے سے جب تک شرح صدر من جانب الله نہ ہو۔ پھر محض ایک موہوم خیال پر وہ بھی ایسا کہ جسکا غیر مفید ہونا صاف ثابت ہوگیا ایک حصہ دین کا باطل ٹھیرانا اور اپنی کتابوں اور اسلاف کی تکذیب کرنا

قرار دینا کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ دین کی مصلحت اور خیرخواہی تو اس میں ہے کہ اصول نقلیہ اور عقلیہ دونوں ثابت رکھے جائیں۔ اور بحسب ضرورت اور مصلحت وقت ہر ایک کو کام میں لایا جائے۔ یہ بات شاہد ہے کہ جب کوئی واعظ اپنی پُرزور تقریر میں خوارق عادات کا ذکر کرتا ہے تو دلوں پر ایک خاص قسم کا اثر پڑتا ہے چنانچہ اسی قسم کی تقریروں سے کروڑہا بے دین لوگ مسلمان ہوئے۔ جن کے یادگار اب بھی کروڑہا موجود ہیں۔

یہ بحث ضمناً آگئی ابتدا ئے بحث یہ تھی کہ زنادقہ وغیرہ مخالفین اسلام نے جو حدیثیں بنائی تھیں محدثین نے درایت اسلامی اور دوسرے قرآن و دلائل سے مدد لیکر اُن حدیثوں کو موضوع قرار دیا۔ مگر اس سے بڑھ کر اور ایک آفت کا سامنا محدثین کو ہوا وہ یہ کہ بعض بزرگوں نے بھی کمال خوش اعتقادی سے حدیثیں بنائیں چنانچہ ابن جوزی نے موضوعات میں لکھا ہے کہ ابوعصمہ نوح ابن مریم مروزی سے پوچھا گیا کہ حضرت آپ نے ہر ایک سورہ کی فضیلت میں جو روایتیں کی ہیں۔ کہ عن عکرمہ ابن عباس رضؓ یہ آپ کو کہاں سے مل گئیں عکرمہ کے شاگردوں کے پاس تو ان روایتوں کا وجود نہیں کہا بات یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ابوحنیفہ کی فقہ اور ابن اسحق کے مغازی میں ہمہ تن مشغول ہیں اسلئے حسبۃً للہ یہ حدیثیں بنائیں تاکہ ان فضائل کو دیکھ کر تو بھی لوگ قرآن شریف زیادہ پڑھا کریں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ قاضی تھے ابن حبان سے اُن کا حال پوچھا گیا۔ تو کہا صرف ایک صدق تو ان میں نہیں ساری کل فضائل کے جامع ہیں۔ ابن مبارک کہتے اُن کا حال پوچھا گیا کہا لاالٰہ الااللہ کہا کرتے تھے یعنی مسلمان ہیں یہ سب صحیح مگر تھے بٹے

جو شیلے کہ فقہ حنفیہ کی شہرت اور درس و تدریس کو دیکھ نہ سکے اور حسبۃً للہ حدیث بناڈالیں۔

یحییٰ ابن سعید قطان رحمہ جو تتبع و تنقید حدیث میں مستند مانے جاتے ہیں اُن کا قول ابن جوزی رحمہ نے موضوعات میں نقل کیا ہے کہ کذب میں ان لوگوں سے زیادہ میں سے کسی کو نہیں پایا جو خیر و زہد کی طرف منسوب ہیں۔ ان بزرگوں نے کچھ تو خیر خواہی کے جوش میں حدیثیں بناڈالیں اور کچھ اوروں سے سُن کر بیان کردیا اور اُس کی کچھ تحقیق نہیں کی کہ راوی مستند ہے یا نہیں۔ کیونکہ حسن ظن ان حضرات کا اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ کسی مسلمان کو جھوٹا سمجھتے ہی نہ تھے اسلئے جس نے جو کچھ روایت کی اُس کو صحیح مان لیا۔

تہذیب التہذیب میں رواد بن الجراح کے حال میں ابن عدی کا قول نقل کیا ہے کہ اکثر روایتیں اُن کی ایسی ہوتی ہیں کہ دوسرے راویوں سے اُن کی تصدیق نہیں ہوتی مگر وہ شیخ صالح ہیں۔ اور صالحین کی روایتوں میں کچھ نہ کچھ نکارت ہوتی ہے۔

میزان الاعتدال میں عبدالرحمن بن ثابت کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ زاہد اور مستجاب الدعوات تھے مگر امام بخاری اور نسائی وغیرہ نے ان کی حدیثوں میں کلام کیا ہے۔

عبدالواحد ابن زید کے ترجمہ میں میزان میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ زاہد اور صوفیہ کے شیخ تھے چالیس سال انہوں نے عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی اور مجاب الدعوات تھے مگر محدثین نے اُن میں کلام کیا ہے۔

چنانچہ بخاری رحمہ کہتے ہیں کہ اُن کو محدثین نے ترک کردیا اور امام احمد کا قول ہے

کہ اُن کی احادیث موضوع ہوا کرتی ہیں۔

میزان الاعتدال میں امام ذہبی نے انہیں لوگوں کو ذکر کیا ہے جنہیں محدثینؒ نے کلام کیا ہے اُس میں اویس قرنیؓ کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ میں نے اُن کو اِس کتاب میں صرف اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ بخاری نے انکو ضعفا میں ذکر کیا ورنہ میں کتاب میں اُن کو ہرگز ذکر نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اولیاء اللہ صادقین سے ہیں۔

اویس قرنی رضہ وہ شخص ہیں کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی فضیلت بیان کی ہے۔ اور عمرؓ اُن سے خواستگار دعا ہوئے اُن کے فضائل مسلم شریف وغیرہ میں موجود ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق رضہ کی روایتوں کو ساری اُمت نے مستند سمجھا ہے۔ مگر بخاری نے کہا کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔

ابن معین رحہ کا قول ہے کہ ہم ان اقوام میں کلام کرتے ہیں جو جنت میں داخل ہوچکے ہوں مطلب یہ کہ سلسلہ میں جو کلام کیا جاتا ہے اُس سے یہ تبلانا منظور نہیں کہ اُن کے دین میں کوئی قصور تھا بلکہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے مقدس مستجاب الدعوات اور جنتی ہیں۔ یہاں تک کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی فضیلتیں بیان کیں۔ مگر چونکہ تنقیح و تنقید حدیث کی خدمت مفوض ہے۔ اسلئے جب تک پوری شرطیں نہ پائی جائیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ جس سے حدیث لیتے ہیں۔ اسکی تحقیق کیجائے کہ وہ عادل وضابط ہے۔ کسی کی رعایت نہیں کیجاتی گو کیسا ہی ولی اور مستجاب الدعوات ہو یہاں تک کہ خود اپنے باپ کی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔

حمزہ بن حازم کا حال ابھی معلوم ہوا کہ وہ شیخ الشیوخ تھے۔ اعمش۔ ایوب۔ ابن مبارک

اور وکیع جیسے اُن کے شاگرد تھے اُن کے فرزندوں نے جب دیکھا کہ حافظہ میں فرق آرہا ہے تو اُن کو چھوڑ کر تلاش حدیث میں دوسرے اساتذہ کے یہاں گئے۔ دیکھئے جب اُن کے صاحبزادے تلاش حدیث میں نکلے ہونگے۔ تو محدثین نے ضرور پوچھا ہوگا کہ آپ اپنے گھر کی دولت کو چھوڑ کر گدائی کو کیوں نکلے تو انہوں نے ضرور اپنے والد کا نقص بیان کیا ہوگا۔ دیکھئے جسکے پدر بزرگوار ایسے ہوں کہ عمر بھر نیک نام اور شیخ الشیوخ اور مرجع انام سب نے رسبت کیا اُس کی طبیعت گوارا کرے کہ اپنے والد کا نقص اور بے اعتباری ظاہر کر کے خود بھی ذلیل ہوتے مگر یہاں اتنی نفس قدسی ابت سکتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں نہ ذلت کی پروا نہ عزت کا خیال کل اکابر محدثین کا یہی حال رہا ہے۔

تہذیب التہذیب میں ابن الرقا کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ دارقطنی وغیرہ محدثین کے اُستاد ہیں۔ اور حدیث میں امام سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار انہوں نے ایک حدیث پڑھی جو امویوں کے خلاف تحقیق تھی۔ وہ سنتے ہی لوگوں نے اُن کو اُٹھا دیا۔ اور جس جگہ بیٹھے تھے اُسکو دھو ڈالا۔

میزان الاعتدال میں جارودی کے ترجمہ میں حاکم رح کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے محمد یعقوب سے بارہا سنا ہے کہ ابو بکر جارودی رح جب کبھی اپنے دادا کی قبر سے گذرتے تو کہتے کہ اے جد بزرگوار اگر آپ بہز ابن حکیم کی روایت بیان نہ کرتے تو میں آپ کی زیارت ضرور کرتا۔

تعصب کی انتہا ہو گئی اگر جد امجد نے کوئی روایت غلط بھی کی تھی تو اُس سے دور نہیں ہو گئے تھے جو زیارت سے انکار کیا گیا۔ زیارت سے اتنا فائدہ تو ضرور ہو

کر کیمہ پڑھ کر بخش دیتے جس سے اس خطا کی معافی کی توقع تھی۔ مگر ہمزا بن علیم کی اُس روایت کے ساتھ اتنا بغض تھا کہ اگر کبھی خون جوش بھی کہاتا ہوگا تو اُس حدیث کا چھپا انکو زیارت سے روک دیتا تھا۔ اگر اُن کی اس حرکت کو جنون سے تعبیر کریں تو بے موقع نہ ہوگا مگر ایسے جنون پر ہزار عقلوں کو قربان کرنا چاہیئے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی حمایت وحفاظت میں اُن کی یہ حالت تھی۔ غرضکہ محدثین کی حالت احتیاط حدیث میں عجیب قسم کی ہوگئی تھی۔ گو بعض حرکات اُنکے ہم لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر اصل منشا اُن کا کمال احتیاط تھی جس قدر حدیثیں بنانے میں لوگوں نے جراءت کی۔ اُس سے زیادہ ان حضرات نے احتیاط میں زیادتی کی اگر کسی سے ایک بات خلاف دیکھتے تو اُس کی صحیح حدیثیں بھی ترک کر دیتے۔

تہذیب التہذیب میں ابراہیم ابن محمد کے حال میں لکھا ہے کہ نعیم ابن حماد کہتے ہیں کہ ان کی کتابوں کی نقل میں پچاس اشرفیاں میں نے خرچ کیں۔ جب سب کی نقل ہوگئی تو انہوں نے ایک روز اور ایک کتاب نکالی جس میں قدر کا مسئلہ تھا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور دوسری کتاب نکالی جس میں جہم کی رائے تھی جسکے قائل جہمیہ ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ کی بھی یہی رائے ہے۔ کہا ہاں یہ سنتے ہی وہ تمام کتابیں جو نہایت شوق سے بصرف زر کثیر نقل کرائی تھیں سب پھاڑ کر پھینکدیں

تہذیب التہذیب میں محمد ابن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی جعفر سے میں نے دس ہزار حدیثیں لکھیں۔ ایک روز انہوں نے کہا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو صفین میں قتل ہوئے فاسق تھے یہ سنتے ہی میں نے وہ کل حدیثیں جو لکھی تھیں پھینکدیں۔

مولانا واستاذنا مولوی محمد عبدالحی صاحب مرحوم نے الرفع والتکمیل میں لکھا ہے کہ شعبہ رحمہ سے پوچھا گیا کہ آپنے فلاں شخص کی حدیث کو کیوں ترک کر دیا کہا میں نے اُس کو دیکھا کہ گھوڑے پر سوار ہے اور اُس کو ایڑیں مار رہا ہے۔ فقط ایڑ مارنا ترعیب کی بات نہیں جبکہ شعبہ رحمہ جیسے جلیل القدر شیخ الشیوخ نے قابل ترک سمجھا ہو البتہ کوئی ناشایستہ خلاف شان حرکات اُس میں ضرور تھے جس سے انہوں نے اُس کو ترک کر دیا۔

اُسی میں مولانا ممدوح نے لکھا ہے کہ شعبہ رحمہ منہال ابن عمر کے یہاں طلب حدیث کے لیے گئے دیکھا کہ گھر میں سے طنبور کی یا خوش الحان قراءت کی آواز آ رہی ہے یہ سُنتے ہی باہر ہی سے لوٹ گئے اور پھر اُس سے حدیث نہیں لی۔ معلوم نہیں مقامی خصوصیات کیا تھیں جن سے انکو ترک کرنے پر مجبور ہوئے بہرحال اتنا تو معلوم ہوا کہ احتیاطیں اس درجہ کی تھیں۔

اسی میں لکھا ہے کہ ابن عیینہ رحمہ سے پوچھا گیا کہ زاذان سے آپ روایت کیوں نہیں کرتے۔ کہا وہ باتیں بہت کیا کرتے تھے۔

اسی میں لکھا ہے کہ جریر رحمہ نے سماک ابن حرب کو دیکھا کہ کھڑے ہوئے پیشاب کر رہے ہیں اس لئے اُن کو ترک کر دیا اسی میں لکھا ہے کہ جو محدثین اعمال کو جزو ایمان سمجھتے تھے۔ اہل کوفہ سے روایت نہیں کرتے تھے اسلئے کہ وہ اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے ہیں بہت سے محدثین نے امام ابوحنیفہ رحمہ سے روایت نہیں کی اسوجہ سے کہ انکو اہل رائے سمجھتے تھے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ مکی ابن ابراہیم نے حمید طویل سے حدیث نہیں لی۔ اسی وجہ

ذریعہ طلب دلیل والوں کا ساتھ چھوڑتے تھے ۔

یہی جہاں صرف یہ بتانا منظور ہے کہ ان کی احتیاطیں کیسی تھیں نہ مولیٰ کی ولایت
کے فرض نہیں ادا کرنے میں مانع ہوتی تھی نہ قرابت و احباب کی محبت نہ اپنی غرض
کا خیال غرضکہ ان حضرات نے احتیاط کا حق ادا کر دیا۔ اب یہی بات کہ وہ ضرورت
سے زیادہ کام میں لائی گئی ہیں وہ حضرات معذور ہیں اسلئے کہ جب آدمی کسی
طرف ہمہ تن مشغول ہوتا ہے تو دقیق دقیق نئی نئی باریکیاں اور نزاکتیں اسکے خیال
میں آتی جاتی ہیں جنکو ہر کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اسلئے ان کی وہ باتیں جنکو اور لوگ قابل توجہ
نہیں سمجھتے اسکو بڑی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ [illegible] دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو
حفظان صحت کا خیال زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کھانے پینے میں بلکہ ہر ایک کام میں کیسی کیسی
احتیاطیں کرتے ہیں کہ ان کی صحت بذات خود ایک مستقل بیماری ہو جاتی ہے
اسی طرح جنکو طہارت کا زیادہ خیال ہوتا ہے ان کی احتیاط وسواس کے
درجہ تک پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ طہارت اور غسل وغیرہ میں اتنا
پانی خرچ کرتے ہیں کہ شریعت میں وہ اسراف اور حرام ہے اور باوجودیکہ خود بھی
وہ اسکی برائیاں جانتے ہیں مگر طبیعت سے مجبور ہیں۔ اس احتیاط کو چھوڑ نہیں
سکتے اسی طرح محدثین کو ہمیشہ احتیاط کا خیال لگا رہتا تھا۔ اور ہمیشہ اس خیال
میں رہتے کہ جو حدیث لیا جائے کسی متدین اور ثقہ شخص سے لیا جائے پھر
ان کی ان احتیاطوں میں جس قدر خیال ترقی کر گیا عدالت کا دائرہ تنگ ہوتا گیا۔ یہاں
تک کہ تھوڑے سے کوتاہیوں پر بھی خلاف عدالت کا حکم ہونے لگا۔ [illegible]
ہر متقی طبیعت کو بالکل [illegible] ہے اسلئے جو اہل احتیاط کی طبیعتوں میں [illegible]

زیادہ تر یہی وہ لوگ مغلوب الغضب ہونے کی وجہ سے اس امر میں بہت افراط کرتے تھے
جیسا کہ شاہد [illegible] ثابت ہے کہ بعض علما کی تصنیفات میں مرارت اور بغض و عداوت اہل
اہل بیت کے مخالف اور [illegible] اوقات میں بھی ابتلا کیا کرتے ہیں بلکہ فاسق اور
کافر کہنے میں بھی تامل نہیں کرتے اور جو لوگ کہ ان کو چھپائیں کرنے کی فکر
میں پڑ جاتے ہیں اور کسی طرح چھپا کر کہیں دیتے ہیں اہل بیت کے لوگ
متقدمین میں بہت گذرے ہیں [illegible] اپنی [illegible] دیکھے کہ کس قدر کلام
میں تشدد [illegible] علی السلام کے مشہور [illegible] کا جہاں ذکر کرتے
ہیں تو [illegible] اور [illegible] کی [illegible] اسی طرح
معتزلہ وغیرہ [illegible] بہت تعصب کرتے رہتے ہیں اکثر [illegible] کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی [illegible] نقل کرکے [illegible]
کرمیں [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ نقل مضمون
کے وقت انہوں نے [illegible] کام لیا اور [illegible] سے معلوم
ہوتا ہے کہ [illegible] اور ان کی
تشریح میں انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کسی مسئلہ میں ایک صحیح حدیث کا ذکر
کیا اس کے بعد کسی مجتہد کا نام لکھتے ہیں کہ اس نے اس کے خلاف کیا اور
ساتھ ہی لعنت غرض کہ ان کی اکثر تصانیف لعنت سے بھری ہوئی ہیں اور تعصب
کی یہ حالت کہ امام سخاوی رہ نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ ابن حزم کا
قول ہے کہ ابو عیسیٰ ترمذی اور [illegible] مجہول ہیں لیکن اسلامی تمام دنیا میں
ترمذی معروف و مشہور ہیں مگر حضرت ان کو پہچانتے ہی نہیں۔ یہ طریقہ کر رکھے

مخالف ہوتے ہیں تو اُن کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیتے ہیں کہ اُس کے حاشیۂ
خیال میں بھی نہیں۔ چنانچہ طبقات الشافعیہ میں امام سبکی رح نے لکھا ہے کہ ملل نحل میں
انہوں نے ابو الحسن اشعری رح کا مذہب بیان کیا ہے کہ اُن کے نزدیک ایمان
صرف معرفت بالقلب کا نام ہے خدا کو دل سے پہچان لے تو بس ہے پھر
اگر زبان سے اقسام کے کفریات بکے اور یہ بھی کہے کہ میں یہودی ہوں یا نصرانی
ہوں تو بھی وہ مسلمان اور جنتی ہے۔ حالانکہ کل اشاعرہ بلکہ تمام مسلمانوں کا مذہب ہے
کہ جو کفریات بکے یا کفار کے سے کام کرے تو وہ کافر مخلد فی النار ہے اور
لکھا ہے کہ محققین نے ان کی کتابوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے اس لئے
کہ اہل سنت کی وہ بہت تحقیر کیا کرتے ہیں انتہیٰ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی
ہے کہ ایسے مغلوب الغیظ حضرات تحقیق مسائل یا جرح و تعدیل کی خدمت اپنے
ذمہ لیں تو مسلمانوں کو مقبول نہیں تو نہ ہو تو ضرور کریں گے۔ بہرحال ان کی
کی تحریرات میں وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ مرفوع القلم سمجھے جائیں۔

ابن جوزی کا حال

اسی طرح ابن جوزی رح کا بھی حال ہے۔ انکی طبیعت کا انداز تلبیس ابلیس سے معلوم
ہو سکتا ہے کہ کسی مذہب اور فرقہ کو انہوں نے چھوڑا ہی نہیں سب پر کچھ نہ کچھ الزام
لگا دیا۔ علاوہ فرق باطلہ کے صوفیہ کے تو وہ دشمن ہی ہیں ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے
پڑ گئے۔ یہاں تک کہ مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت غوث الثقلین محی الدین
جیلانی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی تھی اور فقہا تو بیچارے کس شمار میں محدثین کو بھی انہوں
نے نہیں چھوڑا۔ اس طبیعت کے لوگ کب کسی کے معتقد ہو سکتے ہیں بہرحال الحق
دیکھا کہ حدیث کی اسناد میں ایسا شخص ہے کہ سابق کے محدثین نے اس کو کاذب

وغیرہ کہا تو اب وہ جا بجا کے اس میں [illegible] بخاری کی اور نیز مسلم کو صاف کہدیتے ہیں
کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ امام سیوطی رح اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ میں لکھتے
ہے کہ حاکم ابن حبان اور عقیلی وغیرہ حفاظ کی عادت ہے کہ کسی حدیث کی
سند میں کوئی راوی مخدوش ہو تو اسکو وہ باطل لکھتے ہیں ابن جوزی اس سے
یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ متن حدیث ہی موضوع ہے اور اس متن حدیث کو اپنی کتاب
موضوعات میں داخل کر دیتے ہیں حالانکہ نہیں ہے ان حفاظ کو کوئی شبہ نہیں
ہوتا۔ بلکہ اکثر دوسری صحیح سندوں سے وہ متن ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے
تمام علماء نے یہاں تک کہ آخر میں ابن حجر عسقلانی رح نے ابن جوزی پر اعتراض کیا
ہے کہ یہ ان میں بہت عیب تھا اور اسی میں لکھا ہے کہ ابن جوزی رح نے حدیث
اذا بلغ العبد اربعین سنۃ امنہ اللہ من البلایا الثلث کو اپنی کتاب موضوعات میں
داخل کیا ہے اور وجہ یہ لکھی کہ اس کی اسناد میں عباد بن عباد ہیں جن کی نسبت
ابن حبان نے [illegible] المناکیر لکھا ہے۔ اسلئے وہ حق نہیں اور حدیث صحیح
نہیں۔ امام سیوطی نے [illegible] لکھا ہے کہ ابن جوزی نے
[illegible] ابن حبان نے عباد ابن عباد
کی نسبت [illegible] المناکیر کہا [illegible] اور اس روایت میں عباد ابن عباد [illegible]
ہیں اور یہ وہ شخص ہیں کہ شیخین نے ان کی حدیثوں سے احتجاج کیا اور احمد
اور ابن معین اور ابو داؤد و نسائی وغیرہ رح نے ان کی توثیق کی انتہی۔ اس قسم کی
وجہوں سے انہوں نے بعض صحاح کی حدیثوں کو بھی موضوع قرار دیا اسلئے
ان کا یہ قول قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ محدث ابن جوزی وغیرہ نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے تو قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع لکھدیا بیشک ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی انتہی۔ نہایت درست ہے جب انکی طبیعت اور اتفاق علماء سے معلوم ہو گیا۔ کہ بلا تحقیق ایسی باتیں لکھدیتے ہیں تو اُن کی تحریر سے کوئی حدیث موضوع نہیں ہو سکتی اور نہ دوسرے محدثین کی تحقیق پر اُن کی تحریر کا اثر ہو سکتا ہے۔ البتہ امام بخاری جیسے مستند محدث کی تحقیق قابل ترجیح ہے

حال جرح و تعدیل

اس موقع میں جرح و تعدیل سے متعلق تہوڑا سا حال معلوم کر لینا بھی مناسب ہو گا۔ فتح المغیث میں امام سخاوی رح نے لکھا ہے کہ صحابہ ہی کے زمانہ میں بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے لعن وطعن کی لیکن وہ بہت کم اور ممتاز تھے۔ پھر تابعین کے زمانہ میں بھی اُن کی ایسی کثرت نہ ہوئی جو قابل توجہ ہو اسلئے کہ اکثر متبوع اور مقتدا صحابہ موجود تھے۔ جو کل عدول ہیں۔ اور جو غیر صحابہ تھے وہ اکثر ثقات تھے۔ اُن کے ہوتے اہل بدعت کے یہاں کون جاتا۔ قرن اول جس میں صحابہ اور کبار تابعین تھے۔ اُن میں کوئی مقتدائے دین ضعیف نہیں پایا گیا اُن کے بعد اوساط تابعین میں اگرچہ ضعفا پائے گئے مگر اُن میں صرف تحمل اور ضبط حدیث کی نسبت کلام ہوا البتہ جب تابعین کا زمانہ قریب الختم ہوا یعنی سنہ ڈیڑھ سو کے حدود میں اسوقت توثیق اور جرح کی ضرورت ہوئی چنانچہ ابوحنیفہ رح نے کہا کہ جعفر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا میں نے نہیں دیکھا اور اعمش اور امام مالک رح شعبہ اور اوزاعی وغیرہم نے بھی جرح و تعدیل کی۔ اُن کے بعد یحیی ابن سعید قطان

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

ابن مہدی وغیرہ اُنکے بعد امام شافعی رح اور ابو عاصم نبیل وغیرہ اُن کے بعد حمیدی اور یحییٰ ابن یحییٰ وغیرہ آئمہ جرح و تعدیل ہوئے اُن کے بعد جرح و تعدیل کی کتابیں تصنیف ہونے لگیں اس کے بعد کے بھی بہت سے طبقات آئمہ فن کے سخاوی رح نے ذکر کئے جن کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔

جرح و تعدیل کا قاعدہ

مطالعہ کتب رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ جرح و تعدیل کا عام قاعدہ یہی رہا ہے کہ حتی الامکان مشتبہ لوگوں سے احتراز رہا خصوصاً صحابہ میں تو نہایت ہی اسکا تشدد رہا چنانچہ سنن دارمی میں روایت ہے۔ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ جاءہ رجل فقال ان فلانا یقرء علیک السلام فقال بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرأ علیہ السلام یعنی ایک شخص ابن عمر رض کے یہاں آکر کہا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے فرمایا میں نے سُنا ہے کہ اُس نے کوئی نئی بات ایجاد کی ہے۔ اگر یہ واقعی ہے تو اُس کو ہمارے طرف سے جواب سلام نہ کہنا جب جواب سلام میں یہ احتیاط تھی تو اُس کی اور باتوں کی کیا وقعت ہوگی۔ تقریباً یہی طریقہ اکابر تابعین میں بھی جاری رہا چنانچہ دارمی میں یہ روایت ہے۔ عن اسماء بن عبید قال دخل رجلان من اصحاب اہل الاہواء علی ابن سیرین رح فقالا یا ابا بکر نحدثک بحدیث قال لا قالا فنقرأ علیک آیۃ من کتاب اللہ قال لا لتقومان عنی او لاقومن قال فخرجا فقال بعض القوم یا ابا بکر وما کان علیک ان یقرأ علیک آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ قال انی خشیت ان یقرأ علی آیۃ فیحرفانہ فیقر ذلک فی قلبی۔ یعنی اسما کہتے ہیں کہ دو شخص اہل ہوا یعنی فرق باطلہ کے ابن سیرین کے پاس آئے اور کہا کہ ہم ایک حدیث آپ کو سنانا چاہتے ہیں۔ کہا میں نہیں سنتا کہا قرآن کی ایک آیت سناتے

میں کہا میں نہیں سنتا۔ اب تم یہاں سے جاتے ہو یا میں چلا جاؤں۔ تو وہ [illegible] چلے
گئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت اگر قرآن کی آیت آپ اُن سے سنتے تو کیا حرج تھا فرمایا اس
بات کا خوف تھا کہ اُس کے معنی کو اپنے مطلب کی جانب پھیر دیں اور وہی بات
میرے دل میں جم جائے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ ابن سیرین
سے ایک بدعتی نے کہا کہ میں آپ سے ایک کلمہ کہوں فرمایا نہیں بلکہ آدھا کلمہ بھی نہیں
انہی میں لکھا ہے کہ معمر کہتے ہیں کہ طاؤس [illegible] کے پاس بیٹھے
ہوئے تھے کہ اُن کے پاس ایک شخص معتزلی آیا
اور کسی مسئلہ میں گفتگو شروع کی طاؤس نے [illegible] دونوں کانوں میں انگلیاں
رکھ لیں۔ اور فرزند سے کہا تم بھی کانوں میں انگلیاں رکھ لو تاکہ اُس کی بات
سننے میں نہ آئے کیونکہ دل ضعیف ہے پھر کہا اے فرزند خوب زور
سے کان بند کر لو [illegible] یہاں تک کہ وہ شخص اٹھ کر چلا گیا
ظاہراً یہ حرکت [illegible] کے خلاف تہذیب معلوم ہوتی ہے مگر [illegible]
کو قوت خدا داد [illegible]
عقل جلد قبول کر لیتی ہے کہیں ایسا ہو کہ کوئی بات دل میں جم جائے [illegible]
بھی ہو جائے پھر خدا سے تعلق منقطع ہو جائے
انہی میں لکھا ہے کہ [illegible] کہتے ہیں کہ ایک شخص ہمارے ساتھ [illegible]
کے یہاں [illegible] بیٹھا کرتا تھا۔ ابراہیم [illegible] کہ وہ شخص فرقہ مرجیہ میں شامل
ہو گیا ہے انہوں نے اُس سے فرمایا اب جو تم جاؤ تو یہاں سے جاتے ہو
پھر یہاں نہ آنا۔ فرقہ مرجیہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن شریف میں [illegible] کی

www.NafseIslam.com

انھی خطاؤں کا [illegible] کے لئے ہیں ورنہ جس نے [illegible] کو ادا کر دیا [illegible]

جس [illegible] اور [illegible] ہے اور [illegible] کے گناہ کچھ نہیں [illegible] جاؤ گے

[illegible] بخشی جائیگی۔

[illegible] کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ابن عیینہ رحم

سے کہا [illegible] تقدیر کے معاملہ میں کلام کرتا ہے [illegible] لوگوں کو

[illegible]

[illegible] ہے

[illegible]

[illegible] ہو گیا۔

[illegible] لکھا ہے

[illegible] بیان کرنی شروع کی۔

[illegible]

[illegible] کسی کو قال

[illegible] لیکن سب

[illegible] کو سنتے ہیں کہ

[illegible]

[illegible] کے بیٹے ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] معلوم ہو کہ [illegible] ہوں گے

متصل امام ابو حنیفہ رح ہیں خوش قسمتی سے آپ کو تدوین فقہ کے وقت نہایت آسانی سے صحیح صحیح حدیثیں مل گئیں جس میں موضوع ہونے کا احتمال اگر نکالا بھی جائے تو بہت سے قرآن سے رد ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد جب تدین کم ہوتا گیا اور کذاب اور وضاع نئی نئی باتیں بنانے لگے جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں دی ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤکم فایاکم وایاہم لا یضلونکم ولا یفتنونکم رواہ مسلم۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہونگے ایسی ایسی حدیثیں بیان کریں گے کہ نہ تم نے وہ سنی ہونگی نہ تمہارے آبا و اجداد نے۔ ہونئے بہت بچو۔ ان کو نزدیک نہ آنے دو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں۔ اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اس پیشینگوئی کے ظہور کی ابتدا اسی زمانہ میں ہونگی تھی اسلئے اس زمانہ کے محدثین کو بڑی بڑی محنتیں اٹھانی پڑیں جس قدر انہوں نے موضوعات کے رواج دینے کی فکریں کیں محدثین نے احتیاط سے ان کا مقابلہ کیا۔ مثلاً دیکھا کہ راویان حدیث کے احوال مختلف ہیں۔ فن رجال مدون کردیا جس میں ہر ایک راوی کی نسبت جو کچھ محدثین کے خیال تھے بیان کردیے تاکہ مشتبہ راویوں سے حدیث لینے میں احتیاط کی جائے۔ بعض محدثین ایسے بھی تھے کہ ضعفا سے روایت کرکے ان کے نام نہیں بتاتے تھے جن کو تدلیس کہتے ہیں ایسے لوگوں کی تفتیش کرکے خاص ان کے ناموں کی کتابیں لکھدیں جیسا کہ تہذیب الرواۃ کی

امام سیوطی رحہ نے لکھا ہے۔ اسیطرح بعض محدثین مستند تو تھے مگر آخر عمر میں اُن کے
حافظہ میں نقصان آگیا تھا اور بعض لوگ آخر عمر میں اُنسے پڑھ کر چاہتے تھے کہ اُنکے
پہلے شاگردوں کے ساتھ مساوات حاصل کریں حالانکہ اُن کی حدیثوں میں ضعف
ہوتا تھا۔ اِس لئے محدثین نے تحقیق کر کے ایسے اساتذہ کے نام اور اُن کے
اوائل و آخر کے شاگردوں کے نام اور اُن کے حالات کے کتابیں مدون کریں
تاکہ لوگوں کو اُن اساتذہ کے ناموں سے دہوکا نہ ہووے۔ غرضکہ کسی بات میں
ذرا بھی شبہ ہوتا تو ایک جماعت متوجہ ہو کر اس قدر تحقیق کرتی کہ شبہ نام کو نہ رہنے
پائے شدہ شدہ ان تحقیقوں سے فن حدیث کے سو فن ہو گئے چنانچہ شیخ الاسلام
ابن حجر رحہ نے النکت میں اور امام سیوطی رحہ نے تدریب الراوی میں لکھا ہے
کہ علم حدیث سو انواع پر مشتمل ہے ہر نوع ایک مستقل علم بن گئی ہے اگر کوئی طالب العلم
اُن علوم میں اپنی تمام عمر صرف کر ڈالے جب بھی اُن کی انتہا کو نہیں پہونچ سکتا۔
مطلب یہ کہ ایک شخص ان تمام علوم حدیثیہ کا جامع نہیں ہو سکتا اہل علم غور کر سکتے
ہیں کہ سوا حدیث شریف کے کونسا ایسا علم ہے کہ جس کے حصے اس طرح
سے کئے گئے ہوں کہ ہر ایک حصہ کی طرف ایک جم غفیر علما کا متوجہ ہو کر اُس کی
تحقیق اور تکمیل کرے کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ ہزاروں مستند علما نے
جس کام میں اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا کیا وہ ایسا فضول اور بے اصل
ہے کہ اُن کی اوقات ضائع ہوئی۔ یا اُن کی وہ کوشش اور جانفشانی بالکل
فضول تھیں۔ اب اگر کوئی اجنبی شخص جسکو فن حدیث سے کوئی تعلق نہ ہو چند مختلف
ضعیف اقوال نقل کر کے اس فن کو بے اعتبار قرار دے تو کیا اعتنا اُس کی

تصدیق کر سکتے ہیں عقل کی رو سے تو ہرگز نہیں کر سکتے۔ یہ تو کمال فخر کا موقع تھا
کہ اپنے اسلاف کے کارنامے پیش کر کے اوروں سے پوچھتے کہ کوئی امت
ایسی بھی ہے کہ اپنے نبی کے اقوال اور افعال اور دین کی باتوں کو ایسی جانفشانیوں
سے محفوظ رکھا ہو افسوس ہے کہ امت کے منتخب افراد نے جو اپنی گراں بہا
عمریں صرف کر کے قابل افتخار خزانے ہمیں دے گئے ہیں۔ اُن کا شکریہ کیا
جا رہا ہے کہ چند ناقصوں کی کارروائیاں پیش کر کے اُن کی تمام جانفشانیاں
خاک میں ملائی جا رہی ہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

اب ہم چند اقوال شمس العلماء صاحب کے سیرۃ النعمان
سے نقل کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ ہمارے امام صاحب کی طرفداری
کے جوش میں فن حدیث اور محدثین پر انہوں نے حملے کیے ہیں۔ شاید بعض
احناف اس سے خوش ہو گئے ہونگے۔ مگر میں اس خیال کے بالکل مخالف
ہوں ہم کو اپنے تعصب کی ضرورت نہیں کہ جن حضرات نے قوم پر اعلیٰ درجہ کا
احسان کیا ہو اُن کو بُرائی سے یاد کریں اور انکی نکتہ چینیاں کر کے معاذ اللہ اُن کو
رسوا کریں۔ علاوہ اسکے اگر حدیث ہی بے اعتبار ہو جائیگی تو فقہ بطریق اولےٰ
بے اعتبار ہو جائیگی۔ اسلئے کہ فقہ کا دار و مدار حدیث پر ہے کسی حنفی کا یہ خیال نہیں
کہ امام صاحب ایک عقلمند معقولی شخص تھے اپنی عقل کی رہبری سے قاعدے
ایجاد کرتے اور مسائل تراشتے تھے۔ چنانچہ خود شمس العلماء صاحب نے سیرۃ النعمان
میں چند دلائل و قرائن سے ثابت کیا ہے کہ امام صاحب اعلیٰ درجہ کے محدث
تھے۔ اور حدیث کو قیاس پر مقدم کیا کرتے تھے قولہ ص ۱۵۱ زبانی روایت سے

مگر تحریر وں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ ابن عباس حضرت علی رضہ کے فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علی نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک اور دفعہ عبداللہ ابن عباس نے حضرت علی رضہ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ اور اعدا میں افراط و تفریط بہت کچھ ہوئی۔ روافض خوارج کی ابتدا اسی وقت سے ہوئی مگر دونوں جماعتیں الگ الگ اور اہل سنت سے ان سے ممتاز رہے کسی نے انکو اپنا اوستاد بنا کر انکی روایتیں اسوقت نہیں لیں کیونکہ صحابہ اور اکابر تابعین کے ہوتے انسے روایت کرنیکی ضرورت ہی کیا دیکھئے جہاں مسلم شریف میں ابن عباس رض کی روایت مذکورہ لکھی ہے اسی کے متصل یہ دو روایتیں بھی لکھی ہیں۔ ایک یہ ہے لما احدثوا تلک

الاشیاء بعد علی علیہ السلام قال رجل من اصحاب علی قاتلھم اللہ ای علم افسدوا

یعنی شیعہ نے جب نئی نئی باتیں بنائیں تو علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا خدا ان کو غارت کرے کیسے اعلیٰ درجہ کے علم کو انہوں نے تباہ کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب اسوقت ممتاز تھے اور جانتے تھے کہ شیعہ نے آپکے علوم و احادیث میں جعلسازیاں کی ہیں اس وجہ سے کوئی روایت انسے نہیں کرتے تھے۔

دوسری حدیث مسلم شریف میں یہ ہے کہ جس کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے مغیرہ کہتے ہیں کہ [illegible] اللہ عنہ کی وہی روایت قابل تصدیق سمجھی جاتی تھی جو اصحاب

عبداللہ ابن مسعود رضہ کے ذریعہ سے پہونچے تھے انتہی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ شیعہ
اہل سُنت وجماعت سے خارج تھے۔ اور اُن کی روایتیں نہیں لیجاتی تھیں۔
الحاصل گو اس زمانہ میں جعل شروع ہو گیا تھا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ ہمارے محدثین
نے جعلسازوں کو ایسے بیکار کر رکھا تھا کہ اُن کی کوئی جعلی بات اُن کے پاس
نہ آسکے۔

قولہ صـ۱۵ لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرات اِس وجہ سے ہوتی تھی کہ ابتک بیوت
تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا قال رسول اللہ
کہدیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل
میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا
کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ کچھ ہوئی تاکہ اہل سُنت کی حدیثیں لیجائیں
اور اہل بدعت کی ترک کیجائے۔ لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف
نہ تھی اِسلئے یہ احتیاط چنداں مُفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا انتہی
افسوس ہے اس مقام میں مولوی صاحب مُقتضانہ انداز سے بہت دُور ہو گئے
جس سے ناواقف لوگ خیال کرنے لگے کہ ایک زمانۂ دراز تک جو شخص چاہتا
حدیثیں بناکر قال رسول اللہ کہدیتا۔ اور اُسکو کوئی نہ پوچھتا کہ فی الواقع وہ حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا نہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اِسلئے کہ
ابن سیرین رح کی ولادت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہے جیساکہ
تذکرۃ الحفاظ میں مصرح ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اسناد کے
پوچھنے کا زمانہ بھی پایا ہے۔ اور صرف قال رسول اللہ کہنے کا بھی۔ اِسلئے کہ

صرف قال رسول اللہ جس زمانہ میں کہا جاتا تھا وہ صحابہ کا زمانہ ہے جس کا اکثر حصہ انہوں نے پایا ہے چونکہ صحابہ کل عدول ہیں اُن کی کوئی خبر غلط نہیں ہو سکتی اور جس قدر تابعین کے زمانہ میں رہ گئے تھے وہ ممتاز تھے اور ہر شخص جانتا تھا کہ یہ صحابی ہیں جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو اُن کی صحابیت خود ایک اعلیٰ درجہ کی سند تھی جس کے مقابلہ میں سند کا مطالبہ کمال درجہ کی گستاخی تھی۔ پھر صحابہ ہی کے زمانہ میں جب فتنہ پیدا ہوا اور تبع عدوں نے تقلیداً قال رسول اللہ کہنا شروع کیا تو اُن کا خود یہ کہنا باعث مواخذہ ہوا کیونکہ سب جانتے تھے کہ وہ صحابی نہیں بلکہ اُن کا سن وسال خود گواہی دیتا تھا کہ انہوں نے وہ حدیث بنائی ہے یا کسی سے سنکر کہا اسلئے اُنسے اسناد کا مواخذہ کیا جاتا اور اُن کا مجرد قول قابل توجہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ بشر عدوی نے جب حدیث پڑھی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اُنکی طرف التفات بھی نہیں کیا۔ اور یہ انتظام ہو گیا کہ وہی روایتیں لیجائیں جو اہل سنت کے ذریعہ سے پہونچیں جیسا کہ علی کرم اللہ وجہہ کی وہ روایتیں لیجاتی تھیں جو اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے پہونچتیں۔ اور اہل بدعت سے حدیث تو کیا قرآن بھی نہیں سنا جاتا تھا۔ جیسا کہ ابن سیرینؒ کی روایت سے ابھی معلوم ہوا۔ اب بتایئے ایسا کون سا زمانہ آیا کہ ہر بدعتی اور جعلساز قال رسول اللہ کہدیتا اور اُس کی روایتیں خوش اعتقاد سنکر شائع کر دیتے۔

مولوی صاحب نے ابن سیرین رح کے قول کو نہیں سمجھا انہوں نے ہرگز نہیں کہا کہ پہلے زمانہ میں صحابی ہو یا غیر صحابی قال رسول اللہ کہدیتا اور اُس کی روایت بخوف

اور مشہور صحابی تھی۔ ان کے قول کا صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے جس پر تاریخی شہادت بھی موجود ہے۔

اب غور کیجیے کہ مولوی صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں کہ حدیث کا بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی یعنی پہلے ہی سے ہو چکی تھی اور غلطیوں کا سلسلہ جاری رہا کیسی سخت غلطی ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

ابن سیرین رح کا قول جو مولوی صاحب نے نقل کیا ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے

فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر الى اهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم۔

معلوم نہیں مولوی صاحب نے سالوا کا ترجمہ (کچھ پوچھ ہوئی) کس قرینہ سے کیا ہے۔ ابن سیرین رح کا مقصود تو یہ ہے کہ اس غرض سے (کہ حدیثیں صرف اہل سنت کی لیں اور اہل بدعت کی چھوڑ دیں۔) اسناد کو پوچھنے لگے اس قرینہ سے تو صاف ظاہر ہے کہ اسناد کی تحقیق میں نہایت اہتمام اور کوشش کی جاتی تھی تاکہ غرض حاصل ہو نہ یہ کہ سرسری طور پر تبرکاً کچھ پوچھ لیتے۔

قولہ حضرت علی کی خلافت شروع ہی سے پُرآشوب رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں انتہیٰ۔

یہ وہی بات ہے جو ابن سیرین رح نے کہی تھی کہ فتنہ کے زمانے سے اسناد کی تحقیق شروع ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ ہی کے عہد میں اہل بدعت نے

حد تک بنانی شروع کر دی تھیں، مگر اُس سے اسلام کو کچھ ضرر نہیں پہنچا اسلئے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیالات اور نئی باتیں دین میں ایجاد کرنے
اور اُن کو رواج دینے سے ہمیشہ منع فرمایا کہ جیسا کہ کتب حدیث جن
کی نظر سے ہے وہ جانتے ہیں کہ اس باب میں کس کثرت سے روایتیں وارد ہیں
منجملہ اُن کے چند ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں لکھے جاتے ہیں

شر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة یعنی تمام کاموں میں بدتر محدثات ہیں یعنی نئی
نئی باتیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد یعنی جو کوئی ہمارے اس دین میں ایسی بات
پیدا کرے جو اُس میں نہیں سو وہ مردود ہے۔

من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين
المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ یعنی جو کوئی تم میں سے میرے بعد زندہ
رہیگا بہت اختلاف دیکھے گا تو تم کو لازم ہے کہ میرے طریقہ کو اور خلفائے
راشدین کے طریقہ کو دانتوں سے مضبوط پکڑو۔

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ في النار یعنی بڑی جماعت کے پیرو رہو جو اس سے
علیحدہ ہو گیا وہ دوزخی ہے۔

ان الشيطان ذئب الانسان كذئب الغنم يأخذ الشاذة والقاصية والناحية واياكم
والشعاب وعليكم بالجماعة والعامة یعنی شیطان آدمیوں کا بھیڑیا ہے جس طرح
سے گلہ سے علیحدہ بکری کو بھیڑیا لیجاتا ہے اسی طرح سے انسانوں کے گروہ سے علیحدہ کو
شیطان ہلاک کرتا ہے تو تم کو لازم ہے کہ جماعت کو نہ چھوڑو۔

من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ہدم الاسلام یعنی جو کوئی بدعت والے شخص کی توقیر کرے تو اُس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔

من فارق الجماعۃ شبراً فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ یعنی جو کوئی جماعت سے ایک بالشت بھر دور ہو جائے اُس نے ربقۃ الاسلام کو اپنی گردن سے نکال دیا۔ اِن کے سوا اور روایتیں بھی بکثرت ہیں جنکو سب صحابہ خوب جانتے تھے۔ اور امتثال امر نبوی میں صحابہ جسقدر مستعد اور سرگرم اور راسخ قدم تھے ہر شخص جانتا ہے کہ وہ حضرات صرف اشارہ پر جان دینے کو سعادت ابدی سمجھتے تھے۔ پھر جب صراحۃً ہمیشہ بدعتی کے قلع وقمع کا ارشاد فرمایا گیا تو غور کیا جائے کہ اہل بدعت کے ساتھ اُن کا معاملہ کس قسم کا ہوگا۔ کیا وہ اس بات کو گوارا کر سکتے تھے کہ کسی بدعتی کو منصب روایت کی توقیر حاصل ہو جس سے اسلام کے منہدم کرنے والوں میں نام لکھا جائے۔

ابن سبا جو اصل میں یہودی تھا اُسنے مسلمانوں میں شامل ہو کر بحیلہ محبت اہل بیت تشیع کی بنیاد ڈالی۔ اور رکیک بے ہودی حدیثوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت کو شیخین رضی اللہ عنہما پر بیان کرنا شروع کیا۔ آپکو وہ سخت ناگوار ہوا اور فرمایا کہ جو شخص مجھکو شیخین پر فضیلت دے اُس کو افترا کی حد اسّی دُرّے ماروں گا اسیطرح اور بہت سی نئی نئی باتیں ایجاد کر کے خفیہ تعلیم سے ایک گروہ کو اپنا ہمزبان بنالیا۔ جب آپ کو اطلاع ہوئی تو اُس گروہ کو مع ابن سبا جلاوطن کردیا جیسا مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ نے تحفہ میں اس گروہ کا حال مفصل لکھا ہے۔

غور کیجئے ایسا گروہ جو نبّت کا دم بھرتا اور جان نثاری کو اپنی سعادت سمجھتا تھا جنکو
صرف نئے خیالات اور بدعتوں کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
جلا وطن کر دیا تو اور بدعتیوں کے ساتھ آپ کا اور دوسرے صحابہ کا کیا حال ہوگا
جب مجلسوں میں اہل بدعت کا ذلیل ہونا اور جلاوطنی کی سزا پانی شہرۂ آفاق ہوئی
ہوگی ۔ تو ایسا کون بیوقوف ہوگا جو اُن سے حدیثیں لیکر دائمی رسوائی حاصل کرے
ہاں نوخیز ضعیف الایمان جدّت پسند طبائع اُن کے افتراپردازیوں کے دام
میں آجاتے تھے جس سے مذاہب باطلہ کے گروہ بن گئے جس طرح اس
زمانہ میں قادیانی وغیرہ مذاہب باطلہ کا شیوع ہو رہا ہے مگر یہ بات مشاہد ہے
کہ اُن کے خیالات اور بنائی ہوئی باتیں اہل حق ہرگز قبول نہیں کرتے یہی حال
اُس زمانہ میں تمام جعل سازوں کا تھا اور اگر دھوکہ دیکر کوئی جعلساز موضوع حدیثیں
بیان کر دیتا ۔ تو اس سے سند پوچھی جاتی جس کی تحقیق ہونے پر وہ رسوا ہوتا
جیسا کہ ابن سیرینؒ کے قول سے مستفاد ہے ۔

الحاصل صحابہ کے زمانہ میں اہل بدعت کا موضوع حدیثیں بنانا اسلام کے
حق میں مضر نہوا ہاں کہ اہل بدعت کی قلعی کھلگئی اور اُنکی روایتیں اور خیالات انہیں
فرقوں میں محدود رہے ورنہ اُن کے بعد طوفان بے تمیزی اور خلط ملط
کے زمانہ میں اگر اُن کے موضوعات پیش ہوتے تو اُن کی پوری کامیابی ہو جاتی
اور احادیث صحیحہ اور موضوعہ میں کوئی امتیاز نہ رہتا ۔

قولہ غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے
اور سینکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہو گئیں ۔ لیکن جس قدر اشاعت کو وسعت حاصل

ہوتی جاتی تھی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا۔ ارباب روایت کا دائرہ اِقدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں معروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ ان اسباب سے روایتوں میں اس قدر بے احتیاطیاں ہوئیں۔ کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں طیار ہو گیا یہاں تک امام بخاری رحمۃ نے اپنے زمانہ میں صحیح صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا۔ تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۲۹۷ حدیثیں ہیں۔ اُس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں انتہیٰ۔

یہ درست ہے کہ اہل بدعت اپنے مسائل کی ترویج میں معروف ہوئے جس طرح ہمارے زمانہ کے اختراعی مذاہب والے معروف ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مذاہب حقہ میں اُن کی روایتیں ہرگز نہیں لیجاتی۔ اختلاف زمانہ کے اعتبار سے اتنا فرق ضروری ہے کہ ہمارے زمانہ کے علما اُن کی طرف توجہ نہیں کرتے اور چونکہ وہ ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا نئی باتیں پُرجوش طبائع کو ناگوار ہوتی تھیں اسلئے اُن کے رد میں زیادہ تر اہتمام ہوتا تھا۔ بہر حال جس قدر مخالفوں کی کوششیں زیادہ ہوئیں محدثین نے احتیاط اور حفاظت میں زیادہ تر اہتمام کیا جس پر فن رجال گواہی دے رہا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اُن کے اثر تعلیم سے مذاہب باطلہ کے فرقے بن گئے سو یہ بات دوسری ہے۔ اس میں طبائع کی مناسبت اور انفعال کو دخل تام ہے

جدت پسند طبیعتیں ہمیشہ مذاہب باطلہ کو مدد دیتے آئے اسی کو دیکھ لیجئے کہ قادیانی
مذہب کے خیالات کو نہ کوئی عقلمند مطابق عقل سمجھتا ہے نہ کوئی دیندار مناسب دین
جن کا حال افادۃ الافہام سے معلوم ہو سکتا ہے۔ پھر مرزا صاحب کی زندگی میں
یہ کہنے کو گنجائش تھی کہ جب وہ عیسیٰ موعود ہیں تو دجال کو کبھی نہ کبھی قتل ضرور کریں گے
مگر اُن کے مرنے سے تو ثابت ہو گیا کہ وہ عیسیٰ موعود ہرگز نہیں تھے۔ کیونکہ نہ تو انہوں
نے مسلمانوں کے دجال کو قتل کیا جس کا حال احادیث میں مذکور ہے۔
اور نہ اپنے تاویلی دجال یعنی پادریوں کو باوجودیکہ ان کے پیرو اب بھی
یہی کہے جاتے ہیں کہ وہ عیسیٰ موعود ضرور تھے۔ بلکہ کرشن جی بھی تھے بلکہ سب
کچھ تھے اور ان خیالات کے رد میں کتابیں لکھی گئیں۔ ماہانہ پرچے شائع ہوئے
اخباروں میں مضحکے اُڑائے گئے۔ مگر اُن کو جنبش نہیں اور کچھ بھی کہہ دے کے
اُسکو جواب فرض کر لیتے ہیں۔ غرضکہ اس قدر پُر اثر تعلیم اور پُر زور ترویج پر ہم
دیکھتے ہیں کہ اس مذہب کے نئی باتوں کا ذرا بھی اثر مذاہب حقہ پر نہیں
پڑا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی مذہب کے شیوع سے اور دوسرے مذاہب
پر اثر نہیں پڑتا بہرحال کسی سبب سے ہم یقیناً کہتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب
اہل بدعت کی کارروائیوں سے محفوظ رہا اور صحیح حدیثوں میں اُن کا کوئی تصرف
نہیں ہونے پایا۔

مختلف خیالات مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ جو ہمارے
دین میں داخل ہوتے گئے اُن سے ہمارے دین میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ بلکہ
خود اُن کے خیالات اور عادات بدلتے گئے۔ باوجودیکہ اس وقت ہماری قوم

میں افلاس ہے مگر یورپین ہنود وغیرہ جو مسلمان ہوتے ہیں تو اسلام کا طریقہ اختیار کر کے اپنے طریقہ کو خیرباد کہدیتے ہیں اُسوقت تو اسلام کی حالت ظاہری بھی دوسری اقوام سے بدرجہا بہتر تھی۔ غرضکہ ان اسباب کو احادیث کے ضعف میں کوئی دخل نہیں۔ البتہ اُس زمانہ میں جعلساز دہوکے بھی دیا کرتے تھے تو اُن کی وجہ سے محدثین نے بھی اسناد میں بہت سے شروط لگاکر تشدد کر دیا۔ اور عدم واقفیت سے کسی نے ایسے لوگوں سے روایت لی بھی تو اطلاع کے بعد لکھے ہوئے اجزا تلف کر دئے جاتے تھے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ بصرف زر کثیر جو کتابیں لکھوائی گئیں تھیں مخالفت اعتقاد کی وجہ سے سب پھاڑ دی گئیں پھر جیسا جیسا زمانہ گذرتا گیا مخالفت بڑہتی گئی اور منازعت گھٹتی گئی یہانتک کہ ہر مذہب کے لوگ مستند شیوخ کے حلقوں میں شریک ہو کر بحسب لیاقت و قابلیت فن حدیث میں کمال حاصل کرنے لگے۔ اور بعض افراد اُنمیں ایسے سربرآوردہ بھی نکلے کہ شہرہ آفاق ہوئے ایسے لوگوں سے بعد اس کے کہ اُن کا صدق مسلم اور مکرر تجربوں سے ثابت ہوا ہمارے محدثین نے بھی روایت کی ہے اور اُن کو مستند بھی جانتے تھے جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں ترجمہ ابن رمیح میں لکھا ہے کہ ابن معین کا قول ہے کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہوجائیں تو ہم اُن کی حدیث کو نہ چھوڑینگے؛ وجہ یہ ہے کہ صدق ایک علیحدہ مستقل صفت ہے اسکو کسی مذہب سے تعلق نہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض یوروپین اور ہندو ایسے راستگو ہوتے ہیں کہ عموماً اُن کا اعتبار ہوتا ہے اور بعض مسلمان ذی علم ایسے جھوٹے ہوتے ہیں کہ خود اُن کے دوستوں کو اُنکے قول کا

کا اعتبار نہیں ہوتا۔ چونکہ ابن معین رح کو مکرر تجربوں سے عبدالرزاق کے صدق کا یقین ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اُن لوگوں کے جواب میں جو عبدالرزاق پر شیعیت کا الزام لگاتے تھے کہا کہ وہ شیعی تو کیا اگر مرتد بھی ہو جائیں تو جھوٹ نہ کہیں کے آذ ہم اُن کی حدیث نہ چھوڑیں گے۔ غرضکہ اہل بدعت سے جو روایتیں لی گئی ہیں وہ غفلت سے نہیں لی گئیں جس سے بے احتیاطی کا الزام عائد ہو۔ یہ بات مشاہد ہے کہ جن کو اپنی ہوشیاری اور تجربہ کاری پر پورا بھروسہ ہوتا ہے وہ ہر قسم کے لوگوں سے کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ مگر جہاں دھوکے کا اندیشہ ہوتا ہے احتیاط سے زیادہ تر کام لیتے ہیں بہر حال دھوکا نہیں کھاتے۔ اسیطرح نقادان حدیث نے اہل بدعت وغیرہم سے حدیثیں لیں پھر جن میں شرائط صحت پورے پائے اُن کو صحیح کہا اور جن میں نہیں پائے علی حسب مدارج ضعیف منکر موضوع وغیرہ میں داخل کر دیا۔ بہر حال جن پر صحت کا اتفاق ہے وہ یقیناً صحیح ہیں۔

WWW.KAHFSISLAM.COM

مولوی صاحب نے اشاعت حدیث پر جو حکم لگا دیا کہ اُس سے اعتماد اور صحت حدیث کا معیار کم ہوتا گیا۔ اس میں نظر ناظر او روافض سے مدد نہیں لی ورنہ یہ کبھی نہ کہتے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ جس قدر اہل بدعت پھیلتے گئے۔ محدثین احتیاط زیادہ کرتے گئے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ متاخرین نے بہ نسبت متقدمین کے حدیث کی تحقیق زیادہ کی۔ یہاں تک کہ ایک ایک حدیث سو سو طریقوں بلکہ اُس سے بھی زیادہ سے حاصل کی پھر چند

ظاہرا یہ کام فضول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو مقتضائے احتیاط یہی تھا اس کی توضیح اس مثال سے ہوسکتی ہے کہ کسی بیمار کو کسی دوا کی ضرورت ہو اور ایسا مشتبہ شخص اسکو لادے جس کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ اس کا دشمن ہے۔ یا دوست۔ تو وہ اس دوا کو لے تو لیگا مگر اسوقت تک اس کا استعمال نہ کریگا جب تک کئی حکیموں کی زبانی معلوم نہ ہو کہ وہ وہی دوا ہے جو اس کے مرض کے لئے مفید ہے اسیطرح محدثین نے جب دیکھا کہ اشاعت حدیث کرنے والے اہل بدعت بھی بکثرت ہیں اور خلط ملط کی وجہ سے ان کا امتیاز مشکل ہے اس لئے ایک ایک حدیث کو متعدد طریقوں سے حاصل کرتے جس سے اطمینان ہو جاتا۔ کہ حدیث صحیح ہے اب دیکھئے اشاعت حدیث سے اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوا یا زائد۔

قولہ سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا انتہیٰ بات یہ ہے کہ وہ اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا ہر طالب علم کی ہمت ہمہ تن مصروف تھی کہ کمال حاصل کرے جن حضرات کے حافظے قوی تھے وہ اس فکر میں رہتے تھے کہ جس قدر سبق زیادہ حاصل ہو بہتر ہے چنانچہ ابھی معلوم ہوا کہ تحصیل حدیث کے زمانہ میں کھانا پکانا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے لکھنے کے وقت کو بھی تحصیل حدیث ہی میں وہ صرف کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ اگر حدیثوں کو لکھ لیں اور دفتر گم ہو جائے تو کل محنت برباد ہو جائیگی اسلئے وہ ہمیشہ حدیثوں کو ازبر کرنے کی کوشش میں رہتے اور طبیعت کو لکھنے کی عادی ہی نہیں بناتے تھے۔ اسوقت کے محدثین نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے کہ

جب تک لکھنے کا طریقہ نہیں تھا حافظے قوی تھے۔ اور جب سے اس طریقہ کی بنیاد پڑی حافظوں میں ضعف آگیا۔ اور تعجب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا لا تکتبوا عنی یعنی احادیث مت لکھا کرو اُس میں جہاں اور حکمتیں تھیں ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ حدیثیں کل محفوظ رہیں۔ کیونکہ لاتحفظوا عنی تو فرمایا ہی نہیں۔ بلکہ بجائے اس کے فلیبلغ الشاہد الغائب کہکر تاکید فرمادی کہ حدیثیں یاد رکھکر اُن کی اشاعت کرو۔ اس حفظ کی بدولت علاوہ احادیث کے جرح وتعدیل میں جو کچھ اساتذہ سے سنتے تھے ہر وقت اُن کے پیش نظر رہتا تھا جس محدث اور راوی سے کوئی حدیث سنتے تو حافظہ اُس راوی کے حالات اور اُس حدیث سے جو امور متعلق ہیں سب پیش کر دیتا پھر اپنی ذاتی تحقیق علاوہ اسکے ہوتی غرضکہ شدہ شدہ اُن کے حافظے کتبخانے اور وہ حضرات خود ناطق کتابیں ہو گئے تھے۔ جیسا کہ ابن تیمیہ رح نے رفع الملام میں لکھا ہے۔ فکانت دواوینہم صدورہم التی تحوی اضعاف مافی الدواوین وہذا امر لایشک فیہ من علم القضیۃ یعنی قدما کے پاس اگرچہ کتابیں نہ تھیں مگر اُن کے سینوں میں ان کتابوں سے کئی حصے زیادہ حدیثیں جمع تھیں۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ کوئی واقف شخص اس میں شک نہیں کر سکتا۔ انتہی۔ اِس سے بہت بڑا فائدہ ہوا کہ جو روایت وہ کسی سے سنتے فوراً سمجھ جاتے کہ وہ روایت صحیح ہے یا ضعیف وموضوع وغیرہ۔ اس وجہ سے جعلساز اُن کے روبرو اپنی روایتیں پیش کرنے سے خوف کرتے تھے۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اُن حضرات کے حافظہ سے تصحیح احادیث میں جس قدر مدد ملی ممکن نہیں کہ کتابت سے مل سکتی۔

اس سے اتنا ہی ہوتا کہ ہر شبہ کرنے والوں کا منہ بند ہو جاتا جس کو صحت و عدم صحت
سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ کثرت کی وجہ سے حافظوں میں ضعف آجاتا جس کو
روایت لینے کے وقت راوی کے حال کا علم رجال اسناد کی خبر دیکر
کیونکہ سب اساتذہ کن الفاظ سے انہیں حدیث کو روایت کرتے ہیں الحاصل
اسباب حفاظت احادیث صحیحہ میں ایک قوی سبب یہی ہے کہ اوائل میں صرف
حافظہ ہی سے یہ کام متعلق رہا اگرچہ اس جانب اللہ یہ حفاظت ہوئی کہ مقتداؤں میں کسی کو تحریر
کا خیال ہی نہ آیا اور جب ایک مدت دراز کی کوششوں سے صحیح صحیح حدیثیں جمع
ہو گئیں تو انہوں نے لکھنے کی اجازت دی
اب دیکھئے باوجودیکہ حفاظت احادیث صحیحہ جو قوت حافظہ سے ہوئی کتابت کی
نکلی یہ حق گزاری صاحب انکو سب سے زیادہ معتبر جانتے ہیں

قولہ ان اسباب سے روایت کی راہ میں اسقدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات
اور اکاذیب کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔ انتہی
یہ درست ہے اگر اہل فرق باطلہ سے قطع نظر کر کے صرف روافض ہی کی کتابیں
دیکھ لیجائیں تو ایک دفتر بے پایاں پیش نظر ہو جائیگا مگر اس سے ہمارے
محدثین کو کیا تعلق ہر ایک فرقے کے یہاں ان کے مخترعات کا دفتر رکھا ہو ہمارے
یہاں تو وہی حدیثیں محفوظ چلی آرہی ہیں جنکی حفاظت میں ہزارہا محدثین قرناً بعد قرن
مصروف رہے البتہ اہل بدعت کے خلط ملط سے متاخرین کی کتابوں میں
چند موضوع حدیثیں داخل ہو گئیں جنکو محدثین نے چھانٹ کر الگ بھی کر دیا۔
چنانچہ موضوعات کی کتابیں جب وہ لکھی جاتی ہیں اور ذہن میں بہت سی حدیثیں

کہ محققین نے اُن کو موضوعات سے خارج کر دیا۔ اگر تحقیق موضوعات پر کی جائے تو سو دو سو سے زیادہ نہ ہوں گی۔

غرضیکہ موضوعات اور واہیات کا ذخیرہ پایا اہلِ سنت و جماعت کے یہاں تیار ہو جانا غلط محض ہے۔

قولہ امام بخاری نے صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ حدیثوں سے صرف چند کو کسی سو لیں یا اتنی۔

یہ عجیب بات ہے کہ روایت کے [illegible] حدیثیں [illegible] اور تابعین نے نہایت تحقیق سے اُن کو لیا۔ اور تبع تابعین اور ہم قرن ثالث ہی جانتا ہوں سے ایک حاصل ہے حفاظت کرتے رہے اور خود امام بخاری بھی [illegible] کے بیان سے تمام اسلامی دنیا میں تحصیل کی غرض سے ایک مدت دراز تک پھرتے رہے اور [illegible] حدیثیں تو [illegible]

معلوم نہیں کہ مولوی صاحب نے کہاں سے [illegible] امام بخاری نے صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تھا۔ حقیقت یہ ہی ہے امام بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ جامع صحیح میں [illegible] حدیثیں داخل کیں جو صحیح ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو اس خیال سے چھوڑ دیا کہ کتاب بڑی ہو جائے گی۔ اگر اُن کا یہ مقصود ہوتا جو مولوی صاحب نے سمجھا ہے تو اپنے جامع کو لاکھ حدیثوں کا مجموعہ بناتے کیونکہ فتح الباری وغیرہ میں اُن کا قول مصرح نقل کیا ہے کہ لاکھ صحیح حدیثیں مجھ یاد ہیں۔ یہ تو اُن کو یاد تھیں اور اُن کے استاد امام احمد کو سات لاکھ حدیثیں

حدیثیں یاد تھیں جیسا کہ تدریب الراوی وغیرہ میں لکھا ہے۔

تو لیکر سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کر لیں۔

حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع

کریں۔ عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اسکی موضوعات

سے ہیں انتہیٰ۔

ابھی معلوم ہوا کہ جتنی حدیثیں فرق باطلہ کے لوگوں نے وضع کیں وہ انہیں پر ہیں یا کم و بیش ہو گئیں۔ ہمارے محققین نے اُن کو رد کر دیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ حماد جو چودہ ہزار کی تعداد بتلا رہے ہیں اسی سے معلوم ہوتا ہے اُن موضوعات کو علما نے متعین اور ممتاز کر کے گن لیا تھا ایسے موضوعات لاکھوں ہوں تو ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

رہا عبدالکریم کا اقرار کہ چار ہزار حدیثیں اُس کی بنائی ہوئی ہیں سو وہ قابل اعتبار نہیں اسلئے کہ اس خبر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مخرب اور بدخواہ دین ہے ایسے شخص کی خبر خصوصاً اس قسم کی کہ جس سے دین میں رخنہ پڑ جائے ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ یہ تو مفسدوں کی عادت ہے کہ اقسام کی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طور سے دین میں احتمالات پیدا کر دیں کبھی محدثوں کے لباس میں آکر فساد پھیلاتے ہیں۔ کبھی فقہا کے طرفدار ہو کر حدیثوں کو ساقط الاعتبار کرنا چاہتے ہیں کبھی منکر بنکر دونوں کو تباہ کرنے کی فکر کرتے ہیں۔

عبدالکریم نے جب دیکھا کہ محققین کے روبرو موضوع حدیثوں کی قلعی کھل جائیگی اسلئے حدیثیں بنانے کی زحمت کو بیفائدہ خیال کر کے کہدیا کہ چار ہزار حدیثیں

ہیں نے وضع کی ہیں تاکہ کم مایہ اور کم عقل مسلمانوں کے دل میں کچھ نہیں تو شبہ ہی پیدا ہو جائے اور سب دینوں کو دستاویز مل جائے کہ اسلام میں کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ اگر فی الواقع اُس نے حدیثیں بنائی تھیں تو علماء کے روبرو پیش کر دیتا کہ یہ روایتیں جو محدثین کے یہاں دائر و سائر ہیں میری بنائی ہوئی ہیں اور اُس کو محدثین تسلیم بھی کر لیتے تو ایک بات تھی۔ ابھی معلوم ہوا کہ ایک ایک حدیث اُس زمانہ میں سو سو طریقوں سے لیجاتی تھی۔ تو بتائیے کہ ایک غیر متدین شخص کی بنائی ہوئی حدیثوں کو کس نے مانا ہوگا۔ غرضکہ عبد الکریم کی طرف سے کوئی شہادت پیش نہیں ہوئی۔ کہ فی الواقع اُس کی طرف سے دین میں رخنہ پڑ گیا۔ پھر ایسے مخالف شخص کا یہ اقرار کہ میں نے دین میں رخنہ ڈالدیا مسلمانوں کے ضرر پر کیوں کر قابل سماعت ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ درحقیقت مجرد دعوے ہے۔ جو نہ شرعاً قابل قبول ہے نہ قانوناً نہ عرفاً۔

قولہ بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہونچایا۔ کیونکہ ان واضعین کے ثقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہو گئیں۔ اور رواج پا گئیں۔

بعض نیک نیت بزرگوں نے جو فضائل اعمال میں حدیثیں بنائی گو وہ فعل بُرا تھا مگر اُس سے دین میں کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ اِسلئے کہ بہت سے بہت اُس کا اثر ہوا سو یہ ہوا کہ جو سورہ مہینے میں مثلاً ایک بار پڑھا جاتا تھا لوگ اُسکو روز پڑھنے لگے۔ جس کی شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ پھر اُن حضرات نے راز میں کہہ بھی دیا

کہ فلاں فلاں حدیث ہم نے بنائی ہے اس سے اُن احکام شرعیہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ جو حلت و حرمت سے متعلق ہیں اور نہ یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ اسیطرح اور حدیثیں بنائی ہوں گی۔ کیونکہ وہ حضرات اپنی طرف سے احکام ثابت کرنے کو حرام سمجھتے تھے۔

قولہ وضع کے بعد مسامحات۔ غلط فہمیاں۔ بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے۔ اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس سے سامعین کو دہوکا ہوتا تھا۔ اور وہ ان کے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمۂ فن سے صادر ہوئے امام زہری جو امام مالک کے اُستاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے۔ اُن کی نسبت علامہ سخاوی رح لکھتے ہیں وکذا کان الزہری یفسر الحدیث کثیر اور بما اسقط اداۃ التفسیر یعنی اسیطرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اُس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ وکیع کا بھی یہی حال تھا وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں یعنی کہکر بیان کرتے جاتے اور اکثر یعنی کا لفظ چھوڑ دیتے تھے۔ جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت مثالیں ملتی ہیں۔

اہل انصاف پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ احادیث کے ضعیف اور موضوع قرار دینے کی غرض سے جس قدر احتمالات پیدا کئے گئے تھے بفضلہ تعالیٰ سب بے اصل

ثابت ہوئے والحمد للہ علی ذلک۔ اب مسامحات اور غلط فہمیوں کا وجہ ہے جہاں بھی مولوی صاحب نے پرکا کوّا بنا دیا بات اتنی تھی کہ بعض احادیث کے معنی ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتے تھے اسلئے بعض محققین تدریس کے وقت ان کی تفسیر کی اور اسکو لفظ یعنی کہہ کر ممتاز بھی کر دیا۔ اور جہاں قرینہ اس کی تفسیر ہونے پر تھا لفظ یعنی کو کبھی حذف بھی کر دیا۔ جیسا کہ سخاوی کی عبارت مذکورہ میں مصرح ہے۔ وربما اسقط اداۃ التفسیر اس تفسیر کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ بعض طلبہ مضمون حدیث غلط سمجھے تھے جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ کہ حدیث نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذ الروح غرضا کو ایک محدث نے ان یتخذ الروح عرضا روایت کی لوگوں نے مطلب پوچھا تو کہا کہ ہوا لینے کے لئے دریچہ عریض نہ رکھا جائے حالانکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ کسی جاندار کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ ایسے موقع میں روح کی تفسیر میں یعنی الحیوان الذی فیہ الروح اور عرض کی تفسیر میں یعنی الہدف کہا جائے تو سوائے توضیح مطلب کے معنی میں کوئی زیادتی نہ ہوگی خواہ لفظ یعنی مذکور ہو یا محذوف البتہ اہل حدیث کو یہ بھی گوارا نہ تھا۔ اسلئے انہوں نے بیان کر دیا کہ فلاں فلاں محدث کبھی ایسی زیادتی کیا کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ نہیں کہ اس قسم کی تفسیروں سے حدیثوں میں تغیر پیدا ہو گیا کیونکہ اصل حدیث میں اشتباہ ممکن نہیں اسلئے کہ مثلاً وکیع نے لفظ یعنی کو حذف کر دیا تو بھی وکیع اس حدیث کے موجد تو تھے ہی نہیں آخر کسی شیخ سے انہوں نے لی تھی پھر شیخ سے وہی اکیلے راوی نہ تھے۔ اور بھی صدہا محدثین ان کے شاگرد تھے جنہوں نے وہ روایت ان سے کی علی ہذا القیاس ہر درجہ کے شیخ

سے وہ روایت راویوں میں محفوظ چلی آئی جس سے محدثین کو صاف معلوم ہو گیا کہ وہ زیادتی صرف وکیع کی روایت میں ہے۔

فتح المغیث میں لکھا ہے کہ حدیث بدء الوحی میں التحنث کا لفظ وارد ہے زہری کی روایت میں التحنث التعبد ہے چونکہ تحنث کے معنی تعبد ہیں اس قرینہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بطور تفسیر یہ لفظ بڑھایا گیا ہے اس قسم کی زیادتی سے ظاہر ہے کہ معنی میں کوئی تغیر نہیں ہوا چونکہ یہ حضرات اکابر دین ہیں۔ جن کی جلالت شان پر تمام محدث متفق ہیں۔ اسلئے ممکن نہیں کہ کوئی زیادتی انہوں نے ایسی کی ہو کہ جس سے معنی میں تغیر واقع ہو اگر کبھی زیادتی ہوتی تو محدثین اس کی تصریح ضرور کر دیتے۔

مولوی صاحب کو اکا دکا لفظ جو کہیں مل گیا اس پر انہوں نے طوفان برپا کر دیا کہ ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے۔ بھلا دس بیس قول تو ان اکابر دین کے ایسے پیش کریں جن سے معنی حدیث میں تغیر واقع ہوا ہو۔ اور وہ حدیث میں شامل ہو گئے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ وہ پیش نہیں کر سکتے۔ الحاصل اول تو غیر ممتاز زیادتیاں مستند محدثین نے نہیں کیں اور اگر بادی النظر میں غیر ممتاز ہیں تو محققین نے دوسری روایتوں سے تحقیق کر کے ایک ایک لفظ کو ممتاز کر دیا۔ کہ حدیث میں داخل نہیں۔ بطور تفسیر بڑھا ہوا ہے۔

قولہ بڑی آفت تدلیس کی تھی جس کا ارتکاب بڑے بڑے آئمہ فن کرتے تھے اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا ان کے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں جن کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے

﴿اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے﴾

(۵) وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ○ (بارکین علی الرکب میتین) اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ج اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ○ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ○

سورۃ اعراف (90)،(91)،(92)،(93) جلالین جلد ۱

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کافروں کے سرداروں نے اپنی قوم سے کہا، اگر تم نے شعیب (علیہ السلام) کی اتباع کی تو یقیناً تم بڑے گھاٹے میں ہوگے (سخت نقصان اٹھاؤگے) (انکی ان گستاخیوں کیوجہ سے) انہیں ایک زلزلے نے آگھیرا، سو صبح تڑکے اپنے گھروں میں (مرکر) اوندھے پڑے ہوئے تھے، جن لوگوں نے (حضرت) شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا (انہیں ایسا نیست ونابود کردیا گیا) جیسے وہ (اس دنیا) میں تھے ہی نہیں، جن لوگوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں (حضرت) شعیب (علیہ السلام) نے ان سے منہ پھیر کر کہا، اے میری قوم میں نے تمہیں اللہ کے (تمام) پیغامات (احکامات) پہنچائے، اور تمہیں نصیحت کی (ہرطرح تمہاری بھلائی خیرخواہی چاہی مگر تم ایمان نہ لائے، اب جب اللہ جل جلالہ نے تمہیں تباہ وبرباد کردیا) سو میں منکروں پر (جنکا یہ حال ہوا) کیا افسوس کروں-------

☆--میرے عزیز مسلمان بھائیو۔دیکھا آپ نے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے انکے مرنے کے بعد کلام فرمایا۔میرا کہنا یہ ہے، کہ اگر مردے مرنے کے بعد نہ سنتے ہوتے تو حضرت شعیب علیہ السلام ان مردوں سے کیونکر تکلم فرماتے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

﴿اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے﴾

(۶) اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۔ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ قف اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ سورۃ مؤمن آیت ۴۶۔

(فرعون اور انکی قوم کو جب اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل میں غرق کردیا) تو ارشاد فرمایا۔ان پر صبح وشام عذاب پیش کیا جاتا ہے۔اور جس دن قیامت قائم ہو-------

☆۔عزیزان ملت۔اس آیت مبارک میں (ویوم) معطوف ہے اسکا عطف ہے (النار یعرضون) پر (النار یعرضون) معطوف علیہ ہے اور یہ قاعدہ نحویہ ہے، کہ معطوف اور معطوف علیہ میں

اور اُس کے بعد لکھے ہیں (کہ امام ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو جو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا ہے. اصلی وسعت پر قائم رکھا) انتہیٰ۔

یہ بات بالکل غلط ہے کہ امام صاحب کا یہ قول ہے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کے کہدینے سے آدمی قطعی جنتی ہو جاتا ہے۔ اگر یہی بات ہو تو یہ ماننا پڑیگا کہ امام صاحب معاذ اللہ قرآن کی مخالفت کرتے تھے. کیونکہ قرآن شریف میں ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کچھ شک نہیں کہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہونگے انتہیٰ۔ حالانکہ منافق لا الٰہ الا اللہ بلکہ محمد رسول اللہ بھی کہتے اور نماز روزہ بلکہ جہاد وغیرہ میں شریک رہتے تھے اور قرآن شریف میں ہے. ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا اور جو مسلمان کو عمدا مارڈالے تو اُس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا۔ اس میں یہ ارشاد نہیں کہ قاتل کافر ہو تو اُس کی یہ سزا ہوگی۔ اور لا الٰہ الا اللہ کہنے والا جنت میں چلا جائیگا۔ اور قرآن شریف میں ہے. ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلہم عذاب جہنم ولہم عذاب الحریق. یعنی جو دین سے بچلانے لگے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو اُن کو عذاب ہے دوزخ کا اور اُنکو عذاب ہے آگ لگنے کا۔

ان کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ آدمی گناہوں کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہوتا ہی خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر. خود مولوی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ امام صاحب قرآن کے مقابلہ میں حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں

تو اب بتائیے کہ اتنی آیتوں کے مقابلہ میں ایک حدیث پر انہوں نے کیونکر عمل کیا ہوگا۔

بہرحال حدیث من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کے قرینہ سے ۷۳ مذہب والی حدیث کو موضوع قرار دینا باطل ہے۔ اسلئے کہ قرآن شریف میں جو عقائد بیان کئے گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصریح کردی جنکو صحابہ نے سنکر یاد رکھا اور انہی اعتقادوں پر عمر بھر رہے ایسے اعتقادوں کو خلاف عقل کہہ کر کوئی شخص نہ مانے اور اقوال صحابہ اور احادیث کو موضوع قرار دے اور قرآن کے معنی کو بگاڑ کر اپنی مرضی کے مطابق بنالے تو اُسکے گنہگار اور خطاکار ہونے میں کیا تامل کیونکہ نہ اُس نے خدا کی بات مانی نہ رسول کی نہ مسلمانوں کا طریقہ اختیار کیا۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔ جو شخص راہ راست ظاہر ہوئے پیچھے پیغمبر کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے رستے کے سوا دوسرے رستے ہولیوے تو جو رستہ اُس نے اختیار کرلیا ہے ہم اُسکو اُسی رستے چلائے جائینگے اور آخر کار اُسکو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت بُری جگہ ہے انتہیٰ۔

اور گنہگار اور خطاکار کا دوزخی ہونا اس آیت سے ثابت ہے قولہ تعالیٰ۔ بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون۔ یعنی کیوں نہیں جسنے کمایا گناہ اور گھیر لیا اُسکو اُسکے گناہ نے سو وہی ہیں لوگ دوزخی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔

غرضکہ جتنے اسلام میں فرق باطلہ ہیں جو کا مخالف قرآن وحدیث وطریقۂ صحابہ ہونا

بلکہ یہ جانی کا وقت نہیں رہا قرآن سے ثابت ہے اور یہی بات اُس حدیث
شریف سے بھی ثابت ہے، رہا یہ کہ تہتر فرقوں کی تعیین حدیث میں ہے سو جب
اس پیشین گوئی کے مطابق فرقوں کی کثرت شاہد ہے تو اس سے یہ معلوم ہو سکتا
ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے فرقوں پر حق تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا
تھا اور وہ کل تہتر تھے۔ اور چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تفصیل نہیں
بتائی۔ اسلئے علما کی تعیین میں فرق آ جاتا ہے تو حدیث سے اُسکو تعلق نہیں۔

ہر اہل علم اس بات کو جانتا ہے کہ قرآن و حدیث میں اکثر مقامات ایسے ہیں کہ ہر شخص
اُن کو کما حقہ سمجھ نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے فقہا کی ضرورت ہوئی جن میں عمر بھر کی محنت
اور جانفشانی کے بعد توضیح مشکلات اور رفع اختلافات کی صلاحیت پیدا ہوئی
اب اگر کوئی ایسی کم سمجھ اس سے کہ کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے اور اختلافات میں
توفیق نہ دے سکے، اور اُسکو موضوع قرار دیدے تو اُس کا قول قابل التفات
نہیں ہو سکتا۔

قولہ - تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں اور روایت بالمعنی سے
اصل روایت کا اصل حالت پر قائم رکھنا قریباً ناممکن ہے۔

صحابہ کی حالت تمام مسلمان جانتے ہیں کہ دین میں وہ کیسے محتاط تھے جس قسم کی
احتیاطیں خدا و رسول نے اُن کو سکھلائی تھیں اُسی مطابق اُن کا عمل تھا بعض صحابہ
کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا انہوں نے اس
درجہ کا استغنا کیا کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا گر جاتا تو خود اتر کر لیتے اور کسی
سے نہ کہتے۔

---

(١) ... حضرت نے فرمایا دع ما یریبک الی ما لا یریبک یعنی

جس بات میں شک ہو اُس کو چھوڑ دو اور اُس بات کو اختیار کرو جس میں کوئی شک
نہ ہو۔ یہی پر ان حضرات کا عمل رہا۔ اب غور کیا جائے کہ اگر روایت بالمعنی جائز نہ ہوتی تو ایسے
محتاط حضرات جنہوں نے اپنی جانوں کو دین کے کاموں میں وقف کر دیا تھا
کیونکر جائز رکھتے۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بات فرماتے اول
تو وہ عام فہم ہوتی کیسا ہی غبی جنگلی آدمی ہوتا سمجھ جاتا۔ پھر عادت شریفہ یہ تھی کہ جو
ضروری بات ہوتی اُس کو مکرر تین تین بار فرماتے تاکہ اُس کا مطلب بخوبی ذہن نشین ہو
جیسا کہ کتب سے ظاہر ہے۔ پھر صحابہ [illegible]
دیں یا لئے موافق عرف و عادت کے اُس مضمون کو جو بجا ادا کر سکتے تھے کیونکہ
ہر ملک و قوم کے لوگ جانتے ہیں کہ کوئی پیام کسی کو کہلایا جاتا ہے تو ہر شخص یہی سمجھتا
ہے کہ مضمون پہنچانے کی ضرورت ہے۔ نہ کہلانے والے کا یہ مقصود ہوتا ہے کہ
بعینہٖ سب الفاظ پیام نقل کئے جائیں نہ پیام پہنچانے والا اس کا خیال کرتا ہے۔
ہاں کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ الفاظ بعینہٖ نقل کئے جائیں مگر اُس وقت تصریح کر دی جاتی
ہے کہ میرے کہے ہوئے الفاظ اُس کو سنا دیا جائے۔ غرض کہ صحابہ اپنے عرف کے
موافق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو نقل کیا کرتے تھے۔ اگر اس عرف کے
خلاف حضرت کا مقصود ہوتا تو قطعاً لفظاً کلام مبارک کو نقل کرنے کی تاکید فرماتے
حالانکہ اس قسم کا تشدد کسی روایت میں دیکھا نہیں گیا بلکہ بعض روایات میں تصریح وارد ہے
کہ روایت بالمعنی کا مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ کنز العمال میں ہے عن یعقوب بن عبد اللہ
بن سلیمان بن اکیمۃ اللیثی عن ابیہ عن جدہ قال اتینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقلت بابینا انت وامنا یا رسول اللہ انا نسمع منک الحدیث ولا نقدر علی ان نؤدیہ کما

سمعنا منک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا لم تحلوا حراما ولا تحرموا حلالا واصبتم المعنی
فلا بأس۔ یعنی سلیمان ابن اکیمہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر
فدا ہوں یا رسول اللہ ہم آپ سے کوئی حدیث سنتے ہیں تو ہم سے نہیں ہو سکتا۔
کہ جس طرح سنتے ہیں بلا کم و کاست روایت کر دیں فرمایا جب حلال کو حرام اور حرام
کو حلال نہ کرو اور معنی برابر بیان کر دو تو کوئی مضائقہ نہیں اور دوسری روایت
بھی کنز العمال میں طبرانی اور ابن مردویہ سے نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے
کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی میری طرف سے کوئی جھوٹ
روایت کرے تو وہ دوزخی ہے۔ اس پر صحابہ نے پوچھا کہ بعض حدیثوں کے
بیان کرنے میں کمی و زیادتی ہو جاتی ہے۔ کیا اس پر بھی عذاب ہوگا۔ فرمایا میرا مقصود
یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ ایسی بات میری طرف سے بیان نہ کی جائے جس سے اسلام پر
عیب لگایا جائے۔

غرضکہ روایت بالمعنی میں اقسام کے احتمالات پیدا کر کے حدیثوں کو ساقط الاعتبار
کرنا خلاف حدیث و طریقہ صحابہ ہے۔ ہاں تابعین کے بعد جب اہل مذاہب باطلہ
اور خود غرض روایت بالمعنی کے ضمن میں اپنی اغراض پورے کرنے لگے اس وقت
امام صاحب نے روایت بالمعنی میں کلام کیا جیسا کہ سیرۃ النعمان میں مولوی شمس العلماء
صاحب نے لکھا ہے۔ (لیکن امام ابو حنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین
تک محدود کر دیا اور اور لوگوں کے لئے روایت باللفظ کی قید لگائی)

مودودی صاحب نے احادیث کو ساقط الاعتبار کرنے کی اور بھی تدبیریں بتائی ہیں
جن کا حاصل یہ ہے کہ پہلے تو یہ یقین نہیں کہ رواۃ اسناد فی الواقع ثقہ ضابط [illegible]

یا نہیں اور اگر یہ بھی ہو تو روایت متصل ہے یا نہیں خصوصاً معنعن میں تو ثبوت اتصال بہت ہی مشکل ہے اور اگر اتصال ثابت بھی ہو تو صحابہ کے کل اقوال حدیث مرفوع ہونے پر دلالت نہیں کرتے مثلاً اس قسم کے الفاظ اگر یہ امر سنت ہے اُن کی مرفوعیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر مرفوع ہونا بھی ثابت ہو گیا تو خبر احاد سے یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔

عقلا کی عادت ہے کہ جب کسی کو اتنا یا کوئی کام کرنا منظور نہیں ہوتا تو اقسام کے احتمالات پیش کر دیتے ہیں چنانچہ یہ حکایت مشہور ہے کہ ایک رات کسی صاحب کا عزیز بیمار ہوا انہوں نے اپنے ملازم سے حکیم کے یہاں جانے کو کہا چونکہ تھا وہ بڑا ہوشیار لگا باتیں بنانے کہ حضرت رات بہت ہو گئی ہے معلوم نہیں حکیم صاحب میرے لیے دروازہ کھولتے ہیں یا نہیں۔ اور اگر کھولا بھی تو معلوم نہیں دوا تیار ہے یا نہیں۔ اور اگر تیار بھی ہو تو دیتے ہیں یا نہیں۔ اور اگر دے بھی تو معلوم نہیں کہ مفید ہو گی یا نہیں۔ اسلئے بہتر یہی ہے کہ یہ تجویز موقوف رکھی جائے۔ مگر اس قسم کی باتیں اجنبیت اور بے تعلقی میں سوجھتی ہیں اگر وہ خود ملازم یا اُس کا کوئی عزیز بیمار ہوتا تو اُس وقت بجائے اسکے کہ احتمالات پیدا کرے ادنیٰ احتمال پر توجہ کرتا دیکھئے جب کسی کے سر یا اور کسی عضو میں شدت سے درد ہو تو وہ ہر کسی سے دوا پوچھتا ہے۔ پھر اگر کوئی دوا کسی نے بتلا دی تو اُس کا نہایت ممنون ہو کر اُس دوا کا استعمال کرتا ہے اور نہ یہ پوچھتا ہے کہ بھائی تمہارے پاس طبابت کی کوئی سند بھی ہے یا نہیں اور نہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دوا مفید ہو گی یا مضر۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ شاہی حکم کسی کی طلبی کا آ جائے تو اُس کی تعمیل کس قدر

ضروری سمجھی جاتی ہے اور یہ نہیں پوچھا جاتا کہ حکم نامہ لانے والا چپراسی سرکاری آدمی ہے یا کوئی دغاباز ہے جو کسی خاص غرض سے یہ کام کیا ہے اسلئے کم از کم دو گواہوں سے اُس کا سرکاری آدمی ہونا ثابت کیا جائے اور نہ یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس کا کیا ثبوت کہ وہ حکمنامہ خاص ہمارے نام سے ہے ممکن ہے کہ کسی دوسرے شخص کے نام سے ہو کیونکہ ایک نام کے کئی آدمی ہوتے ہیں اور نہ یہ پوچھا جاتا ہے کہ دستخط اور مہر جعلی ہے یا اصلی کیونکہ جعلساز جعلی سکتے تک بنایا کرتے ہیں غرضکہ اُس حکمنامہ کی تعمیل کئے بغیر چارہ نہیں۔ صرف قرائن سے جو ظن غالب ہوجاتا ہے اُس کی تعمیل پر مجبور کرتا ہے اگر بات بات میں علم قطعی کی ضرورت سمجھی جائے تو دنیا کے بہت سے کاروبار ملتوی اور درہم وبرہم ہوجائینگے۔ یہ امر مشاہد ہے کہ لاکھوں روپیوں کے معاملے تار کے ذریعہ طے ہوتے ہیں حالانکہ تار کی خبر قطعی نہیں ہوسکتی ممکن ہے کہ کوئی دوسرے شخص نے تار دیدیا ہو مگر قرائن سے جب ظن غالب ہوجاتا ہے تو اُسپر عمل کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا اسی طرح دین میں بھی ظن غالب قابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ دو شخصوں کی گواہی سے حقوق ثابت ہوجاتے ہیں حتی کہ قصاص کا حکم صرف دو گواہوں سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ عقلاً اور شرعاً آدمی کی جان قابل حفاظت ہے اب غور کیجیے کہ وہ حضرات جن پر اسلام کی اشاعت اور ابقا کا مدار سمجھا جائے تو یہ توقع نہ ہوگا۔ ہر زمانہ میں ہزارہا تھے جنھوں نے اپنے سب کاروبار دنیوی چھوڑ کر صرف اس بات میں کوشش کی کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ملعت نہ ہونے پائیں کیا ایسے ضعیف احتمالوں سے اُن کی جانفشانیاں بیکار ہوجائینگی

کیا ان ہزارہا مستند اماموں اہل اسلام کی متواتر خبروں سے ظن غالب بھی نہ ہوگا کہ یہ احادیث جن کی خبر ہر قرن کے علما نے دی ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہیں۔

غرضکہ جس مسلمان کے دل میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور اُن کے کلام مقدس کی وقعت ہوگی۔ اُس کا یہ خیال ہوگا کہ بجائے اِسکے کہ معتبر حدیثوں میں احتمال پیدا کرے ضعیف حدیثوں پر عمل کرے کیونکہ اپنی سعادت اور نجات سمجھیگا ان احادیث ستارہ اور ضعیفہ وغیرہ میں اُسکو ظن غالب حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی سو اگر وہ مجتہد ہو تو قرائن وغیرہ سے مدد لیکر اجتہاد کریگا ورنہ کسی مستند مجتہد کی تقلید کرکے اِس ظن غالب پر عمل کرے گا۔ کہ مجتہد نے جو تمام آیات واحادیث پر غور کرکے اجتہاد سے حکم دیا ہے وہ موافق قرآن وحدیث ہے۔

یہ تسنی بحث تھی کلام اس میں تھا کہ محدثین رحمہم اللہ نے بڑی بڑی جانفشانیوں سے احادیث نبویہ کی حفاظت کی سو آپ نے دیکھ لیا کہ اُن کی اولوالعزمیاں اور عالی اور جانبازیاں کس قسم کی تھیں۔ تعصب کو دُور کرکے ان حضرات کے کارناموں کے ساتھ دوسرے تمام ادیان اور اسلامی فرقوں کے کارناموں کا مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ اپنے نبی کے کلام پاک کی حفاظت کا افتخار جو اہل سُنّت وجماعت کو حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں دراصل یہ صرف تائید آسمانی ہے کہ حق تعالیٰ نے بمصداق واللہ یختص برحمتہ من یشاء ایک جماعت کو اس کام کے لئے خاص فرماکر ہر طرح سے اُن کی مدد کی ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور اپنے سچے دین کو قیامت تک محفوظ کر دیا۔

اور یہ شک نہیں کہ دوسرے ادیان حقہ میں بھی دیندار لوگ تھے مگر ان سے
حفاظت دین نہ ہو سکی۔ اور اپنے خالص دین کو کھو بیٹھے۔ اس کی تصدیق میں ہم
چند امور پیش کرتے ہیں۔ جن سے اہل اسلام و اہل ادیان سابقہ کا موازنہ ہو جائیگا
اور اہل انصاف سمجھ جائینگے کہ قسام ازل نے دین کی حفاظت مسلمانوں ہی
کی قسمت میں رکھی تھی۔

دیکھئے موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے صحابہ کو عمالقہ کے ساتھ جہاد کرنے
کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہدیا کہ حضرت وہ ایک زبردست قوم ہے ہم اُن
سے لڑ نہیں سکتے اس کام کے لئے آپ اور آپ کا خدا تشریف لیجائیں۔
ہم یہاں ٹھہرے رہتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں ہے قالوا یا موسیٰ
انا لن ندخلہا ابدا ما داموا فیہا فاذہب انت وربک فقاتلا انا ہٰہنا قاعدون۔ یہ بنی
اسرائیل کا حال ہے جن پر موسیٰ علیہ السلام نے یہ احسان کیا تھا کہ فرعون کی غلامی
سے ان کو آزاد کرا دیا۔ اور طرفہ یہ کہ تفسیر ابن جریر میں لکھا ہے کہ وہ لوگ چھ لاکھ
مقاتل یعنی سپاہی تھے۔ اب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا حال
سنئے کہ ہنوز کسی قسم کی دنیوی ترقی انہوں نے نہیں دیکھی اور بے سامانی کی یہ
حالت کہ جنگ بدر میں صرف تین سو تیرہ شخص تھے جن میں صرف دو تین گھوڑے
اور ستر اونٹ اور کل لشکر میں آٹھ تلواریں اور چھ زرہ تھے۔ اور مقابل ایک
جمع کثیر وہ تمام قبیلہ قریش کا تھا جس کی دھاک ملک عرب پر بیٹھی ہوئی تھی ایک ہزار
لشکر جرار زرہ پوش مسلح لیکر معرکہ جنگ میں آن پہونچے تھے۔ ایسی حالت
میں حضرت نے صرف ان سے رائے لی انہوں نے مرضی مبارک پاکر

بالاتفاق کہدیا کہ حضرت ہمیں آپ بنی اسرائیل تصور نہ فرمائیں جنہوں نے اُس وقت
دریغ کیا تھا۔ ہم ہر طرح سے رفاقت پر آمادہ اور جاں نثاری کے لئے مستعد
ہیں چنانچہ اس سچی عقیدت اور جان نثاری کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف اُن کافروں کو ہزیمت
ہوئی بلکہ تمامی ملک عرب پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔ پھر یہ جانبازیاں حضرت ہی
کے زمانہ تک محدود نہیں تھیں بلکہ خلفاء کے زمانہ میں بھی دین کے لئے وہ جانبازیاں
کیں کہ جن کی نظیر ملنی دشوار ہے۔

اب عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے کہ انہی میں وہ شخص بھی تھا
جس نے آپ کو گرفتار کروا دیا جیسا کہ انجیل متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا میں ہے
کہ یہوداہ عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں تھا وہ سپاہیوں اور سرداروں کو لیکر
وہاں آیا جہاں عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے تھے اور کہدیا کہ جس کو میں
چوموں وہی عیسیٰ ہے تم اُسے گرفتار کرلو اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہا اے
ربی سلام اور یہ کہکر چوم لیا۔ یہ دیکھتے ہی سپاہیوں نے فوراً آپ کو گرفتار کر لیا جیسے
یہوداہ جو اعلیٰ درجے کے مقرب صحابی تھے اور شاید معصوم اشقاوی سے
ربی کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ اور سلام بلکہ قدم بوسی بھی ہو رہی ہے اُن کی حالت
یہ تھی۔ برخلاف اسکے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس رات مکہ معظمہ سے
ہجرت فرمائی کفار مکہ نے حضرت کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا تھا ایسی پُرخطر
حالت میں آپ نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم میری جگہ سو رہو اور آپ
روانہ ہو گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُسوقت یہ بھی خیال نہ کیا کہ کافروں کے
محاصرہ میں رات کیسی گزرے گی۔ اور بیفکری سے حضرت کے بستر مبارک پر

اہرام کیا اور اس قسم کے صدہا واقعات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔
موسیٰ علیہ السلام کی امت بارہا مرتد ہوگئی چنانچہ ابن حزم رح نے ملل میں لکھا ہے
کہ موسیٰ علیہ السلام کے وفات کے بعد ساٹھ سال ہی کے اندر کل بنی اسرائیل،
مرتد ہوکر علانیہ بت پرستی کرنے لگے اور آٹھ سال تک بت پرستی جاری رہی پھر
عسال کے زمانہ میں چالیس سال تک ایمان پر رہے اسکے بعد پھر مرتد ہوکر اٹھارہ
سال بت پرستی کرتے رہے غرضکہ داود علیہ السلام کے زمانہ تک پوری قوم سات بار
مرتد ہوئی اسی طرح ہر زمانہ میں کسی بادشاہ کے دباؤ سے ایمان لاتی پھر مرتد بھی ہوجاتی
جس کی تفصیل ابن حزم رح نے لکھی ہے اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کوئی زمانہ ایسا آیا تھا بلکہ بفضلہ تعالیٰ ہر زمانہ میں امت
کی زیادتی اور ترقی ہی ہوتی رہی۔
اب عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور امت کا بھی حال سن لیجئے۔ آپ کے رفع
کے وقت کل آپکے اصحاب ایک سو بیس تھے جیسا کہ ابن حزم رح وغیرہ نے
لکھا ہے مگر ان کی سعی سے چند روز میں سات سو کی تعداد ہوگئی تھی۔ لیکن پولس
جو یہودیوں کا بادشاہ تھا اس نے ان کو گمراہ کرنے کی غرض سے ترک دنیا کرکے
ان میں جا ملا اور ان کا مستمد علیہ بنکر اپنے الہاموں کے ذریعہ سے انکو ان کے
قبلہ سے منحرف کیا اور تمام حرام چیزوں کو حلال کردیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان
کے اعتقاد میں خدا بنا دیا اور سوائے ایک شخص کے جو اپنے چند رفقا کے
ساتھ علیحدہ ہوگیا سب نے اس کی پیروی کرکے آسمانی خالص دین کو خیر باد کہدیا۔
یہ واقعہ ہم نے افادۃ الافہام میں بالتفصیل لکھا ہے۔ الجواب الفسیح میں لکھا ہے

کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے چار ہی سال میں یہاں تک نوبت پہونچ گئی
اب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا حال سُنئے کہ وفات شریف کے وقت
ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ تھے جیسا کہ امام نووی رح نے لکھا ہے اور روز افزوں
ترقیوں سے خالص دین کو ان حضرات نے شرق سے غرب تک پہونچا دیا۔
مسیلمہ کذاب نے شرکت فی النبوۃ کا دعوے کرکے تدابیر سے کس قدر ترقی کی
مگر چند ہی روز میں وہ مع اعوان و رفقا ایسا نیست و نابود کردیا گیا کہ اس کا نام لیوا
کوئی نہ رہا۔ شرک کا تو کیا ذکر صحابہ کو بدعت سے اس قدر احتراز تھا کہ گو بدعت
حسنہ اور عمدہ ایجاد کی اجازت حضرت نے دی تھی مگر اس خیال سے کہ آخر
وہ بھی بدعت ہے ضروری امور میں بھی ذرا غور و تامل سے کام لیا جاتا تھا
چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کی جب درخواست کی تو صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ دیر تک یہی فرماتے رہے کہ یہ کام حضرت کے زمانہ میں نہیں ہوا
تو اب کیونکر کیا جائے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جب بدعت حسنہ میں یہ اجتناب
ہو تو بدعت سیۂ سے انہیں کس قدر احتراز ہوگا۔
کتاب آسمانی کی حفاظت نہ یہود کرسکے نہ نصاریٰ کیونکہ یہود ابتدا سے بت پرستی
پر فریفتہ و شیدا تھے۔ چنانچہ خود موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ہمیں
بھی ایک بت بنا دیجے کما قال تعالیٰ وقالوا یا موسیٰ اجعل لنا الٰہا کما لہم آلہۃ
اور خود ہرون علیہ السلام کے روبرو بالاعلان گوسالہ پرستی کی جیسا کہ قرآن شریف
سے ظاہر ہے جب انبیا کے زمانہ میں ان کا یہ حال تھا تو بعد کی کیا حالت
ہوگی اسی وجہ سے جب موقع پاتے سب کے سب مرتد ہو کر بت پرستی کرنے

[illegible]

سے لگے اب بتلائے کہ ایسی طبیعت والوں سے اُس مقدس آسمانی کتاب کی حفاظت کیونکر ہو سکے جو بُت پرستی کی دشمن ہو۔ آخر یہ ہوا کہ ایک نسخہ توراۃ کا جو کاہن اردنی کے پاس تھا اُس کو بھی لیکر جلا دیا جیسا کہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ توراۃ کے کل ایک سو دس ورق تھے اُنکی بھی حفاظت اُن سے نہ ہو سکی۔ اور انجیل کی نسبت لکھا ہے کہ خود نصاریٰ معترف ہیں کہ یہ چار انجیلیں جو متی مرقس لوقا۔ یوحنا کی مشہور ہیں یہ انہیں لوگوں کی تصنیفیں ہیں جن میں تاریخی حالات جمع کیے ہیں۔ چونکہ انہی اناجیل اربعہ پر اُنکے دین کا مدار ہے اس سے ظاہر ہے کہ انجیل آسمانی کو انہوں نے کھو دیا۔ اب قرآن شریف کی حفاظت کا حال دیکھیے کہ اس چودھویں صدی میں بھی اُس کا زیر و زبر تک کوئی غلط نہیں پڑھ سکتا۔

غرضکہ ان امور کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین موسوی اور عیسوی وغیرہ چونکہ منسوخ ہونے والے تھے اسلئے غیب سے سامان ہی ایسا ہوا کہ اقسام کی خرابیاں اور بدنمائیاں اُنمیں پیدا ہو گئیں یہاں تک تو ہوا کہ یہود نے عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنا لیا اور نصاریٰ نے عیسیٰؑ کو جسکی وجہ سے ایک ناسخ دین کی ضرورت ہوئی جو خالص توحید ثابت کرے اور چونکہ یہ ناسخ دین محمدی قیامت تک رہنے والا تھا اسلئے اس میں قدرتی اہتمام اور انتظام کی ضرورت تھی اسی وجہ سے ایسے لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بنائے گئے۔ جو تمام عالم میں منتخب اور برگزیدہ تھے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اختار اصحابی علی جمیع العالمین۔ اور فرماتے ہیں ان اللہ اختارنی واختار اصحابی کذا فی کنز العمال اور اُمت بھی ایسی بنائی گئی کہ یہ نسبت دوسری اُمتوں کے

اس اُمت مرحومہ کا یقین بڑھا ہوا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اعطیت امۃ من الیقین افضل مما اعطیت امتی رواہ ابو نعیم فی الحلیہ کذا فی کنوز الحقایق۔ اُن کے بعد ہر زمانہ میں ایسے متدین علما پیدا کئے کہ انبیا کی طرح انہوں نے دین کی حفاظت کی کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ غرض اہل انصاف کو ضرور ماننا پڑے گا کہ محدثین رضی اللہ عنہم وشکر سعیہم نے اپنی جان پر کھیل کر اس دین کی حفاظت کی۔ اور خالص دین کو ایسا محفوظ کر دیا کہ قیامت تک اُسمیں باطل کی آمیزش نہ ہو سکی یہی وجہ ہے کہ باطل فرقوں کے لوگ محدثین اور فن حدیث کے دشمن ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اقسام کے احتمال پیدا کر کے مسلمانوں کی نظروں میں حدیث کو بے وقعت کر دیں مگر یاد رہے کہ یہ بات ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل خلاف مرضی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے۔ عن ابی رافع قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکیا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی کذا فی المشکوٰۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اُمتیوں سے کسی کو میں ایسی حالت پر نہ پاؤں کہ اُسکو حدیث پہونچے جس میں میں نے کسی کام کے کرنے کا حکم کیا ہے۔ یا کسی چیز سے منع کیا ہے اور وہ کوچ پر تکیہ لگائے ہوئے کہے کہ یہ کچھ میں نہیں جانتا جو کچھ قرآن میں ہم پاتے ہیں۔ اُس کی اتباع کرتے ہیں" اور ایک روایت یہ ہے۔ عن المقداد ابن معدیکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ

سعہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم لہذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ

وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الحدیث رواہ ابو داؤد

والدارمی وابن ماجہ کذا فی المشکوۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے اللہ نے

قرآن دیا اور اُسی کے برابر اُس کے ساتھ دیا آگاہ رہو کہ قریب ہے کہ ایک شخص

پیٹ بھرا ہوا کوچ پر ٹیکا لگائے ہوئے کہیگا کہ اس قرآن کو تم لازم پکڑو جو چیز

اُس میں حلال ہے اسکو حلال سمجھو اور جو چیز حرام ہے اُسکو حرام سمجھو حالانکہ جو اللہ کے

رسول نے حرام کیا وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کیا انتہیٰ۔ اور ایک

روایت یہ ہے۔ عن العرباض بن ساریۃ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال

ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئاً الا ما فی القرآن الا انی واللہ

امرت ووعظت ونہیت عن اشیاء انہا کمثل القرآن او اکثر رواہ ابو داؤد وکذا

فی المشکوۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بعضے لوگ اپنی کوچ پر تکیہ لگائے

ہوئے گمان کرتے ہیں کہ اللہ نے صرف اُنہی چیزوں کو حرام کیا جو قرآن میں

ہیں۔ آگاہ رہو خدا کی قسم میں نے حکم بھی کیا ہے نصیحتیں بھی کی ہیں اور بہت سی

چیزوں سے منع بھی کیا ہے یہ امور قرآن کے برابر یا اُس سے بھی زیادہ ہیں

انتہیٰ۔ غرضکہ متعدد حدیثوں سے یہ پیشین گوئی ثابت ہے کہ بعض مرفہ الحال

کوچوں پر بیٹھے ہوئے یہ کہیں گے کہ حدیث کو ماننے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں

صرف قرآن ہمیں کافی ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق بھی ہو گئی اب مسلمانوں کو

چاہیئے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے قول کو رد کر دیا اسی طرح

یہ بھی رد کر دیں اور یہ خیال کیا کریں کہ مرفہ الحال لوگ اس قسم کی باتیں کریں تو

اُن کو زیبا اور سزاوار ہے اِسلیے کہ آخر سعادت کا ایک حصہ اُن کو دنیا میں مل چکا ہے اگر غربا بھی اُن کی سی کہنے لگیں تو خسر الدنیا والآخرۃ کا مضمون اُنپر صادق آجاے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی کی کہ بعض لوگ کوچوں پر بیٹھے ہوے کہینگے کہ ہم حدیث کو نہیں جانتے قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور فرمایا از زیادہ اوامر نواہی وغیرہ مجھے دیئے گئے ہیں جس سے مقصود حضرت کا ظاہر ہے کہ جس طرح قرآن مانا جاتا ہے احادیث کے ماننے کی بھی ضرورت ہے۔ اِس سے یہ پیشین گوئی بھی ثابت ہوگئی کہ قیامت تک مسلمانوں کو صحیح حدیثیں پہونچتی رہیں گی جنکے ماننے کی اُن کو ضرورت ہے۔ خداے تعالے نے یہ پیشین گوئیاں پوری کیں کہ ایسے محدثین پیدا کئے جنہوں نے جان دیکر صحیح حدیثوں کو محفوظ کردیا جو قیامت تک انشاء اللہ تعالیٰ محفوظ رہیں گی کیونکہ آخری زمانہ میں جب علوم دینیہ کی حفاظت میں مسلمانوں کی ہمتیں قاصر ہوں تو ایک ایسی تدبیر بتلادی کہ ایک ایک کتاب کے ہزاروں نسخے بلا زحمت اسلامی دنیا میں ہر وقت موجود رہ سکتے ہیں چنانچہ لاکھوں نسخے کتب حدیث کے اسوقت مسلمانوں کے پاس موجود ہیں اور وقتاً فوقتاً اُن کی کثرت ہوتی جاتی ہے یہ ثمرہ اور نتیجہ محدثین کی جانفشانیوں کا ہے جنہوں نے صحیح حدیثوں کو کتابوں میں محفوظ کردیا ہے۔

غرضکہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے حق تعالیٰ نے ایک اولوالعزم قوم کو پیدا کیا جن کی سعی اور جانفشانی کا پورا حال لکھنا امکان سے خارج ہے اُن کو

حق تعالیٰ نے حدیثوں کے یاد رکھنے کے لئے حافظے ایسے قوی دئے
تھے کہ ان کے خیال کرنے سے عقل حیران ہوتی ہے۔

الحاصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محدثین کو جو فرمایا تھا کہ احادیث یاد رکھ کر
فقہا کے ہوجائیں سو ان حضرات نے اُس کی پوری پوری تعمیل کی اور فقہا نے
اُس ارشاد مبارک کی یہ تعمیل کی کہ مقصود شارع معلوم کرنے میں جو دقتیں
واقع ہوئی تھیں جن کا حال اوپر مذکور ہوا اپنی کوشش اور اجتہاد سے اُن کو رفع کر کے
ہر مسئلہ میں تمام آیات و احادیث متعلقہ سے جو مقصود شارع ثابت ہوتا ہے
اُس کو بیان کر دیا اس کا ثبوت اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر زمانہ میں محدثین
بکثرت موجود رہتے تھے مگر جن سے فتویٰ لیا جاتا تھا یعنے فقہا تعداد میں بہت
کم ہوتے تھے کیونکہ اُن سے دو کام متعلق تھے ایک قرآن و احادیث
کا ذخیرہ ہر مسئلہ میں فراہم کرنا دوسرا اُس میں غور و اجتہاد کر کے مسلمانوں کو
ایسی بات بتلانی جو قابل عمل اور شارع کی مرضی کے مطابق ہو اور ظاہر ہے
کہ ہر محدث میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث شریف رب حامل
فقہ غیر فقیہ سے ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے سب صحابہ فتویٰ نہیں دیتے تھے۔
بلکہ چند حضرات اس کام کے لئے مخصوص تھے جیسا کہ امام ذہبی نے تذکرۃ
الحفاظ میں لکھا ہے عن مسروق قال کان اصحاب الفتویٰ من الصحابۃ عمر و علی و ابن
مسعود و عبد اللہ و زید و ابی و ابو موسیٰ و عن سلیمان ابن یسار قال ما کان عمر و عثمان یقدمان
علی زید احدا فی الفتویٰ والفرائض والقراءۃ۔ ابن جوزی رح نے تلقیح میں لکھا
ہے کہ حاکم نے عباس دوری کا قول نقل کیا ہے کہ کل صحابہ کا علم ان چھ صحابہ کو

قرون اولیٰ کے فقہا اور اہل فتویٰ

پہونچا عمر علی ابن مسعود ابی ابن کعب معاذ بن جبل اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم اور
یہی طبقہ فقہائے صحابہ کا ہے۔ اور امام ذہبی رحمہ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے
کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ایکبار خطبہ میں فرمایا کہ جسکو فقہ کی کوئی بات پوچھنی ہو معاذ
سے پوچھے دیکھئے صحابہ کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ فتویٰ دینا
ہر محدث کا کام نہیں بلکہ اُس کے لئے منتخب افراد درکار ہیں اور عمر اور
عثمان رضی اللہ عنہما نے یہ بات بتلادی کہ فتوی کے لیے ایک ماہر شخص کی
ضرورت ہے اور ایسا شخص موجود ہو تو وہ کام دوسرے سے متعلق نہ کیا جا
اور ابوداود میں یہ روایت ہے۔ عن ابن مسعود رضہ قال لا رضاع الا ما شد العظم
وانبت اللحم قال ابو موسیٰ لا تسألونا وہذا الحبر فیکم۔ یعنی جب ابن مسعود رضہ نے مسئلہ رضاعت
میں فتوے دیا کہ رضاعت انہی ایام میں معتبر ہے کہ اس سے ہڈی مضبوط ہو
اور گوشت پیدا ہو یعنی ایام شیر خوارگی اور طفولیت میں اسپر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ
نے کہا کہ جب تک یہ عالم یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ تم میں موجود ہیں ہم سے
کوئی مسئلہ نہ پوچھو۔ تذکرۃ الحفاظ میں شعبی رحمہ کے حال میں اُنکا قول نقل کیا ہے۔
ما کنت اعرف فقہاء الکوفۃ الا اصحاب عبد اللہ یعنی شعبی کہتے ہیں کہ کوفہ کے
فقہا میں صرف عبد اللہ ابن مسعود کے اصحاب کو میں پہچانتا ہوں۔ قیس نے
اُنسے پوچھا کیا علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب کو آپ نہیں جانتے کہا نہیں۔
کہا حارث اعور کو پہچانتے ہو کہا ہاں اُنسے میں نے فرائض کا علم سیکھا تھا
مگر اُس سے مجھے وسواس کا خوف تھا معلوم نہیں انہوں نے کس سے سیکھا
تھا کہا ابن صبوہ کو آپ پہچانتے ہو کہا ہاں لیکن وہ فقیہ نہ تھے پوچھا صدمو کو

آپ پہچانتے ہو کہ وہ خطیب تھے فقیہ نہ تھے انتہیٰ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اکابر دین ہر محدث کو فقیہ نہیں سمجھتے تھے۔

تذکرۃ الحفاظ میں مسروق کوفی رح کے حال میں لکھا ہے کہ شعبی رح کا قول ہے کہ مسروق شریح سے زیادہ فتویٰ دینا جانتے تھے توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رح نے لکھا ہے کہ فضل فرا کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام احمد ابن حنبل کے ہمراہ حج کو گیا اور انہیں کے ساتھ مکہ معظمہ میں ایک مکان میں فروکش ہوا صبح ہوتے ہی وہ فرودگاہ سے نکلے اور تھوڑی دیر کے بعد میں بھی نکلا۔ اور اس خیال سے کہ اُن کی رفاقت میں رہوں انکو مسجد میں ڈھونڈا مگر نہ ابن عیینہ کے حلقہ میں ملے نہ اور کسی محدث کے حلقہ میں بہت تلاش کے بعد دیکھا کہ ایک اعرابی کے ساتھ بیٹھے ہیں میں نے کہا حضرت ابن عیینہ کو چھوڑ کر آپ کہاں بیٹھے ہو۔ فرمایا خاموش اگر تمہیں حدیث سند عالی کے ساتھ نہ ملیگی تو سند نازل کیساتھ مل جائیگی مگر اُن کی عقل کو تم فوت کرو گے تو پھر نہ پاؤ گے افقہ فی کتاب اللہ یعنی ان سے زیادہ قرآن سمجھنے والا میں نے نہیں دیکھا میں نے پوچھا یہ کون ہیں کہا محمد ابن ادریس شافعی رح انتہیٰ اسی میں لکھا ہے کہ جب امام شافعی رح بغداد میں آئے تو امام احمد ابن حنبل رح نے اُن کی ملازمت اختیار کی یہاں تک کہ اگر وہ سوار ہو کر کہیں جاتے تو اُن کی سواری کے ساتھ ہو لیتے اور محدثین کے حلقہ کو جس میں یحییٰ بن معین وغیرہ ہمیشہ جاتے تھے چھوڑ دیا۔ اسپر یحییٰ بن معین نے عتاب آمیز کلمات اُن کو کہلائے امام احمد نے جواب میں کہلایا کہ تم بھی اگر اُس سواری کی دوسری جانب

رہو گے تو اُس حلقہ سے زیادہ نافع ہے اور کہا کہ اگر فقہ چاہتے ہو تو شافعی کی بطلہ
کی بزم نشاۓ رہو انتہیٰ۔

دیکھئے اکابر متقدمین کے نزدیک فقہ کی یہ قدر و منزلت اور یہ وقعت تھی کہ اکابر محدثین
کی صحبت اور سند عالی پر فقہائی صحبت کو ترجیح دیتے تھے اور محدث کو
فقیہ نہیں کہتے تھے بلکہ خاص خاص محدثین پر فقیہ کا اطلاق کیا جاتا تھا جیسے
مسروق جابر ابن زید حسن بصری شعبی عمرو بن دینار علی ابن مسہر حماد امام مالک
سفیان ثوری عبد اللہ ابن مبارک وغیرہم رحمہم اللہ جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ وغیرہ سے
ظاہر ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں فقیہ عراق علقمہ رح کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ابن مسعود رض کے
ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ قابوس ابن ابی ظبیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد
سے پوچھا کہ آپ صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہو کہا میں نے بہت
سے صحابہ کو دیکھا ہے کہ اُن کے پاس جاتے اور اُنسے فتویٰ پوچھتے تھے۔
انتہیٰ دیکھئے صحابہ باوجود اُس جلالت شان کے جو لازمہ صحابیت ہے علقمہ رح
سے فتویٰ پوچھتے تھے حالانکہ وہ تابعی ہیں وجہ اس کی یہی تھی کہ وہ فقیہ تھے
تذکرۃ الحفاظ میں عبد الرحمن ابن غنم کے حال میں لکھا ہے کہ وہ فقیہ شام ہیں
عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو اِس غرض سے شام بھیجا تھا کہ لوگوں کو فقہ سکھائیں
چنانچہ تابعین شام نے اُنسے فقہ سیکھی انتہیٰ۔ دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ
میں فقہ کا یہ اہتمام تھا۔

تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ طلحہ بن عبد اللہ المدنی اور خارجہ ابن زید انہی

زمانہ میں مفتی تھے۔ لوگ انہیں کے قول پر عمل کرتے تھے اور ایاس ابن معاویہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر تم فتوی چاہتے ہو تو حسن بصری کے پاس جاؤ اور ابوبکر ابن عیاش کا قول نقل کیا ہے کہ اصحاب فتوی تین شخص تھے۔ حبیب ابن ابی ثابت اور حکم اور حماد۔

مہ ح یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ فقہا چار ہیں ابوحنیفہ۔ سفیان۔ مالک۔ اور اوزاعی رحمہم اللہ اس قسم کی اور روایتیں کثرت ہیں جن سے ظاہر ہے کہ قرون ثلاثہ میں یعنی زمانہ صحابہ سے ائمہ مجتہدین کے وقت تک فقہا خاص خاص حضرات ہوتے تھے اور کمال وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے اور زمرۂ محدثین میں وہ اعلیٰ درجہ کے محدث سمجھے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں محدث اور فقیہ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت نہ تھی جیسا کہ فی زمانا خیال کیا جاتا ہے بلکہ عموم خصوص مطلق کی نسبت تھی یعنی ہر محدث فقیہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ ایسے محدث کو فقیہ سمجھتے تھے جس میں اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور قوت اجتہادی ہو۔

خ کسی نے اعمش رح سے کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے فرمایا اس کا جواب ابوحنیفہ خوب جانتے ہیں میرا ظن غالب ہے کہ ان کے علم میں برکت دی گئی

اس سے ظاہر ہے کہ اکابر محدثین خود فتوی نہیں دیتے تھے بلکہ فقہا کو اس کام کے اہل سمجھتے تھے۔ یہاں یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح فقہا کو محدثین کی طرف اس بات میں احتیاج ہے کہ احادیث ان کے ذریعہ سے حاصل کریں اسی طرح محدثین کو فقہا کی طرف معانی حدیث معلوم کرنے میں احتیاج تھی کیونکہ محدثین کو تحصیل احادیث اور تحقیق رجال میں اتنی فرصت نہیں تھی

کہ تحقیق معنی بھی کرتے یہ کام انہوں نے فقہا کے ذمہ کر دیا تھا جیسا کہ جامع
ترمذی سے معلوم ہوتا ہے۔ قال الفقہاء وہم اعلم بمعانی الحدیث اور حافظ مزی
نے تہذیب الکمال میں لکھا ہے قال البخاری سمعت علی ابن المدینی یقول
التفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفۃ الرجال نصف العلم یعنی امام بخاری
علی ابن المدنی کا قول نقل کرتے ہیں کہ فہم معنی حدیث نصف علم ہے اور
معرفت رجال نصف علم ہے۔ اور ابھی معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمن بن غنم
کو صرف فقہ سکھانے کے لئے شام کو بھیجا تھا تواریخ الشامیہ میں لکھا ہے
کہ ایکبار کسی نے کوئی مسئلہ امام احمد رح سے پوچھا آپنے فرمایا فقہا سے پوچھو
ابو ثور سے پوچھو یعنی ابراہیم ابن خالد ابن یمان کلبی سے جو مشہور فقیہ تھے
اس سے ظاہر ہے کہ محدثین کے نزدیک مسلم ہے کہ مسائل فقہا ہی سے پوچھے
جائیں۔ مختصر کتاب النصیحۃ مولفہ خطیب بغدادی رح میں امام شافعی رح کا قول نقل
کیا ہے کہ جو شخص صرف حدیثوں ہی کو جمع کرتا ہے اُس کی مثال ایسی ہے
جیسے کوئی رات کو لکڑیاں جمع کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوگا کہ سانپ کو
لکڑی سمجھ کر اُٹھالیگا۔ اور وہ اُس کو ضرر پہونچائیگا۔ اور اُس میں ابو العباس ابن
عقدہ رحم کا قول نقل کیا ہے کہ احادیث کی روایت کم کرو وہ انہی کے لئے
سزاوار ہے جو احادیث کے تاویلات کو جانتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ تاویلات
کو جاننے والے فقہا ہیں محدثین کا وظیفہ صرف نقل متن حدیث ہے۔
اور اس میں اعمش رح کا قول نقل کیا ہے کہ بہت ساری حدیثیں یاد کرنے
سے آدمی فقیہ نہیں ہوتا۔ فقیہ وہی ہوتا ہے جو معانی میں غور و فکر اور استنباط کرے

اور اُس میں نقل کیا ہے کہ امام مالک رح نے اپنے بھانجے ابوبکر اور اسمعیل سے کہا
میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں حدیث کا بہت شوق ہے اور اُس کو طلب کرتے ہو کہا ہاں
فرمایا اگر تم دوست رکھتے ہو کہ خدا تعالیٰ اُس کا نفع تمہیں دے تو حدیث کی روایت
کم کرو اور فقہ حاصل کرو اور اعمش رح کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں
حدیث سن چکا یعنی تحصیل حدیث سے فارغ ہوا تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ اب
فتویٰ دینے کے لئے مسجد میں بیٹھ جانا چاہئیے چنانچہ مسجد کے ایک ستون کے
پاس بیٹھ گیا۔ مگر پہلا ہی سوال جو پیش ہوا مجھسے اُس کا جواب نہ ہو سکا۔ انتہیٰ۔
اس قول سے آپکا کمال تدین ثابت ہے ورنہ ممکن تھا کہ کچھ نہ کچھ دل سے جواب
دیدیتے۔ مقصود یہ کہ صرف حدیث شریف سے کام نہیں چل سکتا۔ فقہ کی ضرورت
ہے۔ اور اُس میں نقل کیاہے کہ ایک جگہ محدثین کا مجمع تھا جس میں یحییٰ ابن
معین اور ابوخیثمہ اور خلف ابن سالم وغیرہم موجود تھے اور ہر طرف سے تحقیقات
پیش ہو رہے تھے کہ فلاں حدیث کا فلاں راوی ہے اور فلاں حدیث
صرف ایک ہی راوی سے مروی ہے کہ استنے میں ایک عورت آئی۔ اور
اُس نے پوچھا کہ ایک غسالہ حائضہ ہے وہ میت کو غسل دے سکتی ہے
یا نہیں کسی نے اُس کا جواب نہ دیا اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اسی حیرانی
میں تھے کہ ابو ثور رح جو فقیہ تھے اتفاقاً آگئے اُن کو دیکھتے ہی سب نے اُس سے
کہا کہ اُن سے پوچھ انہوں نے سنتے ہی کہدیا کہ ہاں غسل دیسکتی ہے اور عائشہ رض
کی یہ حدیث پڑھی۔ ان حیضتک لیست فی یدک اور یہ حدیث کنت افرق راس
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا حائض۔ یہ سنتے ہی سب نے کہاں ہاں یہ حدیث ہم نے فلاں شخص سے

یہ حدیث فلاں فلاں راویوں سے ہمیں پہونچی ہے اور کتنے اسقدر طریق ہیں اور یہ
حدیث معروف ہے۔ اُس عورت نے کہا حضرات اب تک آپ کہاں تھے۔ غرضکہ
حدیثوں کا یاد رکھنا اور ہے اور اُنسے مسائل کا استخراج اور ہے اس کام کیلئے
فقہا موضوع ہیں اور خود محدثین اُن کی طرف محتاج ہیں۔ اور طبقات الحفاظ وغیرہ
کتب رجال سے ظاہر ہے کہ بعض بعض محدثین خاص طور پر فقہ سیکھتے تھے
م ص۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ اگر ابوحنیفہ رح تابعین کے زمانہ میں ہوتے
تو تابعین بھی اُن کی طرف محتاج ہوتے۔
م ص۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ علما ابوحنیفہ سے مستغنی نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمیں
تو تفسیر حدیث میں تو ضرور محتاج ہیں اور لکھا ہے کہ ابن مبارک رح اپنے شاگردوں
سے کہا کرتے تھے کہ آثار و احادیث کو ضروری سمجھو۔ مگر اُن کے لئے ابوحنیفہ
کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ احادیث کے معنی جانتے ہیں۔
م ص ک۔ عبداللہ بن ابی لبید کہتے ہیں کہ ایک روز یزید ابن ہرون کی مجلس
میں ہم بیٹھے تھے مغیرہ رح نے ابراہیم کا قول بیان کرنا چاہا ایک شخص نے
کہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اقوال بیان کیجئے یزید ابن
ہرون نے کہا کہ اے احمق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال
کی تفسیر ہے اگر تجھے معنی معلوم نہ ہوں تو حدیث کو لیکر کیا کرے گا۔ تم لوگوں
کی ہمت صرف احادیث کے سُن لینے کی طرف متوجہ ہے اگر علم کیطرف تمہاری
ہمت مبذول ہوتی تو ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ اور اُن کے اقوال کو
دیکھتے پھر اُس معترض کو مجلس سے اُٹھا دیا۔

خلاصۃ التہذیب میں یزید بن ہٰرون کا حال لکھا ہے کہ وہ امام احمد وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ دیکھئے یزید ابن ہارون جیسے جلیل القدر محدث کس تصریح سے فقہ کی طرف احتیاج محدثین کی ثابت کر رہے ہیں۔

امام موفق ابن احمد رح نے مناقب امام ابی حنیفہ رح میں ثابت زاہد کا قول نقل کیا ہے کہ جب سفیان ثوری رح سے کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ اس مسئلہ میں سوائے اُس شخص کے جس پر ہم حسد کرتے ہیں (ابو حنیفہ) کوئی شخص عمدہ تقریر نہیں کر سکتا۔ پھر امام صاحب کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کا کیا قول ہے۔ اور وہ جو جواب دیتے اُسی کے موافق فتویٰ دیتے۔

سفیان ثوری رح وہ شخص ہیں کہ امیر المومنین فی الحدیث سمجھے جاتے تھے اور عبداللہ ابن مبارک رح اُن کی نسبت کہتے ہیں کہ میرے علم میں فن حدیث میں روئے زمین پر کوئی اُن سے زیادہ نہیں۔ ذکرہ الامام ذہبی فی تذکرۃ الحفاظ۔

جب سفیان ثوری جیسے شخص فتویٰ دینے میں امام صاحب کے قول کی طرف محتاج ہوں تو ظاہر ہے کہ محدثین کو فقہ کی طرف کس قدر احتیاج ہو گی۔ ایک روز ایک حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون غامض تھا۔ وکیع رح کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کے کہا اب ندامت سے کیا فائدہ وہ شخص یعنی (ابو حنیفہ) کہاں ہیں جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔ اور وہ

محدثین سے کہا کرتے تھے اے قوم تم حدیثیں طلب کرتے ہو اور ان کے معنی نہیں طلب کرتے۔ اس میں تمہاری عمر اور دین ضائع ہو جائے گا۔ مجھے آرزو آتی ہے کہ کاش ابوحنیفہ کی فقہ کا عشر عشیر ہوتا ایک روز انہوں نے حفاظ مجلس سے کہا اے لوگو حدیث سننا بغیر فقہ کے تم کو کچھ نفع نہ دیگا اور تم میں سمجھ پیدا نہ ہو گی جب تک اصحاب ابوحنیفہ کے ساتھ نہ بیٹھو اور وہ اُن کے اقوال کی تفسیر نہ بیان کریں۔

خلاصۃ التہذیب میں وکیع رح کا حال لکھا ہے کہ وہ امام احمد وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

دیکھئے وکیع رح کے قول سے کس قدر احتیاج فقہ کی طرف ثابت ہوتی ہے۔

م ت ص۔ عبداللہ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ میں نے مسعر رح کو ابوحنیفہ کے حلقہ میں دیکھا ہے کہ روبرو بیٹھے ہوئے اُن سے سوال اور استفسار کر رہے ہیں۔ مسعر ابن کدام کا حال خلاصہ تہذیب میں لکھا ہے کہ شعبہ اور سفیانؒ ثوری وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں باوجود تبحر کے مسعر رح کا امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھنا اور استفسار کرنا کیسی کھلی دلیل احتیاج پر ہے۔

م۔ داؤد طائی کہتے ہیں خدا کی قسم ابوحنیفہ حلال و حرام و نجات اُخروی کے مسائل سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ متورع اور عابد ہیں۔

م۔ علی ابن عاصم کا قول ہے کہ ابوحنیفہ کے اقوال علم کی تفسیر ہیں۔ اگر کوئی اُن کے اقوال کو نہ دیکھے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دے گا۔

خلاصہ میں علی ابن عاصم کا قول لکھا ہے کہ وہ امام احمد ابن حنبل وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں اُن کی مجلس میں تیس ہزار سے زیادہ لوگ جمع ہوتے تھے حلال وحرام کا سمجھنا جب فقہ پر موقوف ہے تو اس سے بڑھ کر کیا احتیاج ہوگی۔

م- یزید ابن ہارون کا قول ہے کہ ابو حنیفہ کی کتابوں کے مطالعہ سے آدمی مستغنی نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ میں یزید ابن ہرون کا حال لکھا ہے کہ وہ امام احمد و اسحٰق وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں ستر ہزار تک شائقین حدیث اُن کی مجلس میں جمع ہوتے تھے اور کل صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ دیکھئے مستغنی نہ ہونا عین احتیاج ہے

م ص ک- عفان بن سیار کہتے ہیں کہ مثال ابو حنیفہ کی طبیب حاذق کی سی ہے جو ہر بیماری کی دوا جانتا ہے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں نسائی میں موجود ہیں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بیمار کو طبیب حاذق کی طرف احتیاج کس درجہ کی ہوتی ہے۔

م ص ک- ابن مبارک رہ فرماتے ہیں اگر میں سنہائی بات سُنتا تو ابو حنیفہ کی ملاقات فوت ہو جاتی جس سے میری شفقت اور خرچ جو تحصیل علم میں ہوا تھا سب ضائع ہو جاتا۔ اگر میں اُن سے ملاقات نہ کرتا اور اُن کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں علم میں مفلس رہ جاتا۔ اور فرماتے کہ وہ شخص محروم ہے جسکو ابو حنیفہ کے علم کا حصہ نہ ملا اور شاگردوں سے فرمایا کرتے کہ آثار و احادیث کو لازم پکڑو اور سمجھنا اس کے لئے ابو حنیفہ کی ضرورت ہے۔

تبیض الصحیفہ میں ابن مبارک رہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر حق تعالیٰ ابو حنیفہ اور

سفیان سے میری مدد نہ فرماتا تو میں ایک معمولی آدمی رہجاتا۔

ک س ام۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے تا وقتیکہ ابوحنیفہ سے ملاقات نہ ہوئی۔ حلال و حرام کے اصول مجھے معلوم نہ ہوسکے۔

اِن اقوال سے فقہ کی طرف جو احتیاج ثابت ہوتی ہے محتاج بیان نہیں۔ اسی وجہ سے ابن مبارک رح امام صاحب کے انتقال تک آپ ہی کی خدمت میں رہے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مبارک اول از شاگردان امام اعظم رح بودند و طریق فقہ از ایشاں می آموختند و چوں امام اعظم وفات یافتند در مدینہ منورہ نزد امام مالک تفقہ می نمودند۔

م ک ص۔ عبدالعزیز ابن ابی رواد پر جب کوئی مسئلہ دین کا مشتبہ ہوجاتا تو لکھکر امام صاحب سے پوچھ لیتے اور ہر امر میں اُن کی اقتدا کرتے۔

عبدالعزیز ابن ابی رواد کا حال خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ یحیٰی قطان وغیرہ کے استاد ہیں اور صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں اور الانتصار میں لکھا ہے وہ امام صاحب کے بھی استاد ہیں۔

م ص ک۔ عثمان ابن عفان سجزی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عاصم نبیل سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ابوحنیفہ رح کے اعمال ہر روز ایک صدیق کے اعمال کے برابر آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کس وجہ سے کہا اسلئے کہ لوگ اُنسے اور اُنکے اقوال سے نفع اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ لوگ ائمہ بلاد میں امام صاحب کے اقوال نقل کرتے اور نفع اٹھاتے تھے اور فقہ کی احتیاج وغیرہ

الحاصل ان تمام شہادتوں سے ثابت ہے کہ محدثین کو فقہا کی طرف اُس زمانہ میں بھی احتیاج تھی اور فقہ وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی۔
طبقات کبریٰ میں امام سبکی رح نے لکھا ہے کہ بخاری رح نے حمیدی رح سے فقہ سیکھی ہے اور مقدمہ فتح الباری میں شیخ الاسلام نے بخاری رح کا قول نقل کیا ہے۔ ماجلست للتحدیث حتی عرفت الصحیح من السقیم وحتی نظرت فی کتب اہل الرأے یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میں جب تک حدیث صحیح سقیم سے ممتاز نہیں کرلیا اور اہل الرأے کی کتابیں نہیں دیکھ لیں تدریس کے لئے نہیں بیٹھا۔ اہل الرائے کی کتابیں پیش نظر رکھنے کی ضرورت اسوجہ سے انہوں نے سمجھی تھی کہ امام شافعی رح جو انکے استاذ الاساتذہ ہیں فرماتے ہیں کہ الناس عیال ابی حنیفہ فی الفقہ اور نیز دیگر محدثین کے اقوال پیش نظر تھے جو امام صاحب کے افقہ ہونے کے باب میں وارد ہیں۔ غرضکہ جب اُن کو فقہ میں بھی کمال حاصل کرنا منظور تھا اسوجہ سے فقہ حنفیہ کی طرف احتیاج ہوئی۔ اور خاص وجہ اُس کی یہ بھی تھی کہ امام صاحب کے ساتھ اُن کو تعلق خاص تھا۔ اسلئے کہ اُن کے والد ابن مبارک رح کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ جیساکہ خود انہوں نے تاریخ کبیر میں اپنے والد بزرگوار کا حال لکھا ہے کہ اسمعیل ابن ابراہیم ابن المغیرہ سمع من مالک وحماد ابن زید وصحب ابن مبارک ذکرہ فی مقدمۃ فتح الباری۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جو لوگ اپنے والد کے معتقد علیہ ہوتے ہیں اُن سے خاص طور پر عقیدت ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ابن مبارک رح کی کل کتابوں کو یاد کرلیا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر رح نے مقدمہ فتح الباری میں نقل کیا ہے قال طلبت فی سنۃ عشر سنۃ حفظت

کتب ابن مبارک و وکیع و عرفت کلام ہولاء یعنی اصحاب الرائے پھر ابن مبارک اور وکیع رحمہما اللہ امام صاحب کی تحقیقات اور تفقہ کے جس قدر دلدادہ تھے پوشیدہ نہیں اسی وجہ سے امام صاحب کے اقوال کو دیکھنے کا امام بخاریؒ کو شوق ہوا جو کتب اہل الرائے میں مذکور ہیں۔ اور اُن سے خوب واقف ہوئے جیساکہ لفظ عرفت سے ظاہر ہے۔ ان قرائن سے ظاہر ہے کہ امام بخاری رح امام صاحب کے معتقدوں میں ضرور تھے۔ گو مقلد نہ تھے۔ اس وجہ سے کہ خود مجتہد تھے۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ فقہ اہل الرائے اُس زمانہ میں مطعون نہ تھی۔ ورنہ ایسی بات وہ کبھی نہ کہتے جس سے محدثین کے نزدیک مطعون ہوں اور اُسکو معرفت احادیث کے ہم پلہ ہرگز نہ کرتے۔ الحاصل اس میں شک نہیں کہ امام بخاری رح فقہ کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور چونکہ احادیث بکثرت یاد تھیں اور فقہ حنفیہ سے مدد لیکر بلکہ اجتہاد ہم پہونچایا تھا اسلئے چاہا کہ اپنی اجتہادی فقہ میں کوئی خاص کتاب تصنیف کریں۔ جو مدلل بآیات واحادیث و اقوال صحابہ وتابعین وغیرہم ہو اس کی ابتداء یوں کی کہ بخاری شریف کے تمام تراجم ابواب پہلے لکھے جس میں اپنے اجتہادی مسائل بیان کرنا منظور تھا۔ اور اس میں روحانی مدد کی غرض سے یہ اہتمام کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور منبر منیف کے مابین تمام تراجم ابواب کا مبیضہ کیا اور ہر ترجمۃ الباب کے لکھنے کے وقت دو رکعت نماز پڑھتے جیساکہ مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے پھر اُن مسائل فقہیہ پر جن کا استنباط اپنے ذہن میں پہلے سے کیا تھا

ہر باب میں حدیثیں داخل کرنی شروع کیں اور کسی مسئلہ پر حدیث سے استدلال نہ ہو سکا تو قرآن شریف کی آیت یا اقوال صحابہ یا تابعین وغیرہم سے استدلال کیا جیسا کہ فقہا کی عادت ہے اور اُس باب میں حدیث لکھی ہی نہیں غرضکہ بخاری شریف فقہ اور حدیث کی جامع کتاب ہے چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے ولہذا اشتہر من قول جمع من الفضلاء فقہ البخاری فی تراجمہ دیکھئے باب جہر الامام بالتامین میں انہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ عن ابی ہریرۃ رضہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملئکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافق ہو جائے اُسکے پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ دیکھئے اِس حدیث میں کوئی لفظ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ امام باواز بلند آمین کہا کرے۔ بلکہ امام آہستہ ہی آمین کہے تو جن لوگوں نے پوری سورۂ فاتحہ امام سے سُن لی ہے امام کے ساتھ آمین کہنے میں شریک ہو جائینگے۔ مگر انہوں نے ترجمۃ الباب میں جہر الامام کا لفظ اپنے اجتہاد سے بالتصریح لکھدیا۔ یہی فقہا کا کام ہے کہ اپنے فہم سے کام لیکر نصوص کے معنی میں اس قسم کے تصرفات کیا کرتے ہیں پھر چونکہ افہام میں تفاوت ہوا کرتا ہے اِسلئے جس کی فہم تیز اور عقل زیادہ رسا ہو۔ اُسی کی رائے صائب سمجھی جاتی ہے۔ ہر چند محدثین بھی اہل فہم ذکا سے تھے مگر اُن میں جو فقہا تھے وہ قسمیں کہا کہا کر کہا کرتے کہ ابوحنیفہ عقل اور فراست اور فہم و تفقہ میں بے نظیر شخص ہیں۔ اب ہم نمونہ توضیح چند مثالیں لکھتے ہیں جن سے معلوم ہوگا

کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے میں افہام کیسے متفاوت ہیں :

بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں مروی ہے کہ جب آیہ شریفہ کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود الایہ جو سحری سے متعلق ہے نازل ہوئی تو ایک صحابی نے ظاہر مضمون آیت کے لحاظ سے اپنے تکیہ کے نیچے سیاہ اور سفید دھاگے اس غرض سے رکھ لئے کہ جب تک ان کے رنگ اچھی طرح محسوس اور ممتاز نہ ہوں کھاتے پیتے رہیں گے۔ پھر جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر خیط ابیض اسود تمہارے تکیے کے نیچے آگئے تو وہ تکیہ بڑا ہی عریض ہے۔ پھر فرمایا کہ اس سے مراد شب کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔ در اصل عمدہ فہم خصوصاً دینی فہم جو ایک اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے جس سے ابدی سعادت متعلق ہے نہایت کمیاب ہے۔

مسلم شریف میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ یہ حدیث ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذ الروح غرضاً یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کسی جاندار کو باندھ کر نشانہ تیر وغیرہ بنایا جائے ایک محدث صاحب نے روح کو روح بالفتح اور غرض کو عرض بعین مہملہ روایت کی۔ لوگوں نے جب مطلب پوچھا تو کہا کہ ہوا لینے کے لئے دریچہ عرض نہ رکھا جائے بلکہ طویل رکھنا چاہیئے۔

ابن جوزی رح نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ بعض محدثین نے یہ روایت پڑھی روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یسقی الرجل ماءہ زرع غیرہ

یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے کہ آدمی اپنا پانی دوسرے کی زراعت کو پلائے۔ حضار مجلس سے اکثروں نے کہا کہ بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جب ہمارے باغ میں پانی زیادہ ہوگیا تو ہم نے ہمسایہ کی زراعت میں چھوڑدیا اب ہم اس فعل سے استغفار کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث شریف سے مقصود یہ ہے کہ حاملہ لونڈیوں کیساتھ وطی درست نہیں مگر اسکو نہ مدرس صاحب نے سمجھا نہ حضار مجلس نے۔

ابن جوزی رح نے اسی میں خطابی رح کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شیخ نے یہ حدیث روایت کی۔ نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الحلق قبل الصلوٰۃ یوم الجمعۃ۔ جسکا مطلب یہ ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس سے کہ جمعہ کے روز قبل نماز اصلاح بنوائی جائے۔ اور اس کے بعد کہا کہ مجھے چالیس سال سے میں نے قبل جمعہ کبھی حلق نہیں کیا۔ میں نے کہا حضرت حلق بسکون لام نہیں حلق بفتح لام وکسر حاء ہے۔ جو جمع حلقہ ہے۔ اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ علم اور مذاکرہ کے حلقے جمعہ سے پیشتر درست نہیں۔ اسلئے کہ وہ نماز پڑھنے اور خطبہ سننے کا وقت ہے یہ سنکر وہ بہت خوش ہوئے۔ اور کہا کہ تم نے مجھپر نہایت آسانی کی۔

کشف بزودی میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی عادت تھی کہ استنجے کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے جب پوچھا گیا تو یہ دلیل پیش کی کہ حدیث شریف میں ارد ہے من استنجیٰ فلیوتر اس کا مطلب انہوں نے یہ سمجھا کہ استنجے کے بعد وتر پڑھے حالانکہ مطلب یہ ہے کہ استنجے کے لئے جو ڈھیلے لئے جائیں وہ [illegible] طاق

یعنی تین یا پانچ یا سات۔

بخاری شریف صفحہ ۱۸ میں ہے کہ ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس قرآن مجید کے سوا بھی کوئی وحی آسمانی ہے فرمایا الا الفہما یعطیہ اللہ رجلا فی القرآن یعنی قرآن کے سوا میں کوئی وحی نہیں جانتا البتہ فہم کو جو خدائے تعالی کسی ایک شخص کو قرآن سمجھنے کے لئے دیتا ہے اور بخاری ایت صفحہ ۶۱۵ میں یہ بھی روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رض کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے بعضوں کو یہ ناگوار ہوا اور کہا کہ اس لڑکے کو ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے لڑکے اُن کی عمر کے ہیں آپنے یہ مسئلہ ایک روز بطور امتحان حاضرین سے پوچھا کہ سورہ اذا جاء نصر اللہ کیا معنی ہر ایک نے اپنی سمجھ کے مطابق بیان کئے اور بعض ساکت رہے۔ پھر ابن عباس سے پوچھا کیا تم بھی یہی معنی کہتے ہو انہوں نے کہا مجھے تو اس سورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات معلوم ہوتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں میں بھی یہی جانتا ہوں۔ دیکھئے وہ اکابر صحابہ عمر بھر یہ سورہ پڑھا کئے مگر اُن کی سمجھ میں وہ معنی نہ آئے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صاحبزادگی کی حالت میں طبیعت خداداد سے بتلا دیئے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے کہ نہ تعلیم سے حاصل ہو سکتی ہے نہ اکتساب سے۔ اسی خداداد صفت نے فقہا کو محدثین میں ممتاز کر دیا تھا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین رواہ البخاری یعنی خدائے تعالی جس کی بھلائی چاہتا ہے اُسکو دین میں سمجھ دیتا ہے۔

م ص ک۔ ایک روز یزید ابن ہرون سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا اس مجلس

یحییٰ ابن معین اور علی ابن المدینی اور امام احمد وغیرہ محدثین حاضر تھے آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ
علم حدیث سے پوچھو ابن المدینی نے کہا کیا آپ اہل علم اہل حدیث سے نہیں فرمایا اہل علم
اصحاب ابو حنیفہ ہیں اور تم لوگ عطار ہو۔ النصیحۃ لاہل الحدیث میں اور خیرات الحسان
میں لکھا ہے کہ ایک بار اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے چند مسئلے پوچھے اُس
مجلس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر تھے اعمش رح نے امام صاحب سے
فرمایا ان مسائل میں تمہارا کیا قول ہے۔ امام صاحب نے اپنے اقوال بیان
کیے اعمش رح نے کہا اس پر کیا دلیل امام صاحب نے کہا انہی احادیث سے جو آپ
سے پہنچی ہیں۔ اور چند حدیثیں مع اسناد پڑھ کر سنائیں اور استخراج کا طریقہ بھی
بیان کر دیا۔ اعمش رح نے نہایت تحسین کی اور فرمایا سو دن میں جو میں نے روایتیں کی
تھیں تم نے ایک ساعت میں وہ سب سنا دیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر
عمل کرتے ہو گے۔ پھر فرمایا یا معاشر الفقہاء انتم الاطباء و نحن الصیادلۃ یعنی
اے گروہ فقہا تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں جن کے پاس دوائیں ہر
قسم کی موجود رہتی ہیں۔ مگر کسی بیماری میں ان کا استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ بھی [illegible]
کہ ایک حج میں اعمش رح اور امام صاحب کا اجتماع ہوا انہوں نے امام صاحب کو
کہلا بھیجا کہ مناسک حج ہمارے لیے لکھ بھیجیں۔ اور اپنے شاگردوں سے
کہا مناسک ان سے لکھوا لو میری دانست میں حج کے فرائض اور نوافل کو ان سے
زیادہ جاننے والا کوئی نہیں کذا فی خیرات الحسان
غرض کہ میں اعمش اور امام صاحب کے مناظرہ مذکورہ میں چند حدیثیں بھی
[illegible] جنکو امام صاحب نے پڑھیں۔ اور اعمش رح نے فرشتہ [illegible]

الفقہا انتم الاطبا ونحن الصیادلہ وانت ایہا الرجل اخذت بکلا الطرفین یعنی محدثین
عطار اور فقہا طبیب ہیں۔ اور تم دونوں کو جامع ہو یعنی محدث بھی ہو اور فقیہ بھی
تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ اعمش رح انس رضی اللہ عنہ
وغیرہ صحابہ کے شاگرد اور شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہ کے استاد ہیں محدثین
نے اُن کے صدق کی وجہ سے اُن کا نام ہی مصحف رکھدیا تھا اور دیکھئے جب
مصحف ناطق کے ارشاد سے فقہا طبیب اور محدثین دوا ساز ٹھہرے تو کیا
کسی کی رائے سے یہ کلیہ منسوخ ہو سکتا ہے۔ اور امام صاحب کو جو انہوں نے
محدث اور فقیہ فرمایا کیا یہ گواہی خلاف واقع ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔
ملا علی قاری رح نے شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے کہ اوزاعی رح نے چند مسائل
امام اعظم رح سے پوچھے انہوں نے سب کے جواب دئے اوزاعی رح نے
کہا یہ کس دلیل سے کہتے ہو آپ نے کہا انہی احادیث اور اخبار و آثار سے جو
آپ حضرات روایت کرتے ہیں۔ پھر وہ احادیث پڑھ کر استدلال کے طریقے
بیان کئے اوزاعی رح نے سب سنکر کہا نحن العطارون وانتم الاطباء
یعنی ہم کو حدیثیں سب یاد ہیں مگر یہ نہیں معلوم کہ اُن سے کن مسائل پر استدلال ہو سکتا
ہے۔ اور مسلمانوں کو اُن سے کیا کیا منافع حاصل ہو سکتے ہیں جیسے عطاروں
کے پاس اقسام کی دوائیں موجود ہوتی ہیں۔ مگر اُن کو نہیں معلوم کہ کس بیماری میں
کونسی دوا مفید ہے۔ جسکو اطبا جانتے ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ اوزاعی
امام وقت تھے۔ اہل شام اور اہل اندلس ایک مدت تک انہیں کے مذہب
اور انہیں کے مقلد رہے۔ اور رحیم عبدالرحمن کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

جب وہ بغداد گئے تو امام احمد اور ابن معین اور خلف ابن سالم اُن کی مجلس میں آتے اور اُن کے رو برو ایسے بیٹھتے جیسے لڑکے بیٹھا کرتے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ رحیم اوزاعی ؒ کے مذہب پر تھے۔

اب غور کیا جائے کہ اوزاعی رح جیسے محدث اور امام الوقت جب امام صاحب کی نسبت یہ فرمائیں کہ ہم لوگ عطار ہیں اور آپ طبیب تو علم میں امام صاحب کا کیسا رتبہ ہوگا۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے حافظ ابن زبیر ابو سلیمان کے ترجمہ میں لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو جعفر طحاوی کو میری تصانیف پسند آئیں چنانچہ اپنے گھر لیجا کر انہوں نے اُن کا مطالعہ کیا اور یہ کہا کہ اے ابو سلیمان تم لوگ عطار ہو اور ہم لوگ طبیب ہیں۔ مقصود یہ کہ اُن تصانیف میں ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں جیسے عطار کے یہاں ہر قسم کی دوائیں موجود ہوتی ہیں۔ اور چونکہ وہ فقیہ تھے اس لئے یہ بھی کہدیا کہ اُن کا استعمال ہم فقہا جانتے ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ میں ابو جعفر طحاوی ؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ کان ثقۃ فقیہا عاقلا لم یخلف مثلہ۔ اور لکھا ہے کہ پیشتر وہ شافعی المذہب تھے اور بعد حنفی ہو گئے۔ یہ بات معلوم رہے کہ عطار و طبیب کی مثال جو دیجاتی تھی۔ انہیں کسی کی توہین اور تعلی مقصود نہیں ہوتی تھی بلکہ بیان واقعی تھا جسکو محدثین بھی بطیب خاطر تسلیم کیا کرتے تھے۔ اور فقہ کی طرف اس وجہ سے وہ متوجہ نہیں ہوتے تھے کہ اُن کی توجہ کثرت طرق کی طرف مبذول تھی یعنی حدیث کے لئے وہ ایک دو اُستادوں پر قناعت نہ کرتے بلکہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ جہاں تک ہو سکے ایک ایک حدیث متعدد اساتذہ اور مختلف طریقوں سے حاصل کریں چنانچہ

شاہ ولی اللہ صاحب رح نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ ایک ایک حدیث سو سو طریقوں سے لیجاتی تھی۔ غرضکہ اسانید کے اہتمام میں معانی حدیث میں غور وتامل کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ یہاں تک کہ محقق اساتذہ و تفسیر حدیث سے متعلق اقوال فقہا بیان کرنا چاہتے تو اُس کا سُننا بھی ناگوار تھا بخلاف فقہا کے کہ وہ مستند اساتذہ سے بقدر ضرورت احادیث فراہم کرکے اُن کے معنی میں غور و تامل کرتے۔ اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتے کہ کونسی حدیث سے کن کن مسائل کا استنباط ہوسکتا ہے۔

الحاصل قرون ثلثہ میں جو حضرات اہل حدیث میں اس قابل سمجھے جاتے ہیں کہ اُن کے قول پر عمل کیا جائے وہ معدودے چند تھے جو فقہا کے نام سے مشہور تھے۔ اور جو اہل حدیث صرف حدیث ہی میں توغل پیدا کرنا چاہتے تھے اُن کو اکابر محدثین خیر خواہانہ یہ معلوم کرادیتے تھے کہ بغیر فقہ کے صرف حدیث ہی کو طلب کرنا بیفائدہ اور عمر اور دین کو ضائع کرنا ہے حضرات خاصکر فقہ حنفیہ کو حدیث کی تفسیر سمجھتے اور صاف کہتے تھے کہ امام صاحب کے اقوال سے کوئی مستغنی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جو اُن کے اقوال پر مطلع نہ ہو وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیگا۔ اور جو لوگ فقہ حنفیہ سے انکار کرتے اُن کو احمق کہتے اور زجر و توبیخ کرکے اپنی مجلس سے اُٹھا دیتے تھے۔ اور خود امام صاحب کے حلقہ میں شریک ہوکر مستفید ہوتے اور براہ انصاف صاف کہدیتے کہ ہم لوگ مثل عطار ہیں۔ اور آپ مثل طبیب حاذق۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ فقہ حنفیہ کو گمراہی بتاتے ہیں درپردہ وہ اُن اکابر دین پر الزام لگاتے ہیں۔

جن کے نزدیک نہ حنفیہ غیر حدیث مسلم ہو چکی تھی۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ حضرات کمال درجہ کے محتاط تھے اُن کا مقصود یہ تھا کہ ہر مسئلہ میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو مقصود ہے اُسپر عمل کیا جائے اور اس مقصود کا معلوم کرنا سوائے فقہا کے دوسروں سے ممکن نہیں۔ اسلئے کہ احادیث بکثرت ہیں۔ اور ظاہر نصوص پر عمل کرنا خلاف مرضی شارع ہے۔ (جیسا کہ ابھی معلوم ہوا) خصوصاً ایسے موقع میں کہ باہم احادیث میں تعارض بھی ہو اور محدثین نہ مواقع استدلال جانتے ہیں نہ استنباط مسائل کا طریقہ اُن کو معلوم ہے۔ اس صورت میں اگر مجتہدوں کی طرف رجوع نہ کیا جائے تو مقصود شارع کا یقیناً فوت ہو جائے گا۔ اِسلئے فتویٰ کا کام انہوں نے فقہا کے ذمہ کر دیا تھا۔ اُن کے نزدیک یہ ہرگز ثابت نہ ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کہ چند حدیثیں بخاری یا صحاح ستہ کی جو بہ نسبت کل حدیثوں کے عشر عشیر بھی نہیں واجب العمل ہوں اور باقی واجب الترک۔

کثرت احادیث یوں ثابت ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا سے زمانۂ نبوت سے تئیس سال تک احکام الٰہی پہونچاتے رہے۔ اور نبوت کا لازمہ کلام ہے۔ اگر اقل درجہ دن رات کے کلام دس گیارہ ہی فرض کیے جائیں تو ایام نبوت کے صرف اقوال تخمیناً ایک لاکھ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تو صحابہ ایک لاکھ سے زیادہ ہیں۔ مگر صرف دس ہی صحابہ سے ہر ایک قول بروی ہو تو بحسب اصطلاح محدثین دس لاکھ حدیثیں صرف اقوال ہی کی ہو جاتی ہیں کیونکہ عند محدثین متن اور اسناد کے مجموعہ کو اکثر حدیث کہتے ہیں۔ چنانچہ

شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ حدیث لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ والحدیث. کی دو اسنادیں ہیں ایک روایت قتادہ عن انس رضہ دوسری روایت عبدالعزیز عن انس رضہ یہ دونوں دو حدیثیں سمجھی جاتی ہیں. بلکہ غور کیا جاوے تو محدثین کے نزدیک حدیث اسناد ہی کا نام ہے. جیسا کہ ابن صلاح رحمہ نے مقدمہ میں لکھا ہے. متی قالوا

ہذا حدیث صحیح فمعناہ اتصل سندہ مع سائر الاوصاف المذکورۃ ولیس من شرطہ ان یکون مقطوعاً بہ فی نفس الامر الی ان قال وکذلک متی قالوا فی حدیث انہ غیر صحیح فلیس ذلک قطعاً بانہ کذب فی نفس الامر اذ قد یکون صدقاً فی نفس الامر وانما المراد انہ لم یصح اسنادہ علی الشرط المذکور. یعنی محدثین جس حدیث کو صحیح یا غیر صحیح کہتے ہیں. تو اُس سے مراد اسناد ہوتی ہے حدیث کے صحیح ہونیکا یہ مطلب نہیں کہ متن حدیث ہی نفس الامر میں صحیح ہے. اور نہ غیر صحیح ہونیکا یہ مطلب ہے کہ متن نفس الامر میں غلط ہے. اسیطرح ابن حجر مکی رحمہ الجواہر المنظم فی زیارۃ قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے قال السبکی ذہ ربما یجب ان یبین ان حکم المحدث بالانکار والاستغراب قد یکون بحسب تلک الطرق والمیزم من ذلک رد متن الحدیث بخلاف اطلاق الفقیہ ان الحدیث موضوع فانہ حکم علی المتن من حیث الجملۃ یعنی محدثین جب کسی حدیث کا انکار کرتے ہیں تو اُس سے صرف اسناد کا انکار مقصود ہوتا ہے. بخلاف اسکے اگر فقیہ کسی حدیث کو موضوع کہدے تو اُس سے متن حدیث موضوع سمجھا جائیگا. اور امام نووی رحمہ نے کتاب التقریب والتیسیر میں لکھا ہے واذا قیل (ہذا حدیث) غیر صحیح فمعناہ لم یصح اسنادہ

غرضکہ دس دس صحابیوں سے ہر ایک متن مروی ہو تو بحسب اصطلاح محدثین دس لاکھ حدیثیں ہو جاتی ہیں پھر جسطرح حدیث کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر ہوتا ہے۔ اسیطرح حضرت کے افعال اور تقریر اور نیز صحابہ کے اقوال اور افعال اور تقریر پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ سید شریف علامہ رح نے مختصر الجرجانی میں لکھا ہے۔ والحدیث اعم من ان یکون قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ والتابعی وفعلہم وتقریرہم۔ جب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حدیثوں کا اندازہ دس لاکھ ہو تو حضرت کے افعال وتقریر اور اصحاب وتابعین کی کثرت کے لحاظ سے ان کے اقوال وافعال وغیرہ کا اندازہ کیا جائے تو کروڑوں کی نوبت پہونچ جائیگی۔ حالانکہ روئے زمین پر اتنی حدیثوں کا وجود اب باقی نہیں۔ البتہ امام احمد رح کے قول سے کروڑ حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جیسا کہ طبقات کبریٰ میں شیخ الاسلام تاج الدین سبکی رح نے لکھا ہے۔ قال عبد اللہ ابن احمد رضی اللہ عنہ کتب ابی عشرۃ الاف الف حدیث لم یکتب سوادا فی بیاض الا حفظہ مگر وہ بھی مفقود ہیں۔ پھر ان میں سے صحیح کچھ اوپر سات لاکھ حدیثیں امام احمد رح کے قول سے ثابت ہیں۔ جیسا کہ تدریب الراوی میں امام سیوطی رح نے لکھا ہے قال ابن الجوزی رح حصر الاحادیث یبعد امکانہ غیر ان جماعۃ بالغوا فی تتبعہا وحصروہا۔ قال الامام احمد صح سبعمائۃ الف۔ اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ ایک لاکھ صحیح حدیثیں مجھے یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح جیسا کہ مقدمہ فتح الباری شرح بخاری میں شیخ الاسلام ابن حجر رح نے لکھا ہے۔

اب صحیحین کی حدیثوں کو بھی دیکھ لیجئے کہ کتنی ہیں۔ جواہر الاصول میں شیخ ابو المعالی
محمد ابن علی الفارسی رح نے لکھا ہے کہ بخاری اور مسلم میں بحذف مکررات سب چار
ہزار حدیثیں ہیں۔" وہ بھی صرف احادیث مرفوعہ نہیں اُن میں صحابہ و تابعین
کے اقوال وافعال و تقریر بھی شامل ہیں۔ پھر وہ بھی صرف احکام سے متعلق
نہیں۔ بلکہ اُن میں فضائل اور قصص و حکایات وغیرہ بھی شریک ہیں اب غور کیجئے
کہ کہاں ایک کروڑ یا سات لاکھ حدیثیں اور کہاں چار ہزار؟ وجدان صحیح اور عقل سلیم
سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جن اہل اجتہاد محدثین واکابر دین کے پیش نظر
وہ لاکھوں حدیثوں کا ذخیرہ ہو کیا ممکن ہے کہ وہ دین کو ان دو چار ہزار
حدیثوں میں منحصر کر دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ غرضکہ ان حضرات نے جنکے
سلسلۂ تلامذہ میں ہونے پر امام بخاری و مسلم وغیرہ رح کو ناز ہے۔ جب دیکھا
کہ فقہا خصوصاً امام اعظم رح فن حدیث میں کامل اور قوت اجتہادیہ اور تورع
میں بے نظیر ہیں اس لئے اُن کے اجتہاد کو تسلیم کر کے مدت العمر ان کے
ممنون رہے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔

یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ اجتہاد ایک مشکل کام ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب
نے عقد الجید میں لکھا ہے کہ اجتہاد کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت
ہے۔ مثلاً علم تفسیر۔ حدیث۔ اقوال علمائے سلف۔ ناسخ منسوخ۔ لغت عربیہ
استنباط احکام۔ مجمل۔ مفسر وغیرہ جن کی فہرست اگر لکھی جائے تو ایک مستقل
رسالہ ہو جائیگا۔ انہی امور کے مباحث میں ایک بڑا فن اصول فقہ مدون کیا۔
ان امور میں کامل دستگاہ حاصل کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اسی وجہ سے صحابہ میں

ہیں دس پانچ ہی مجتہد ہوئے جن سے فتوے پوچھے جاتے تھے انہیں حضرات کے اجتہاد کو دیکھ کر مجتہدین نے اجتہاد کے طریقے مدون کئے۔ اور طبیعت خداداد سے ایسے اجتہاد کئے کہ عموماً محدثین نے بھی انکو اپنے معتقد امان لئے

اب ہم چند نظائر اجتہادات صحابہ واکابر دین کے پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ائمہ مجتہدین نے جو اجتہاد کئے ہیں وہ انہی حضرات کی اتباع تھی۔

منتقی الاخبار میں ابن تیمیہ رح نے روایت کیا ہے عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ لما بعث فی غزوۃ ذات السلاسل قال احتلمت فی لیلۃ باردۃ شدیدۃ البرد فاشفقت ان اغتسلت ان اہلک فتیممت ثم صلیت باصحابی صلاۃ الصبح فلما قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکروا ذلک لہ فقال یا عمرو صلیت باصحابک وانت جنب فقلت ذکرت قول اللہ تعالیٰ ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما فتیممت ثم صلیت فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولم یقل شیئا رواہ احمد و ابوداود والدارقطنی۔ یعنی عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ جب غزوہ ذات السلاسل میں لشکر بھیجا گیا تو ایک رات مجھے احتلام ہوا چونکہ سردی نہایت شدت سے تھی اور غسل کرنے میں خوف ہلاک تھا۔ اسلئے میں نے تیمم کر لیا اور نماز صبح میں اپنے رفقا کی امامت کی جب ہم واپس آئے تو لوگوں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ اے عمرو تم نے جنابت کی حالت میں امامت کی میں نے عرض کی کہ مجھے خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد آیا ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما یعنی مت قتل کرو تم اپنی جانوں کو اللہ تم پر رحیم ہے۔ اسلئے میں نے تیمم کرکے نماز پڑھی۔ یہ سنکر حضرت نے

تبسم کیا اور کچھ نہ فرمایا۔ دیکھئے جب اس واقعہ میں صحابہ کی شکایت بارگاہ نبوی میں
پیش ہوئی اور حضرت نے کسی قدر سختی سے سوال فرمایا کہ کیا تم نے جنابت
کی حالت میں امامت کی اس وقت انہوں نے جواب میں اپنا اجتہاد پیش
کیا کہ گو صراحۃً ایسے موقع میں تیمم کی اجازت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں
مگر میں نے اپنے اجتہاد سے یہ رائے قائم کرلی کہ قولہ تعالیٰ ولا تقتلوا انفسکم
کی نہی عام ہے۔ اسلئے اس موقع میں غسل جائز نہیں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں
تیمم کی اجازت ہے اسلئے خوف ہلاک کی صورت کو اسی پر قیاس کرکے
تیمم کرلیا۔ پھر اس اجتہاد اور قیاس پر یہ وثوق اور اعتماد کہ اپنی ہی نماز نہیں سب
کی نمازوں کا بار اپنے ذمہ لیا اور یہ بھی نہ کہا کہ صاحبو مجھے امامت سے
معذور رکھو میں ضرورۃً اپنی نماز ادا کرلیتا ہوں۔ اور اُس اجتہاد کی تقلید سب صحابہ
نے کی اور کسی نے یہ نہ کہا کہ حضرت ایسے اشتباہی استدلال کو ہم نہ مانینگے
اور یہ قیاس اول من قاس ابلیس کی رو سے صحیح نہیں ہوسکتا۔ اسلئے آپ
اپنی نماز کے مختار ہو ہمیں اقتدا سے معاف رکھئے۔ پھر اُسی اجتہاد کو کمال
استقلال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا جسکو کمال
خوشنودی سے حضرت نے منظور اور مقبول فرمایا جس سے مجتہدوں کے
حوصلے بڑھے اور معلوم ہوگیا کہ اہل رائے کا اجتہاد اور قیاس بھی دین میں
ایک باوقعت چیز ہے۔

عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال اُتی علی رضی اللہ عنہ بثلاثۃ وھو بالیمن وقعوا علی امرأۃ فی طھر واحد
فسأل اثنین اتقران لھذا بالولد قال لا حتی سألھم جمیعا فجعل کلما سأل اثنین قالا

لا فارع بینہم فالحق الولد بالذی صارت علیہ القرعۃ وجعل علیہ ثلثی الدیۃ قال فذکر

ذالک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فضحک حتی بدت نواجذہ رواہ ابوداؤد یعنی

جب علی کرم اللہ وجہہ یمن میں تشریف رکھتے تھے یہ مقدمہ پیش ہوا کہ تین

شخص ایک عورت کیساتھ ایک ہی طہر میں مرتکب ہوئے اور بچہ پیدا ہونیکے بعد

دعوے پیش ہوا۔ آپ اُن میں سے دو دو شخصوں سے پوچھتے تھے کہ

کیا تم منظور کرتے ہو کہ وہ لڑکا اُس تیسرے شخص کا ہے۔ جب کسی نے

منظور نہ کیا تو آپنے قرعہ ڈالا اور جس کے نام قرعہ نکلا بچہ اُس کے حوالہ کر کے

دو ثلث دیت اُس سے دونوں کو دلا دیا جب یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے روبرو عرض کیا گیا آپ نہایت خوش ہوئے بخاری اور مسلم

میں ایک روایت ہے جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو بعض عربنے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ابوبکر رضی اللہ

عنہ نے اُنسے جہاد کرنا چاہا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اُن کیساتھ جہاد

کیونکر جائز ہوگا وہ تو لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے۔ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال لا الہ الا اللہ

فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ تعالیٰ۔ یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل

ہوگیا اُس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا اور اندرونی معاملہ اور

محاسبہ اُس کا خدا کے ساتھ ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اُن لوگوں سے

جہاد کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے

ہیں حالانکہ وہ دونوں حقوق اللہ ہیں بیانات عمر رضی اللہ عنہ کی بھی سمجھ میں آگئی

چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا اور کل صحابہ نے بھی اسکو مان لیا۔ یہ حدیث آئندہ نقل
کی جائیگی۔

دیکھئے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے
بلکہ بظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ درست نہیں۔ مگر اجتہاد سے
یہ مسئلہ ثابت ہوا اور کل صحابہ کے مان لینے سے جواز اجتہاد پر صحابہ کا
اجماع بھی ثابت ہو گیا۔

بخاری شریف میں روایت ہے عن عبداللہ بن عبیداللہ ابن ابی ملیکۃ قال
توفیت ابنۃ لعثمان رضی اللہ عنہ بمکۃ وجئنا لنشہدہا وحضرہا ابن عمر وابن عباس
رضی اللہ عنہم وانی لجالس بینہما او قال جلست الی احدہما ثم جاء الآخر فجلس الی جنبی
فقال عبداللہ ابن عمر لعمرو بن عثمان الا تنہی عن البکاء فان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال ان المیت لیعذب ببکاء اہلہ علیہ فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما
قد کان عمر رضی اللہ عنہ یقول بعض ذلک ثم حدث فقال صدرت مع عمر رضی اللہ
عنہ من مکۃ حتی اذا کنا بالبیداء اذا ہو برکب تحت ظل سمرۃ فقال اذہب فانظر
من ہؤلاء الرکب قال فنظرت فاذا صہیب فاخبرتہ فقال ادع لی فرجعت الی
صہیب فقلت ارتحل فالحق امیر المومنین فلما اصیب عمر دخل صہیب یبکی یقول وا اخاہ
وا صاحباہ فقال عمر رضی اللہ عنہ یا صہیب اتبکی علی وقد قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان المیت یعذب ببعض بکاء اہلہ علیہ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما
فلما مات عمر ذکرت ذلک لعائشۃ رضی اللہ عنہا فقالت یرحم اللہ عمر واللہ
ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیعذب المومن ببکاء اہلہ علیہ

لکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیزید الکافر عذابا ببکاء اہلہ علیہ وقالت
حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما عند ذلک واللہ
ہو اضحک وابکی قال ابن ابی ملیکۃ واللہ ما قال ابن عمر رضی اللہ عنہما شیئا۔ حاصل اس کا یہ ہے
کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا اور
ہم جنازہ میں حاضر ہوئے جنمیں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم
بھی تھے زنانہ سے رونیکی آواز آئی عبد اللہ ابن عمر رضہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے
فرزند سے کہا کیا آپ عورتوں کو رونے سے نہیں منع کرتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ اہل میت کے رونے سے میت پر عذاب کیا جاتا ہے اسپر ابن عباس نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ
بھی کچھ ایسا ہی کہا کرتے تھے چنانچہ جب وہ زخمی ہوئے تو صہیب رضی اللہ
عنہ آئے اور وا اخاہ اور وا صاحباہ کہتے ہوئے زار زار رونے لگے
عمر رضہ نے اس حالت میں ان سے کہا اے صہیب کیا تم مجھپر روتے ہو
حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میت کے
علاقہ دار اسپر روتے ہیں تو بعض اسباب سے اسپر عذاب کیا جاتا ہے
ابن عباس رضہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا تذکرہ میں نے عائشہ رضی اللہ
عنہا سے کیا انہوں نے فرمایا خدائے تعالیٰ عمر رضہ پر رحم کرے خدا کی
قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ کسی کے رونے
سے مسلمان پر عذاب ہوتا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ رونے سے کافر پر
عذاب زیادہ ہوتا ہے۔ اور اسپر کافی استدلال یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا
ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یعنی کسی پر دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا

ابن عباس رضہ نے یہ بیان کر کے کہ رلانا اور ہنسانا خدا ہی کا کام ہے۔
ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضہ یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ دیکھئے عمر اور ابن
عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث سے استدلال کیا تھا اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے
اجتہاد کر کے فرمایا کہ پہلے تو اس حدیث میں مسلمان کا ذکر ہی نہیں پھر قرآن
سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں ملتی
اسلئے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رونے کی وجہ سے کافروں پر عذاب
زیادہ ہوتا ہے اسلئے کہ اُن کو عذاب کرنا ہر طرح مقصود ہے جب مردے
کی نسبت کوئی تعظیمی الفاظ وغیرہ کہتے ہیں تو فرشتوں کا غضب زیادہ ہو جاتا
ہے۔ اور سخت عذاب کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آیات واحادیث
کا مطلب سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں اُسکے سمجھنے کے لئے دوسرے احادیث
وآیات سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ اور اُسکے لئے فہم کامل اور رائے
صائب کی ضرورت ہے اسلئے کہ ہر کلام کے وقت کوئی ایک مقصود بالذات
رہتا ہے جسکے اظہار کے لئے وہ کلام کہا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ تمام
پہلو اور جوانب پر نظر ڈالکر اُس کو مثل تعریف کے جامع ومانع بنا دیا جائے
مثلاً اگر کہا جائے کہ ابو حنیفہ رح اہل الرائے میں ہیں۔ تو اُس سے
یہی سمجھا جائے گا کہ وہ سمجھدار اور صاحب رائے تھے یہ نہیں سمجھا جائیگا
کہ اُن کو حدیث آتی نہ تھی اور نہ یہ کہ اپنی رائے سے وہ خلاف
قرآن وحدیث مسئلے نکالتے تھے اور نہ یہ کہ سوائے اُن کے کسی
محدث کو رائے صائب نصیب ہی نہ ہوئی پھر اگر اُس کے ساتھ کچھ قرائن

بھی ہوں تو بحسب قرائن دوسرے مقاصد بھی معلوم ہوں گے۔ مثلاً ایسی جلا مرح
کے مقام میں دوسرے محدثوں کے ذکر کے ساتھ کہا جائے تو اس کے
متکلم کا مقصود یہ معلوم ہوگا کہ تمام محدثین میں وہ اعلیٰ درجے کے شخص
تھے۔ احادیث کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ اکابر محدثین نے اسی غرض سے
اُن پر اس لفظ کا اطلاق کیا تھا جیسا کہ قرائن سے ظاہر ہے مگر حاسدوں کو
صرف لفظ بے موقع ملگیا اور دوسرے قرائن کو نظرانداز کر کے کہنے لگی
کہ ان کو حدیث آتی ہی نہ تھی۔ صرف عقل سے باتیں بنایا کرتے تھے غرضکہ
ہر کلام میں ایک خاص مقصود پیش نظر ہوتا ہے جو قرائن سے معلوم ہوتا ہے
تمام مضامین کا احتوا اُس سے مقصود نہیں ہوتا اسلئے اہل رائے اور مجتہدین
قرائن اور معانی اور دوسرے احادیث و آیات پر نظر ڈال کر اُس کا حکم
اُسی حصہ کے ساتھ خاص کرتے ہیں جو وہاں مقصود ہوتا ہے اور دوسرے
احکام پر اُس کا اثر نہیں ڈالتے۔ بخلاف اُنکے جنکو اس درجہ کی قوت نہیں
ہوتی اُس کو ظاہر پر حمل کر کے مقصود فوت کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث
شریف سے جو مسلم میں ہے یہی بات ظاہر ہے۔ مضمون اس حدیث کا یہ ہے
کہ عروہ رح کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں نے اپنا خیال ظاہر کیا
کہ اگر کوئی شخص صفا و مروہ میں سعی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ انہوں نے
فرمایا کیا وجہ میں نے کہا اسلئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ان الصفا والمروۃ
من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بہما یعنی صفا
و مروہ نشانیاں ہیں اللہ کی جو کوئی حج کرے اس گھر کا یا زیارت تو گناہ نہیں

اُس کو کہ طواف کرے اُن دونوں میں"۔ اِس سے ظاہر ہے کہ سعی نہ کرنا جائز
اور اگر کوئی کر لے تو مضائقہ بھی نہیں۔ اُنہوں نے فرمایا بات یہ ہے کہ جاہلیت
میں وہاں دو بُت تھے جن کا نام اساف اور نائلہ تھا انصار کی عادت تھی کہ
سمندر کے کنارے سے احرام باندھ کر آتے اور اُن کا طواف کرتے
اور بعض منات کے نام سے احرام باندھتے تو وہ صفا و مروہ کے طواف کو
حرام سمجھتے تھے پھر جب وہ مسلمان ہوئے اور حج کرنا چاہا تو اُن بتوں کے
خیال سے صفا و مروہ کی سعی کو مکروہ سمجھنے لگے۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی
کہ اگر سعی کریں تو کچھ مضائقہ نہیں اِسلئے کہ اب نہ وہ بُت رہے نہ وہ نیت
پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے خود سعی کی اور تمام مسلمانوں نے اقتدا کی
جس سے سعی مسنون اور ضروری ہوگئی۔ اگر یہ مقصود ہوتا کہ طواف نہ کریں تو مضائقہ
نہیں جیسا کہ تم نے خیال کیا ہے تو فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما ہوتا"
اب دیکھئے کہ ظاہر قرآن سے ہر شخص یہی سمجھیگا کہ طواف نہ کرنا بہتر ہے مگر چونکہ
عائشہ رضی اللہ عنہا شان نزول پر مطلع اور اُس واقعہ سے واقف تھیں
اِسلئے اُسی آیت سے جواب دیدیا کہ آیت میں یہ کہاں ہے کہ طواف
نہ کریں تو مضائقہ نہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو اور یہ بات ثابت کردی کہ اس موقع
میں اسی قدر ضرورت تھی کہ طواف کو جو مکروہ سمجھتے تھے اُنکے ذہن سے نکل جائے
اب رہی یہ بات کہ وہ ضروری ہے یا نہیں اور اُس کا وقت کونسا ہے
اور اُسکے نہ کرنے میں مواخذہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ سو یہ امور دوسرے ہیں ان سب کا
فیصلہ ایک ہی بات میں کردیا گیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماویں اُس کو

قبول کرو کما قال تعالیٰ وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا اس سے ثابت ہوا
کہ جیسے قرآن شریعت میں ثابت ہو چکا ہے اور حسب آیۂ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم
دین کی تکمیل بھی ہو چکی۔ مگر بغیر قبول احادیث کے کسی کا دین کامل نہیں بلکہ
یہ مسئلہ منجملہ مسائل متفق علیہ کسی کا کلام نہیں۔ در منثور میں ہے۔ واخرج احمد وعبد بن حمید
والبخاری ومسلم وابن المنذر وابن مردویہ عن علقمۃ قال قال عبد اللہ
لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ
فبلغ ذلک امرأۃ من بنی اسد یقال لہا ام یعقوب فجاءت الیہ فقالت انہ بلغنی انک
لعنت کیت وکیت قال ومالی لا العن من لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ہو فی
کتاب اللہ قالت قرأت ما بین اللوحین فما وجدت فیہ شیئا من ہذا قال لئن کنت
قرأتیہ لقد وجدتیہ اما قرأت وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ قالت بلیٰ قال
فانہ قد نہی عنہ یعنی عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی لعنت ہے اُن عورتوں پر
جو گودنا گودتی ہیں اور گدواتی ہیں اور چہرہ کے بال چنواتی ہیں۔ اور دانتوں کو جدا
کے حسن کی غرض سے خلق اللہ میں تغیر کرتی ہیں یہ سنکر قبیلہ بنی اسد سے
ایک عورت آئی جس کا نام ام یعقوب کہتے تھے۔ اور کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے
کہ آپ فلاں فلاں قسم کی عورتوں پر لعنت کرتے ہیں فرمایا میں کیوں نہ لعنت کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے لعنت کی۔ اور خود قرآن میں موجود ہو تو مجھے لعنت کرنے میں
کیا تامل کہا میں نے پورا قرآن پڑھا اُس میں تو یہ بات کہیں نہیں فرمایا اگر تو نے
قرآن پڑھا ہوتا تو اُس کو ضرور پاتی۔ پھر فرمایا کیا یہ آیت نہیں ہے ما اٰتاکم الرسول
فخذوہ الآیۃ یعنی رسول جو حکم تمہیں دیں اسکو قبول کرو اور بجالاؤ اور جس بات

منع کریں اس سے باز رہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ تو فرمایا حضرت نے ان کو منع فرما دیا ہے۔ دیکھئے قرآن میں ان عورتوں پر لعنت ہونے کا کہیں ذکر نہیں مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استنباط کر کے صاف کہہ دیا کہ وہ قرآن میں مذکور ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اگر تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے اجتہاد لکھے جائیں تو ایک مستقل کتاب بن جائیگی۔ یہ سلسلہ امام بخاری رحمۃ اللہ تک بھی جاری رہا چنانچہ انہوں نے بھی بہت سے مسائل میں اجتہاد کئے ہیں۔ بخاری شریف میں گو کہیں منصوص نہیں کہ ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کے بال جس پانی سے دھوئے جائیں وہ پانی پاک ہے۔ اگرچہ صراحۃً یہ بات نہیں لکھی مگر ایک باب منعقد کیا جس کا عنوان یہ ہے باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان اور اس میں اس حدیث کو نقل کیا۔ عن ابن سیرین قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اہل انس فقال لان تکون عندی شعرۃ منہ احب الی من الدنیا وما فیہا۔ یعنی ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے یہاں چند موئے مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو انس رضی اللہ عنہ کے یہاں سے ہمیں ملے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان میں سے ایک موئے مبارک بھی میرے پاس ہوتا تو وہ دنیا اور اس میں جتنی چیزیں ہیں سب سے زیادہ محبوب ہوتا۔ قسطلانی رحمۃ اللہ نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ ترجمۃ الباب سے اس حدیث کو مناسبت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے موئے مبارک کی حفاظت کی اور عبیدہ نے اس کی آرزو کی۔ اس سے

معلوم ہوا کہ مطلقاً بال پاک ہیں۔ اور جب وہ پاک ہیں تو جس پانی سے وہ دھوئے جائیں
وہ بھی پاک ہوگا۔ مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
موئے مبارک فی نفسہ مکرم ہیں۔ اس پر دوسرے بالوں کا قیاس کیونکر صحیح ہوگا۔ تو
اس کا جواب دیا گیا کہ خصوصیت بغیر دلیل کے نہیں ثابت ہوتی اور اصل عدم
خصوصیت ہے مگر اس کا ایک معارضہ کیا گیا جس کا بیان طویل ہے انتہی

ہمت دوسری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک دنیا و ما فیہا
سے بہتر ہیں۔ اس پر کسی دوسرے کے بالوں کو قیاس کرنا اور اس سے یہ خیال
پیدا کرنا کہ ان کا دھویا ہوا پانی پاک ہے محض اور صاف [illegible]
حالانکہ نیل الاوطار میں تلخیص الحبیر کا قول [illegible] حدیث نقل کی ہے کہ ام ایمن
رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پی لیا تو حضرت نے
سوائے اس کے کچھ نہ فرمایا کہ [illegible]
حضرت کے فضلات وغیرہ کے خصوصیات کا ادنیٰ سے ادنیٰ بھی [illegible]
نہیں ہو سکتا۔ مگر اس سے یہ تو ظاہر ہے کہ [illegible] نے نہیں [illegible]
کیا۔

غرض مسئلہ اجتہاد کے باب میں جو احادیث و روایات وارد ہیں [illegible]
اجتہاد کا مفہوم ایسا وسیع ہے کہ قیاس مجتہدین بھی اس میں داخل ہے
مگر چونکہ قیاس کے جواز و عدم جواز میں جھگڑے پڑے ہوئے ہیں جا بجا
بعض لوگ بسبب قیاس ابلیس کے لحاظ سے قیاس کو جائز ہی نہیں رکھتے اور بعض
اگرچہ جائز رکھتے ہیں مگر اتنی وسعت دیتے ہیں کہ ایسا قیاس کیا ہے کہ [illegible] نے

لـ اس میں بحث کی ضرورت ہے تاکہ حد افراط و تفریط پیش نظر رہے اور
معلوم ہو جائے کہ کس قسم کا قیاس جائز ہے اور کس قسم کا ناجائز۔ سنن
دارمی میں روایت ہے۔ عن الحسن انہ تلا ہذہ الآیۃ خلقتنی من نار و خلقتہ من
طین قال قاس ابلیس وھو اول من قاس۔ یعنی حسن بصری رح نے یہ آیت پڑھی
جس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس نے حق تعالیٰ سے کہا تو نے مجھے
آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ حسن بصری رح نے یہ آیت پڑھ کر
کہا ابلیس نے قیاس کیا اور سب سے پہلے جس نے قیاس کیا
وہ ابلیس ہے۔ یہاں غور کرنا چاہئے کہ اس قیاس کی حقیقت کیا ہے پہلے
سمجھ لیجئے کہ اس وقت میں یہاں ابلیس اور یہاں فرشتے
اور انسان ... یہ بات ظاہر ہے کہ ابلیس نے جو قیاس کیا اس سے
مقصود اس کا یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے جو آدم علیہ السلام کی فضیلت
اُن کو ... سجدہ کا حکم فرمایا تھا وہ باطل کر دے اور اپنی
فضیلت ثابت کرے ... یہ قیاس پیش کیا
کہ میں ... سے افضل ہوں لہٰذا میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں
اس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ جو بات قرآن و حدیث سے صراحۃً ثابت ہو
اُس کے ابطال کی غرض سے قیاس پیش کیا جائے تو وہ پیروی ابلیس ہوگی
سلف صالح نے جس قیاس کی مذمت کی ہے وہ یہی قیاس ہے دارمی
میں شعبی رح سے روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شعبی رح سے کسی نے
پوچھا کہ عورتوں کی دیت کیا ہے انہوں نے کہا دس درہم ... کہا

کیا خنصر اور ابہام برابر ہیں شریح رہ نے کہا کہ کان اور ہاتھ کی دیت بھی برابر ہے۔ حالانکہ کان کو سر کے بالوں سے اور عمامہ سے ڈھانپ سکتے ہیں پھر کہا کہ تمہارے قیاس پرست سلف ہے اُسی کی اتباع کرو اور بدعت سے بچو۔ اور جب تک تم سنت کی اتباع کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے پھر شعبی رح نے کہا کہ اگر احنف جو عقل و تدبیر میں ضرب المثل ہے مارا جائے تو اُسکی دیت اور اُس لڑکے کی دیت برابر ہوگی جو ہنوز گہوارہ میں پڑا ہوا ہے دیکھئے سائل کا مقصود تھا کہ بحسب عقل خنصر اور ابہام کی دیت برابر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ان دونوں کی قوت اور مصالح و فوائد میں فرق بین ہے یہی قیاس ابلیسانہ ہے۔ اسلئے کہ اُس سے حکم شرعی کا ابطال یا اُسپر اعتراض مقصود ہے اس قسم کے قیاس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ حلال چیزیں حرام ہو جائیں اور حرام حلال جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے عن الشعبی قال واللہ لئن اخذتم بالمقائس لتحرمن الحلال ولتحلن الحرام رواہ الدارمی یعنی اگر تم قیاس کرنے لگو گے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دو گے۔ اِس لئے کہ جب احکام شرعیہ کے مقابلہ میں اپنی عقل سے کام لیا جائے تو وہی دین بنجائیگا جو تراشیدہ عقل ہے اور خدا کا مقرر کیا ہوا دین باقی نہ رہے گا پھر اُس تراشیدہ دین سے دین اسلام کو تعلق ہی کیا اور جب اُس دین کو اسلام سے تعلق نہ ہو تو اُس دین کو تراشنے والے اور عمل کرنے والے کو کیا تعلق غرضکہ جو کوئی ابلیسانہ قیاس کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دے اُس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے چہ جائیکہ سید الفقہا وغیرہ القاب جو محدثین نے

امام اعظم رح کی نسبت استعمال کئے ہیں اب اور دیکھئے بجائے اسکے کہ امام صاحب کے قیاسات سے حرام حلال اور حلال حرام ہونے کا خیال کیا جائے اکابر محدثین کی تصریح سے ثابت ہے کہ اگر اُن کے اقوال کو کوئی نہ دیکھے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیگا۔ اور انہی قیاسات و تفقہ پر وہ حضرات اعتراف کر رہے ہیں۔ کہ ہم عطار اور آپ طبیب ہو اور امیر المومنین فی الحدیث کہہ رہے ہیں کہ جب تک ابوحنیفہ سے ہمیں ملاقات نہ ہوئی حلال و حرام کے اصول ہمیں معلوم نہ ہوئے اور اسکے سوا جو جو تعریفیں اُن کے علم و تفقہ وغیرہ کی محدثین نے کی ہیں وہ تو جداہی ہیں۔ اگر فی الواقع آپ کے قیاس مخالف حدیث ہوتے تو جتنے محدثین نے آپ کی توثیق اور مدح کی ہے۔ وہ معاذ اللہ ایک کافر یا فاسق کی توثیق اور مدح سمجھی جاتی اور اِس تقدیر پر بحسب اصول فن حدیث اون اکابر دین کی جرح و تعدیل بے اعتبار محض ثابت ہوتی۔ اور اِس بے اعتباری کا اثر جرح و تعدیل ہی تک محدود نہ ہوتا بلکہ اُن کی کل احادیث مرویہ بھی بے اعتبار ہو جاتے اور اسکے ساتھ ہی یہ ضرورت واقع ہو گی۔ کہ بخاری شریف سے وہ حدیثیں خارج کر کے ایک نئی بخاری بنائی جائے۔ اور چونکہ یہ بات ثابت ہے کہ جن حضرات پر احادیث صحیح کی اسناد کا مدار ہے وہ سب امام صاحب کے مداح ہیں۔ اس وجہ سے تعجب نہیں کہ پوری بخاری شریف ہاتھ سے جاتی رہے۔ غرضکہ امام صاحب کے قیاسوں اور رائے میں کلام کرنے کا یہ اثر ہوگا کہ بخاری بلکہ کل صحاح بے اعتبار

ہو جائینگے۔ اس لئے اہل حدیث کو طوعاً و کرہاً یہ ماننا پڑیگا کہ امام صاحب کے قیاس اور رائے ہرگز مخالف شرع شریف نہیں۔ روایت ہے کہ کسی نے امام صاحب کے قیاس پر اعتراض کر کے اول من قاس ابلیس کہا تھا آپ نے جواب دیا کہ ابلیس نے اپنے قیاس سے خدا کے کلام کو رد کیا تھا جس سے کافر ہوا اور ہم قیاس کو کتاب و سُنّت اور اقوال صحابہ کی طرف پھیرتے ہیں جس سے اتباع مقصود ہے " اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب اس قسم کے قیاس کو کفر سمجھتے تھے۔

پہلے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ قیاس کا طریقہ خود قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم بآخذیہ الا ان تغمضوا فیہ۔ اس میں ارشاد ہے کہ اپنے پاکیزہ مال کو خرچ کرو کیونکہ جس طرح تم بری چیز کے لینے کو ناپسند کرتے ہو دوسرا بھی اُسکے لینے کو ناپسند کرے گا۔ دیکھئے اس میں مال خبیث کے دینے کا قیاس اُسکے لینے پر کیا گیا۔

اور اس حدیث شریف سے بھی یہی ظاہر ہے عن ابن عباس رضؓ ان امراۃ من جہینۃ جاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افاحج عنہا قال نعم حجی عنہا ارأیت لو کان علی امک دین اکنت قاضیۃ اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء رواہ البخاری۔ یعنی ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں نے حج کی نذر کی تھی۔

اور بغیر ایفائے نذر کے مرگئی کیا میں اس کی طرف سے حج کروں فرمایا ہاں اگر تیری
ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تو اسکو ادا کرتی۔ پھر فرمایا کہ خداے تعالیٰ کے حق
کو ادا کرو وہ زیادہ تر اس کا مستحق ہے کہ اُسکے حقوق ادا کیے جائیں۔
دیکھیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر کا قیاس قرضہ پر فرماکر مجتہدوں کو
اجتہاد کا طریقہ بتلایا ورنہ نظیر پیش کرنے اور قیاس کرنے کی کوئی ضرورت
نہ تھی نعم حجی عنہا فرما دینا کافی تھا۔ اسی طرح یہ حضرت کا قیاس فرمانا اس حدیث
سے ثابت ہے عن ابی ہریرۃ رضی ان اعرابیا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقال ان امراتی ولدت غلاما اسود وانی انکرتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہل لک من ابل قال نعم قال فما الوانہا قال حمر قال ہل فیہا من اورق قال ان فیہا
لورقا فقال فانی تری ذلک قال عرق نزعہا قال فلعل عرق نزعہ ولم یرخص لہ فی الانتفاء
منہ متفق علیہ المشکوۃ یعنی ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض
کیا کہ میری عورت نے سیاہ رنگ کا لڑکا جنا ہے اسلئے میں نے اس کا
انکار کردیا۔ حضرت نے فرمایا کیا تمہارے یہاں اونٹ ہیں کہا ہیں فرمایا
اُنکے رنگ کیسے ہیں کہا سرخ فرمایا کیا ان میں کوئی خاکی بھی ہے کہا ہے
فرمایا سرخ رنگ والوں میں خاکی کہاں سے آگیا۔ کہا شاید اصل میں کوئی
اس رنگ والا بھی ہوگا۔ فرمایا تمہارے لڑکے میں بھی یہی بات ہوگی غرضکہ
یہ قیاس پیش کرکے نفی نسب کی رخصت نہ دی" دیکھیے یہاں بھی وہ
قیاس ہے کہ اونٹ کے رنگ پر آدمی کے رنگ کو قیاس فرمایا۔ اور یہ
روایت بھی اسی کی موید ہے۔ عن انس رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سئل عن الصائم یقبل قال لاباس ریحانۃ یشمہا کذا فی کنز العمال یعنی کسی نے حضرت سے پوچھا کہ اگر روزہ دار بوسے تو اُس کا کیا حکم ہے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں وہ ایسا ہے جیسے ریحان کا سونگھنا۔ اور کشف بزدوی میں یہ روایت نقل کیا ہے قولہ علیہ السلام لام سلمۃ رضی اللہ عنہا وقد سئلت عن قبلۃ الصائم قال ہلا اخبرتیہ انی اقبل وانا صائم۔ یعنی ام سلمہ سے کسی نے پوچھا کہ صائم کے بوسہ لینے کا حکم کیا ہے انہوں نے حضرت سے ذکر کیا ارشاد ہوا کہ تم نے سائل سے کیوں نہیں کہدیا کہ میں روزہ کی حالت میں بوسہ لیا کرتا ہوں۔ مقصود اس سے قیاس کی تعلیم تھی کہ حضرت کے فعل پر اوروں کے فعل کو قیاس کر کے کیوں نہیں جواب دیا۔ اور اس کی تائید اُن حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جن میں احکام کے ساتھ علتیں بھی بیان کی گئیں۔ مثلاً فرمایا کہ بلی کا جھوٹا نجس نہیں اسلئے کہ وہ گھر میں پھرتی رہتی ہیں مقصود یہ کہ اُن سے پانی کا بچانا مشکل ہے۔ اس علت کے بیان فرمانے سے مقصود حضرت کا ظاہر ہے کہ جن جانوروں میں یہ علت پائیجائے اُن کا بھی جھوٹا نجس نہ ہوگا۔ ورنہ اس علت کا بیان کرنا بے فائدہ ہوتا۔ انہی امور پر غور کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قیاس کا طریقہ سیکھ لیا۔ اور اُن میں جو اہل رائے تھے وہ برابر قیاس سے استنباط مسائل کیا کرتے تھے اگر اُس کی کل نظائر لکھی جائیں تو کتاب ضخیم ہو جائیگی۔ اسلئے چند نظائر بطور مشتے نمونہ از خروارے یہاں لکھی جاتی ہیں۔ عن عروۃ ان عائشۃ رضی اللہ عنہا اخبرتہ انہ جاء افلح اخو ابی القعیس یستاذن علیہا بعد ما نزل الحجاب وکان ابو القعیس ابا عائشۃ من الرضاعۃ قالت عائشۃ

فقلت والله لا آذن لافلح حتى استأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم فان ابا القعيس ليس هو ارضعني ولكن ارضعتني امرأته قالت عائشة فلما دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت يا رسول الله ان افلح اخا ابي القعيس جاءني يستأذن علي فكرهت ان آذن له حتى استأذنك قال فقال النبي صلى الله عليه وسلم ائذني له قال عروة فبذلك كانت عائشة رضه تقول حرموا من الرضاعة ما تحرمون من النسب رواه مسلم۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کو صرف رضاعی چچا کے روبرو ہونے کی اجازت دی تھی اس پر انہوں نے قیاس کر کے کہا کہ جو نسبی ناتے حرام ہیں۔ وہ ناتے رضاعی بھی حرام ہیں۔

عن ابي هريرة رضه قال لما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم واستخلف ابو بكر رضه بعده وكفر من كفر من العرب قال عمر ابن الخطاب رضه لابي بكر رضه كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قال لا اله الا الله فقد عصم مني ماله ونفسه الا بحقه وحسابه على الله فقال ابو بكر والله لاقاتلن من فرق بين الصلوة والزكوة فان الزكوة حق المال والله لو منعوني عقالا كانوا يؤدونه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعه فقال عمر ابن الخطاب فوالله ما هو الا ان رأيت الله قد شرح صدر ابي بكر للقتال فعرفت انه الحق رواه البخاري ومسلم۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ایک انقلاب عظیم برپا ہوا کہ بعضے عرب بالکل کافر ہو گئے اور بعضے مرتد تو نہ ہوئے مگر زکوٰۃ دینے سے انکار کر

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدوں سے جہاد کرنے چاہا کہ اُن لوگوں نے یعنی
جہاد کریں جو زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا
آپ ان لوگوں سے کیونکر جہاد کروگے۔ وہ تو لاالٰہ الا اللہ کے قائل ہیں۔
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہوگیا
اُسنے اپنی جان و مال کو مجھسے بچا لیا اور اندرونی معاملہ اور حساب اُسکا
خدا کے ساتھ ہے۔ ابوبکر رضہ نے کہا میں اُن لوگوں سے ضرور جہاد کرونگا
جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ حق مالی ہے قسم ہے خدا کی
اگر بکری کا بچہ جو حضرت کے زمانہ میں ادا کرتے تھے مجھے نہ دیں
تو اُنسے ضرور جنگ کرونگا۔ عمر رضہ یہ سنکر قائل ہوگئے۔ اور کہا کہ میں
اب میرا بھی شرح صدر ہوا اور میں سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے جو صدیق
اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اب دیکھئے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو وہ حدیث یاد تھی کہ جو قائل لا الٰہ الا اللہ معصوم
الدم والمال ہے اور صدیق اکبر رضہ بھی اُس کو جانتے تھے مگر صدیق اکبر رضی اللہ
عنہ نے اجتہاد سے یہ فتوے دیا کہ وہ لوگ کلمہ گو ہیں مگر مستوجب قتل ہیں
اسلئے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں حالانکہ دونوں خدا تعالیٰ کے
حکم ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ کسی قبیلہ کے لوگ نماز چھوڑدیں تو اُنسے
جہاد کیا جاتا ہے پھر کیا وجہ کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد نہ کیا جائے
غرضکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کا قیاس نماز پر کرکے عمر رضہ کو ساکت
کردیا اسلئے کہ عمر رضہ جانتے تھے کہ مجتہد کا قیاس شریعت میں قابل تسلیم

اور واجب التعمیل ہے اس لئے عین مناظرہ میں انہوں نے اُسکو مان لیا
اور یہ نہ کہہ سکے کہ حضرت میں ایک صحیح نص قطعی پیش کر رہا ہوں جس کا علم
آپ کو بھی ہے اور اُس سے ثابت ہے کہ کوئی کلمہ گو زکوٰۃ نہ دینے کے
جرم میں قتل نہ کیا جائے اور آپ اپنے نص کے مقابلہ میں اپنا قیاس
پیش کرتے ہو جو اول من قاس ابلیس سے ناجائز ثابت ہوتا ہے۔
اب اس قیاس کے پر زور اور قوی طاقت کو دیکھئے کہ مسلمانوں کی
ایک جماعت کا خون اُس نے بہا دیا۔ اور کسی صحابی نے چون و چرا نہ کیا
جس سے صحابہ کا اجماع اس بات پر ثابت ہو گیا کہ دین میں قیاس مجتہدین
گویا ایک مستقل حجت ہے۔ اگر قیاس مجتہد صحابہ کی دانست میں قابل اعتبار ہوتا
تو اُس عروج اسلام کے زمانہ میں جس میں حمیت اسلامی کا جوش ہر ایک
مسلمان کے رگ و ریشے میں بھرا ہوا اور نمایاں تھا ممکن نہیں کہ حدیث
کے مقابلہ میں قیاس کی ترجیح کو وہ گوارا کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے ارشاد صریح کے مقابلہ میں ابوبکرؓ کی قیاسی بات چل جاتی کیونکہ وہ
زمانہ وہ تھا کہ خلاف شرع کسی کی کوئی بات نہیں چل سکتی تھی تہذیب التہذیب
میں امام بخاری کی تاریخ سے نقل کیا ہے۔ کہ ایک روز عمر رضی اللہ عنہ
بیٹھے تھے اور آپ کے اطراف مہاجرین و انصار کا مجمع تھا آپ نے
اُن حضرات سے خطاب کر کے کہا کہ اگر کسی کام میں میں تن آسانی کر لوں
تو آپ لوگ کیا کرو گے۔ بشر ابن سعد نے کہا کہ اگر آپ ایسا کرو گے تو ہم
آپ کو ایسے سیدھا کر دینگے جیسے کہ تیر کو سیدھا کرتا ہے [illegible]

کہا انتم اذا انتم یعنی تم اس وقت تم ہو گے یعنی ایسا ہی کرو گے تو صحابہ ہیچھے ہو جاؤ گے۔ اس موقع میں اہل سنت وجماعت میں تو کسی کی مجال نہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قیاس کرنے پر اعتراض کر سکے یا صحاب کے اجماع کو نہ مانے یا اس حدیث کی صحت میں کلام کرے۔

اہل حدیث فقہ کی توہین میں اول من قاس ابلیس نہایت جرأت سے کہا کرتے تھے۔ سو بفضلہ تعالیٰ یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ مجتہدوں کے قیاس پر اس کا اطلاق غلط محض ہے وہاں یہ کہنا صادق ہے اول من قاس النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتبعہ الصدیق وغیرہ من الصحابہ رضی اللہ عنہم۔ نیل الاوطار میں قاضی شوکانی رحمہ نے جو اس مقام میں لکھا ہے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جس کا مطلب اسی کے قریب ہے جو بیان کیا گیا۔ وہو ہذا وقد اجتمع فی ہذہ القضیۃ الاحتجاج من عمر رضہ بالعموم ومن ابی بکر بالقیاس ودل ذلک علی ان العموم یخص بالقیاس وان جمیع ما تضمنہ الخطاب الوارد فی الحکم الواحد من شرط واستثناء مراعی فیہ ومعتبر صحتہ فلما استقر عند عمر صحۃ رای ابی بکر وبان لہ صوابہ تابعہ علی قتال القوم وہو معنی قولہ عرفت انہ الحق یشیر الی انشراح صدرہ بالحجۃ التی اتی بہا والبرہان الذی اقامہ نصا ودلالۃ۔ قاضی شوکانی رحمہ نے لکھا ہے کہ ابو بکر کی صحت رائے عمر رضہ پر ظاہر ہو گئی اس سے ظاہر ہے کہ باوجودیکہ عمر رضہ کی شان میں کان رایہ موافقا للوحی والکتاب وارد ہے مگر صدیق اکبر رضہ کی رائے اس سے بھی بڑھی ہوئی تھی (۱)

(۱) امام صاحب جو اصحاب الرائے سے کہ مشہور ہو گئے جانے نہیں

اُس کی وجہ یہی ہوا تھا ہے یعنی اکابر محدثین نے دیکھا کہ صاحب الرائے تو یہی ہیں مگر اس قابل کہ اصحاب الرائے کہے جائیں ابو حنیفہ اور اُن کے اتباع ہیں اس وجہ سے وہ اُن کا لقب ہی مشہور ہو گیا مگر اہل حسد نے بجائے مدح اس میں مذموم معنی پیدا کئے جیسے اہل کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راعنا کہہ کر اُس سے مذموم معنی مراد لیتے تھے

عن عبد اللہ رضہ قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت الانصار منا امیر ومنکم امیر فاتاہم عمر رضی اللہ عنہ فقال یا معشر الانصار الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امر ابابکر رضی اللہ عنہ ان یوم الناس فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر رضی اللہ عنہ فقالت الانصار نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر رضی اللہ عنہ رواہ الامام احمد رح فی المسند یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی انصار نے مہاجرین سے کہا کہ اب ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے یہ سنکر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لوگوں کی امامت کریں اب کہئے کہ آپ حضرات میں کس کا نفس گوارا کرتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے بڑھے انصار نے کہا نعوذ باللہ ہم ہرگز ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقع میں قیاس ہی سے کام لیا کہ جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت میں مقدم کئے گئے تھے۔

امارت وخلافت میں بھی مقدم سمجھے جائیں اور انصار اس قیاس کو رد نہ کر سکے اور کسی کو یہ کہنے کی مجال نہ ہوئی کہ حضرت ہمیں ان کی خدمت پیش امامی میں کلام نہیں ہر نماز میں ہم ان کی اقتدا کیا کرینگے۔ مگر ہمارا کلام امارت وخلافت میں ہے جس سے تمام اہل اسلام کے جان ومال وحقوق اور حکمرانی اور اشاعت اسلام وغیرہ امور متعلق ہیں۔ اب قیاس کی [illegible] وبرکت کو دیکھئے کہ کیسے عظیم الشان معاملہ کو جس میں لاکھوں جانیں تلف ہوا کرتی ہیں کس آسانی سے طے کر دیا۔ وجہ اس کی کیا تھی انصار رضی اللہ عنہم کا تدین اور احقاق حق کی خواہش۔ جب انہوں نے اس قیاس میں غور کیا اور آثار حقانیت انکے نمایاں ہوئے ازراہ تدین فوراً اس کو قبول کر لیا گو اس میں ان کا سراسر نقصان تھا غور کیجئے کہ اسلام میں پہلا اہم بالشان واقعہ جو پیش آیا وہ امر خلافت تھا اور وہ بمقابلہ مہاجرین انصار صرف قیاس سے طے ہوا۔ یہ واقعہ تمام صحابہ کی گواہیاں پیش کر رہا ہے کہ کل صحابہ قیاس کو فقط مانتے ہی نہ تھے بلکہ بڑے بڑے اہم بالشان مسائل کا فیصلہ اسی پر محول کرتے تھے اور اہل رائے کے اتباع اور امتثال کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اب اس سے بڑھ کر قیاس کے شروع ہونے پر کونسا اجماع ہو سکتا ہے۔

عن ابن عباس رض قال قلت لعثمان ما حملکم علی ان عمدتم الی سورۃ الانفال وہی من المثانی والی سورۃ براءۃ وہی من المئین فقرنتم بینہما ولم تکتبوا بینہما سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم ووضعتموہا فی السبع الطوال فما حملکم علی ذلک قال [illegible]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یاتی علیہ الزمان وہو ینزل علیہ من السور ذوات العدد

فکان اذا انزل علیہ الشیئ دعا بعض من یکتب لہ فیقول ضعوا ہذہ فی سورۃ التی یذکر

فیہا وکذا وکذا واذا انزلت علیہ الآیات قال ضعوا ہذہ الآیات فی السورۃ التی یذکر فیہا کذا

وکذا واذا انزلت علیہ الآیۃ قال ضعوا ہذہ الآیۃ فی السورۃ التی یذکر فیہا کذا وکذا وکانت

سورۃ الانفال من اوائل ما انزل بالمدینۃ وکانت سورۃ براءۃ من اواخر ما انزل

من القرآن قال وکانت قصتہا شبیہا بقصتہا فظننا انہا منہا فقبض رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ولم یبین لنا انہا منہا فمن اجل ذلک قرنت بینہما ولم اکتب بینہما سطر بسم اللہ

الرحمن الرحیم ووضعتہا فی السبع الطوال رواہ امام الائمۃ فی المسند - یعنی ابن عباس

نے عثمان رضہ سے پوچھا کہ آپ نے سورہ انفال کو جو چھوٹی سورت ہے سورۂ

برات کے ساتھ کیوں ملا دیا کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورے

اُترتے تھے اور جب آیتیں اُترتیں تو فرماتے کہ جس سورۃ میں فلاں قسم کا

ذکر ہے اُس میں اِن آیات کو لکھدو اور سورۂ انفال مدینہ میں اوائل میں اُترا تھا

اور سورۂ توبہ قرآن کے آخر میں اُترا اور حضرت نے اُنکے بارہ میں کچھ نہیں فرمایا

اور مضمون دونوں کے باہم مشابہ تھے اسلئے اُسی قیاس پر ہم نے دونوں کو

ملا دیا جو حضرت بلحاظ مضمون آیتوں کو سورتوں میں داخل فرماتے تھے اور دونوں

کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی۔ دیکھئے عثمان رضی اللہ عنہ نے ترتیب قرآن

میں بھی قیاس کو دخل دیا۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال لما توفی ابو طالب اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ان عمک

قد مات قال اذہب فوارہ ثم لا تحدث شیئا حتی تاتینی قال فواریتہ ثم اتیتہ قال اذہب

فاغتسل ثم لا تحدث شیئا حتی تأتینی قال فاغتسلت ثم أتیتہ قال فدعا لی بدعوات ما
یسرنی ان لی بہا حمر النعم وسودہا قال وکان علی رضی اللہ عنہ اذا غسل المیت اغتسل
رواہ الامام احمد رح فی مسندہ۔ یعنی علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جب میرے
والد ابوطالب کی وفات ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے بوڑھے چچا مر گئے۔ فرمایا جاؤ اُن کو خاک میں چھپا
دے کر بغیر اِسکے کہ کوئی دوسرا کام کرو میرے پاس چلے آؤ چنانچہ میں نے
ایسا ہی کیا پھر فرمایا کہ جاؤ اور غسل کر کے فوراً میرے پاس آؤ۔ اور کوئی دوسرا
کام نہ کرو جب میں غسل کر کے حاضر ہوا تو حضرت نے میرے لئے ایسی
دعائیں کیں کہ اگر سرخ و سیاہ اونٹ اُنکے معاوضہ میں مجھے مل جاتے
تو ایسی خوشی مجھے نہ ہوتی۔ راوی کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہ کی عادت تھی کہ
جب کسی میت کو غسل دیتے تو آپ بھی اُسکے بعد غسل کر لیتے۔ دیکھو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ علی کرم اللہ وجہ سے فرمایا تھا۔ نہ اور کسی سے کہ غسل
میت بھی موجب غسل ہے مگر علی کرم اللہ وجہ نے اُس حکم خاص پر قیاس کر کے
ہر میت کے غسل کے بعد غسل کرنے کا التزام کر لیا تھا۔

تفسیر درمنثور میں یہ روایت ہے کہ کسی عورت نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے
یا امہ کہا آپ نے فرمایا۔ انا ام رجالکم ولست ام نسائکم یعنی میں مردوں کی ماں ہوں
عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔ یہ اس وجہ سے فرمایا کہ قرآن شریف میں النبی اولیٰ
بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وارد ہے اور امہاتہم کی ضمیر مردوں کی
طرف پھرتی ہے مگر ام سلمہ رض نے فرمایا کہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کی

ماں ہوں کما قال واخرج ابن سعد عن ام سلمہ رض قالت انا ام الرجال منکم والنساء
حاصل یہ کہ آپ نے مردونیز عورتوں کو قیاس کیا اور فرمایا کہ جیسے مرد لیسے ہی تمہیں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں دونوں شریک ہیں۔ اسوجہ سے تمہاری
کی بھی ماں ہونا ثابت ہے۔

عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابتاع طعاما فلا یبیعہ
حتی یقبضہ قال ابن عباس رض ولا احسب کل شئی الا مثلہ رواہ مسلم یعنی فرمایا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص غلہ خرید کرے تو جب تک قبضہ نہ کرے
اُسکو دوسرے کے ہاتھ نہ بیچے۔ ابن عباس رض کہتے ہیں کہ میں خیال کرتا
ہوں کہ ہر چیز بمنزلہ غلہ ہے جبتک قبضہ نہ کرے نہ بیچے دیکھئے کہ غلہ
سب چیزوں کا قیاس انہوں نے کیا۔

عن ابی ہریرہ رض انہ قال لمروان احللت بیع الربا فقال ما فعلت فقال ابو ہریرۃ
احللت بیع الصکاک وقد نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الطعام حتی
یستوفی فخطب مروان الناس فنہی عن بیعہا قال سلیمان فنظرت الی حرس یاخذونہا
من ایدی الناس رواہ مسلم یعنی ابو ہریرہ رض نے مروان سے کہا تم نے بیع
ربوا کو حلال کر دیا انہوں نے کہا یہ تو میں نے نہیں کیا۔ فرمایا جو چک خزانہ سرکاری
سے نکلتے ہیں اُن کی بیع تم نے حلال کر دی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلّم نے غلہ کو قبل قبضہ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ سُنکر مروان نے
خطبہ پڑھا اور چکوں کو بیچنے سے منع کر دیا۔ سلیمان رح کہتے ہیں کہ میں نے
دیکھا ہے کہ سپاہی لوگوں کے ہاتھوں سے چک لے لیتے تھے

دیکھئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے غلہ کی بیع پر چکوں کی بیع قیاس کیا اور اس کی تعمیل بھی ہوگئی کہ لوگوں کے ہاتوں سے جن میں صحابہ بھی ہوتے تھے چکیں چھینی جاتی تھیں اور کسی نے یہ اعتراض نہ کیا کہ حضرت یہ تو کاغذ ہیں غلہ نہیں جسکی بیع حرام ہو۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ یقول نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجمع الرجل بین المرأۃ وعمتہا وبین المرأۃ وخالتہا قال ابن شہاب فنری خالۃ ابیہا وعمۃ ابیہا بتلک المنزلۃ رواہ مسلم یعنی منع فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو کوئی شخص اپنے نکاح میں رکھے۔ ابن شہاب رح کہتے ہیں کہ ہماری رائے میں باپ کی خالہ اور باپ کی پھوپھی کا بھی یہی حکم ہے۔ دیکھئے ابن شہاب رح نے بھی اس مسئلہ میں رائے لگائی اور قیاس کیا۔

ان تصریحات سے ثابت ہے کہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کو رائے اور قیاس سے استنباط مسائل کرنیکا انکار نہ تھا اور کیونکر ہو سکے رائے وہ چیز ہے جس سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی جیسا کہ اس حدیث شریف میں اسکی تصریح ہے۔ عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثہ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ قال اجتہد برأیی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی کذا فی المشکوٰۃ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو قاضی بناکر یمن کی طرف

روانہ کرنا چاہا تو اُنسے پوچھا کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو تم کیا کرو گے کہا کتاب اللہ سے حکم کروں گا۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں تم نہ پاؤ تو کیا کرو گے کہا حدیث سے حکم کروں گا۔ فرمایا اگر حدیث میں بھی نہ پاؤ تو کیا کرو گے کہا رائے سے کام لونگا۔ اور کوشش میں کوتاہی نہ کرونگا یہ سنکر حضرت نے اُن کو شاباشی دی اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی بات کی توفیق دی کہ اُس سے رسول اللہ راضی ہوں۔

اس سے علاوہ تحسین رائے کے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ بہت کی مسائل ایسے بھی ہیں جنکو ہر شخص قرآن میں نہیں پاسکتا اس سے ابو داود ظاہری اور ابن حزم رح کی اس دلیل کا جواب بھی ہو گیا جو آیۂ شریفہ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ۔ وقولہ تعالیٰ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین پیش کرکے کہتے ہیں کہ جب قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے ہر چیز کو بیان کر دیا تو اب رائے لگانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس کی اجازت بھی نہیں۔

کیونکہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہے کہ ہر شخص پر یہ بات ظاہر نہیں کہ ہر مسئلہ کا حکم قرآن سے نکل سکے اور قیاس سے معلوم ہو سکتا ہے اس وجہ سے قیاس کی ضرورت نہیں اگر ایسا ہوتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فان لم تجد فی کتاب اللہ نہ فرماتے اور نہ صحابہ میں قیاس شائع و ذائع ہوتا مگر احادیث مذکورہ سے جواز قیاس پر اجماع ثابت ہے۔ اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ صحابہ عموماً رائے اور قیاس سے فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا کہ الانصاف میں لکھا ہے۔ فالقضی عمر رضی اللہ عنہ الکریم علی ذاک

ثم تفرقوا الصحابة الى البلاد وصار كل واحد مقتدى ناحية من النواحي وكثرت الوقائع ودارت المسائل فاستفتوا فيها فاجاب كل واحد حسب ما حفظه او استنبط وان لم يجد فيما حفظه او استنبطه ما يصلح للجواب اجتهد برايه وعرف العلة التي ادار رسول الله صلى الله عليه وسلم عليها الحكم في منصوصاته فاطرد الحكم حيثما وجدها لا يألو في جهد موافقة غرضه عليه الصلاة والسلام فعند ذلك وقع الاختلاف بينهم على ضروب ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب ضرورت ہوتی تھی صحابہ اپنی رائے سے قیاس کر لیتے تھے اسی وجہ سے صحابہ کے اقوال میں اختلاف واقع ہے اسکے بعد یہ کہنا کہ آیۂ موصوفہ سے قیاس کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے احادیث اور اجماع صحابہ کو باطل کرتا ہے رہا یہ کہ آیۂ موصوفہ سے ظاہر ہے کہ ہر چیز کا بیان قرآن میں موجود ہے پھر قیاس کی کیا ضرورت۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فی الحقیقت قرآن شریف میں سب کچھ ہے مگر سمجھ کر انکو نکالنا مشکل ہے کیا ممکن ہے کہ جتنے واقعات پیش ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں ہر شخص قرآن سے ان کا حکم نکال سکے ہرگز نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اہل ا[illegible] ضرورت خود آیۂ موصوفہ سے ثابت ہوتی ہے جو اپنی رائے اور قیاس سے ہر مسئلہ قرآن سے نکال سکیں۔ اسی وجہ سے حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں رائے کی تحسین وارد ہے۔

جس طرح آیۂ موصوفہ سے مجتہد کی رائے اور قیاس کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس آیت سے قیاس مجتہد کی اجازت ثابت ہے قولہ تعالیٰ فاعتبروا یا اولی الابصار اس آیۂ شریفہ میں اعتبار کرنیکا حکم ہے

کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ اہل لغت اعتبار کے معنی رد الشی الی نظیرہ
رکھتے ہیں اور محاورہ میں کہا جاتا ہے اعتبرت ہذا الثوب بہذا الثوب۔
ای سویتہ فی التقدیر یعنی جب کسی کپڑے کے برابر دوسرا کپڑا قطع کیا جائے
تو اعتبرت ہذا الثوب بہذا الثوب کہتے ہیں۔ چونکہ قیاس فقہی میں بھی رد الشی
الی نظیرہ اور تسویۃ الشی صادق ہے کیونکہ مثلاً جو چیز مسکر ہونے میں خمر کی نظیر ہو
اس کو خمر کی طرف پھیر کر اسکے حکم یعنی حرمت میں برابر کردیتے ہیں جیسے کپڑے
میں برابری دیکھی جاتی ہے۔ اس وجہ سے اعتبار کے معنی پورے طور سے
قیاس فقہی پر صادق آگئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطاب فاعتبروا یا اولی الابصار
سے اہل بصیرت قیاس فقہی کے مامور ہیں۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پوری آیۂ شریفہ یہ ہے وقذف
فی قلوبہم الرعب یخربون بیوتہم بایدیہم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار جس میں
پہلے یہ ذکر کیا گیا کہ کفار کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو
خود اپنے ہاتھوں سے خراب کرنے لگے اور مسلمانوں نے بھی خراب کیا
اسکے بعد ارشاد ہے فاعتبروا یا اولی الابصار جس سے ظاہر ہے کہ اعتبار
حاصل کرنے سے مراد اتعاظ اور نصیحت لینی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ
ان کی حالت کو دیکھکر نصیحت حاصل کرو۔ اسی وجہ سے اعتبار کا اطلاق عموماً
نصیحت قبول کرنے والے پر ہوا کرتا ہے۔ اس صورت میں فاعتبروا کو
قیاس سے کوئی تعلق نہ ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار کا اطلاق [illegible] اسی معنی پر ہوتا ہے جو [illegible]

انتقال اور مجاوزت الی الغیر ہو اسلئے کہ مادہ ع ب ر کی خاصیت ہے
کہ اس میں انتقال کے معنی ضرور ہوتے ہیں مثلاً عبور نہر وغیرہ سے گذر جانے
کو کہتے ہیں۔ اور معبر پل اور اس کشتی کو جو نہر کے پار اوتار دے اور عبار
اس اونٹ کو کہتے ہیں جو قوی الغیر ہو اور عابر سبیل راستہ سے گذرنیوالے
کو اور عبرت اس اشک کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے نکل پڑے اور خواب
کی تعبیر میں بھی یہی ہوتا ہے کہ جو چیز دیکھی جاتی ہے اس سے دوسرے
چیز کی طرف عبور کرنا ہوتا ہے مثلاً دودھ خواب میں دیکھا جاے تو اسکی
تعبیر علم ہوگی چونکہ نصیحت حاصل کرنے میں بھی یہی ہوتا ہے کہ دوسرے
کی حالت پر اپنی حالت قیاس کی جاتی ہے کہ جس طرح اُسنے کیا اگر ہم
بھی کریں تو ہمارا بھی وہی حال ہوگا۔ جو اُس کا ہوا اسلئے انتقال و مجاوزت
کے معنی اس میں بھی صادق آگئے۔ اس وجہ سے کہ گویا اُس کی حالت کو
اپنی حالت پر منطبق کر دیا یہی ہے رد الشئ الی نظیرہ جو عبرت کے لغوی معنی
ہیں اور فقہی قیاس پر بھی صادق آتے ہیں۔ پھر اگر غور کیا جاے تو اعتبار
کے معنی موضوع لہ اتعاظ ہو بھی نہیں سکتے اسلئے کہ کہا جاتا ہے۔
اعتبر فلان فاتعظ حالانکہ اعتبار پر اتعاظ مرتب ہو رہا ہے جو فاے تفریع
سے ظاہر ہے اگر دونوں کے معنی ایک ہی ہوں تو ترتب الشئ علی نفسہ
لازم آئیگا جو محال ہے اسلئے یہ کہنا ضرور پڑیگا کہ اعتبار ہر درجہ اتعاظ پر
متقدم ہے جسپر رد الشئ الی نظیرہ صادق آتا ہے جو حقیقت قیاس ہے
اس صورت میں فاعتبروا کے معنی یہ ہوے کہ کفار کے حال پر اپنے احوال کو

قیاس کرو کہ تم بھی تمرد کرو گے تو تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو اُن کا ہوا البتہ اس اعتبار اور قیاس پر اتعاظی کیفیت مرتب ہوگی. جو اثر اوس قیاس کا ہے. اور اگر غور کیا جائے تو اتعاظ میں بھی مجاوزت اور انتقال کے معنی موجود ہیں۔ اسلئے کہ جو شخص کسی کے حال کو دیکھکر نصیحت حاصل کرتا ہے اُس میں یہی ہوتا ہے کہ دوسرے کے حال کو معلوم کرکے اپنے حال کو معلوم کرتا ہے کہ میرا بھی وہی حال ہونیوالا ہے اگر اُس کی سی کیفیت مجھ میں ہو. بہرحال عتبار کے معنی ردّ الشئ الی نظیرہ ہیں جو حقیقت قیاس ہے.

یہاں ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی حالت دیکھکر قیاس کرے اور اُسمیں اتعاظی کیفیت کے آثار نمایاں نہ ہوں تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اُس نے عبرت حاصل نہیں کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتبار کے معنی قیاس کے نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبرت کے معنی تو یہاں بھی صادق آگئے. مگر چونکہ مقصود اعظم عبرت کا یعنی اتعاظی کیفیت فوت ہے اسلئے مجازا عبرت کی نفی ہوگی. جس طرح آیات میں تدبر نہ کرنے والے کو اعمٰی واصم کہا جاتا ہے اسلئے کہ بصارت وسماعت کا مقصود اصلی اُسنے فوت کردیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن میں بصارت وسماعت ہی نہیں ہے اِس طرح اتعاظی کیفیت پیدا نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اعتبار کا وہاں وجود نہیں.

یہاں یہ بھی ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ کفار کا حال بیان کرکے حق تعالٰی نے فاعتبروا فرمایا اگر اُسکے معنی قیاس کرنیکے لئے جائیں تو کلام الٰہی کے یہ معنی ہوں گے کہ کفار کے حال کو دیکھ کر قیاس کرو کہ تم بھی ایسا ہی کرو گے [illegible]

وجہ سے مثل خمر حرام ہے جس کی رکاکت پوشیدہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فاعتبروا کا مطلب اسی قدر ہے کہ کفار کی حالت کو دیکھ کر قیاس کرلو کہ انکا سا تمرد کروگے تو تمہارا بھی وہی حال ہوگا۔ اس سے مطلق قیاس کا ثبوت ہوگیا جس کے افراد و جزئیات میں جس طرح قیاس اتعاظی داخل ہے قیاس شرعی بھی داخل ہے۔ رکاکت تو جب ہو کہ فاعتبروا کے وہ معنی لئے جائیں جو اتعاظ کو شامل نہ ہوں اور جب ایسے معنی لئے جائیں جو اتعاظ و غیر اتعاظ دونوں پر شامل ہوں تو کسی طرح رکاکت نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھی جاوے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ رمضان کے روزہ میں کھانے پینے سے کفارہ لازم آتا ہے تو اسکے جواب میں اگر یہ کہا جاوے کہ جماع سے کفارہ لازم آتا ہے تو البتہ وہ رکیک نہ ہوگا بخلاف اسکے اگر یہ کہا جاوے کہ روزہ توڑنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ تو اس میں کوئی رکاکت نہیں کیونکہ وہ اکل و شرب کے حکم پر بھی شامل ہے۔ اور اسکے غیر یعنی جماع کے حکم پر بھی اسی طرح فاعتبروا کے معنی جب مطلق قیاس کے ہوے جسمیں قیاس اتعاظی بھی داخل ہے اور اسکا غیر یعنی قیاس شرعی بھی تو اسمیں کوئی رکاکت کی بات نہیں غرضکہ فاعتبروا سے مطلق قیاس کی ذات قیاس بلا تعرض صفات ثابت ہے۔ جس کے افراد میں قیاس شرعی بھی داخل ہے۔ گو اس مقام میں مطلق کا تحقق فرد خاص ہی میں کیوں نہ ہو [illegible] قیاس شرعی بھی وہی ذات ہے جس کی اجازت نص قطعی سے ہو [illegible] [illegible] اس فرد غیر کا جائز سمجھنے کے لئے دوسری نص قطعی [illegible] [illegible] [illegible] اسکے جواز کے لئے کافی ہے [illegible]

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس شرعی کی اجازت دی بلکہ اُس کا طریقہ
بتلادیا اور صحابہ برابر اُسپر عمل کرتے رہے تو اِس قسم کے احتمالات اور شبہات
سے اُس کا ابطال ممکن نہیں۔

دراصل قیاس کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں
صرف اصول دین اور ضروری امور بیان فرمائے مثلاً ارشاد ہوا اقیموا الصلوٰۃ
واتوا الزکوٰۃ یعنی ہر مسلمان کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے۔ اس
کی بھی تصریح نہیں کہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ اور اُسکی ہیئت مجموعی یہ ہے
اسیطرح زکوٰۃ کا نہ نصاب بتلایا گیا نہ مقدار واجب۔ بلکہ اس قسم کے امور
سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر محول کردئے گئے۔ اور ارشاد ہوگیا ما آتاکم
الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا یعنی جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان
کریں سب کو قبول کرو اور جس سے منع کریں اُس سے باز رہو۔ پھر چونکہ خدا تعالیٰ
کا مقصود رسول کے بھیجنے سے یہ تھا کہ اپنے بندوں کی پوری پوری
اصلاح ہو جس سے اُن کو دنیوی اور اُخروی سعادتیں حاصل ہوں اور دونوں
جہاں میں نیکنام فائز المرام رہیں اسلئے دونوں سعادتوں سے جتنے امور
متعلق تھے سب قرآن شریف میں باجمال بیان فرمادئے مثلاً اخلاقی حالتوں
کی اصلاح جسکو اصلاح تمدن اور سعادت دنیوی سے زیادہ تر تعلق ہے۔
اور حقوق عبودیت اور اُن کے ادا کرنے کے طریقے یعنی عبادات جسکو
سعادت اُخروی سے تعلق ہے سب اُس میں مذکور ہیں کما قال تعالیٰ
ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دونوں عالم کی

مدار حرکات نفسانی اور جسمانی یعنی افعال قلبی اور افعال جوارح کی اصلاح پر ہے
اِسلئے کوئی حرکت اور سکون خواہ قلب سے متعلق ہو یا جوارح سے ایسا نہیں
ہوسکتا جس کو شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو اور قرآن اُس کی اصلاح کا متکفل نہ ہوا ہو
مگر چونکہ قرآن کا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا اس لئے اُسکا پورا پورا
مطلب حضرت ہی کو سمجھایا گیا پھر حضرت نے اُس اجمال کی تفصیل شروع کی
اور جیسے جیسے واقعات دنیا اور آخرت سے متعلق پیش ہوتے گئے اُنکے
احکام بیان فرماتے گئے مگر حضرت جانتے تھے کہ جتنے وقائع اپنے
روبرو پیش ہوں گے محدود ہونگے۔ اور قیامت تک جو واقعات پیش ہونے
والے ہیں وہ غیر محدود ہیں حالانکہ اُن سب کے احکام معلوم ہونیکی ضرورت
ہے جنپر عمل کرنے سے سعادت دارین حاصل ہو اِسلئے حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُنکے بیان کا ایسا طریقہ اختیار فرمایا کہ کل جزئیات مسائل کے
احکام معلوم ہوجائیں یعنی مجتہدوں کے قیاس پر محول فرمایا تاکہ وہ اپنی رائے
اور قیاس سے کام لیکر اِس غرض کو پوری کریں۔ اور اہل رائے کی تحسین فرمائی
جیسا کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہے کہ اُنسے استفسار فرمایا
کہ اگر کسی واقعہ کا حکم قرآن وحدیث میں نہ ہو تو تم کیا کروگے اور جب انہوں نے
مرضی مبارک پاکر عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا تو اُن کی تحسین کی
اِس تقریر سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے بعد حدیث شریف کی ضرورت ہے
اور اُسکے بعد قیاس مجتہدکی اور یہی بات اِس روایت سے ظاہر ہے۔

جو تفسیر در منثور میں امام سیوطی رحمہ نے نقل کی ہے اخرج ابن ابی حاتم من طریق

مالک ابن انس عن ربیعۃ قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ انزل الیکم الکتاب مفصلا وترک فیہ موضعاً للسنۃ وسنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک فیہا موضعاً للرأی

یعنی خدائے تعالیٰ نے کتاب مفصل نازل کی مگر حدیث کی جگہ باقی رکھی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث بیان فرمائے مگر ان میں رائے کی جگہ باقی رکھی۔ یہاں یہ غور کرلیا جائے کہ ہر ایک واقعہ میں ہر حرکت وسکون انسانی کی اصلاح جب خدا ورسول کے کلام سے متعلق ہے اور واقعات غیر متناہی ہیں تو جب تک قیاس شرعی سے کام نہ لیا جائے کیونکر وہ اصلاح ممکن ہوگی اگر قیاس شرعی کی پابندی چھوڑ دی جائے تو بہت سے واقعات میں آدمی اپنے قیاس اور رائے سے کام لیگا جسکو شریعت سے تعلق نہ ہوگا کیونکہ قیاس کی ضرورت اسی موقع میں ہوتی ہے جس میں قرآن وحدیث وارد نہ ہو پھر جب اُس میں اپنی خالص رائے سے کام لیا جائے تو شریعت کو اُسمیں کوئی دخل نہ ہوگا اور وہ مقصود حاصل نہ ہوگا کہ خدا ورسول کے کلام سے سب افعال واحوال کی اصلاح ہو۔ بخلاف اُسکے شرعی قیاس میں یہ غرض پوری ہوتی ہے اسلئے کہ جس واقعہ میں کوئی نص وارد نہ ہو تو مجتہد تمام واقعات پر جنکا ذکر قرآن وحدیث میں مع احکام وارد ہے غور کرکے اُس واقعہ کو پیش نظر کرلیتا ہے جو اُسی قسم کا ہو پھر جب اُس واقعہ منصوصہ میں غور کرتا ہے کہ جو حکم اُس میں دیا گیا ہے اُس کی علت کیا تھی اور اپنے قیاس سے اُسکو اطمینان ہوجاتا ہے کہ اُس اصل منصوص میں جو حکم مصرح ہے فلاں علت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہی علت اِس واقعہ میں بھی موجود ہوتی ہے تو اُسکو ظن غالب ہوجاتا ہے

وہ حکم اصل میں تھا وہی فرع میں بھی ہے کیونکہ علت کے وجود سے
معلول کا وجود وابستہ ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ افعال الٰہیہ میں علت کے قائل ہونا اُن کو معلل بالاغراض کہنا
ہے حالانکہ علما نے تصریح کی ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال معلل باغراض نہیں
اس کا جواب یہ ہے کہ معلل بالاغراض نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ افعال الٰہیہ
میں کوئی غرض ایسی نہیں ہو سکتی جس سے اس کا کوئی ذاتی نفع اور استکمال ہو
اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ افعال الٰہیہ منافع اور مصالح اور فوائد سے خالی
ہوں۔ بلکہ بلحاظ فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ۔ یہ ماننا پڑیگا کہ خدائے تعالیٰ کے
ہر فعل میں صدہا منافع ہیں جن کا ادراک طاقت بشری سے خارج ہے۔
غرضکہ جو احکام خدائے تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ اُن میں کوئی نہ کوئی
علت ضرور ہو گی جو مصالح عباد سے متعلق ہے اس سے ثابت ہے کہ
ہر حکم معلل ہے چنانچہ اسپر کئی آیات قرآنیہ گواہی دے رہی ہیں منجملہ اُن کے
چند آیات یہ ہیں قولہ تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی جن وانس کو
ہم نے صرف عبادت کے لئے پیدا کیا۔ وقولہ تعالیٰ وما ارسلنا من رسول
الا بلسان قومہ لیبین لہم یعنی جس رسول کو ہم نے بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان میں
بھیجتے تاکہ اونکے اپنا مافی الضمیر بیان کریں۔ وقولہ تعالیٰ۔ وما انزلنا علیک
الکتاب الا لتبین لہم الذی اختلفوا فیہ۔ یعنی تم پر ہم نے اسواسطے قرآن اوتارا کہ
تم اُنکے روبرو بیان کرو جس میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ وقولہ تعالیٰ واذن
فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق لیشہدوا

ہر حکم معلل ہے

منافع لہم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات۔ مطلب یہ کہ حج اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ لوگ اپنی منفعتوں کی جگہ پہنچیں اور چند روز اللہ کا ذکر کریں۔

وعن ابن عباس رضہ قال نزلت ہذہ الآیۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم متوار بمکۃ ولا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا قال وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن فلما سمع ذلک المشرکون سبوا القرآن ومن انزلہ ومن جاء بہ فقال اللہ عزوجل لنبیہ ولا تجہر بصلوتک ای بقرائتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعہم القرآن حتی یاخذوہ عنک وابتغ بین ذلک سبیلا۔ یعنی حق تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حکم نازل فرمایا کہ نماز میں قرآن کو نہ بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست آواز سے اسکی علت یہ کہ مشرک قرآن کو سنکر قرآن کو اور اسکے اوتارنے والے اور لانے والے کو گالیاں دیا کرتے تھے اسلیے حکم ہوا کہ نہ اتنی بلند آواز سے پڑھو کہ مشرک سنیں اور نہ اتنی پست آواز سے کہ صحابہ بھی نہ سنیں۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالی کے افعال اور احکام شرعیہ فوائد اور مصالح سے خالی نہیں اب چند احادیث بھی دیکھ لیجیے جن میں علتوں کا امام کے ساتھ ملحوظ ہونا ثابت ہے منتقی الاخبار میں ابن تیمیہ رح نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن سعد ابن ابی وقاص رضہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئل عن اشتراء التمر بالرطب فقال لمن حولہ اینقص الرطب اذا یبس قالوا نعم فنہی عن ذلک رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی یعنی کسی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ رطب یعنی تر کھجور دیکر سوکھا کھجور خریدنیکا کیا حکم ہے آپنے حضار مجلس سے دریافت فرمایا کہ رطب

سوکھ کر کیا کم ہو جاتی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ کم ہو جاتی ہے فرمایا یہ بیع درست نہیں۔

نیل الاوطار میں قاضی شوکانی رہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس استفسار سے حضرت کو دریافت حال مقصود نہ تھا کیونکہ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ رطب سوکھ کر کم ہو جاتی ہے بلکہ عدم جواز کی علت بتلانا مقصود تھا۔ کہ رطب سوکھ کر جب تمر سے کم ہو جائیگی تو ربوا متحقق ہوگا جو حرام ہے دیکھئے کہ بیان علت حکم میں کس قدر اہتمام فرمایا کہ حضار مجلس کی زبان سے کہلوا دیا تاکہ سب کو معلوم ہو جای کہ حکم علت پر متفرع ہوتا ہے۔

عن طاؤس عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ قلت لابن عباس لما قال الا تری انہم یبتاعون بالذہب الطعام مرجاء رواہ الامام احمد فی المسند یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص غلہ خریدے تو جب تک قبضہ نہ کرے اسکو نہ بیچے۔ طاؤس نے ابن عباس رض سے اس کی علت پوچھی فرمایا کہ سونیکے معاوضہ میں لوگ غلہ خریدتے ہیں اور وہ غائب ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ احکام کی علت دریافت کیجاتی تھی اور صحابہ میں جو فقہا تھے وہ بیان بھی کیا کرتے تھے۔ عن ابن عباس رض قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخر رجل عن بعیرہ فوقص فمات وہو محرم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسلوہ بماء وسدر وادفنوہ فی ثوبیہ ولا تخمروا راسہ فان اللہ عزوجل یبعثہ یوم القیمۃ ملبیا وقال مرۃ ملبدا رواہ الامام احمد فی مسندہ یعنی حالت احرام میں ایک شخص کا انتقال ہوا حضرت نے حکم دیا کہ اسکے سر کو مت ڈھانکو

اور اس کی علت یہ بیان کی کہ قیامت سے روز دہ احرام کی حالت میں ہونگا

جامع ترمذی میں یہ روایت ہے عن ام عطیۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کان یخرج الابکار والعواتق وذوات الخدور والحیض فی العیدین فاما الحیض فیعتزلن
المصلی ویشہدن دعوۃ المسلمین قالت احدٰہن یا رسول اللہ ان لم یکن لہا
جلباب قال فلتعرہا اختہا من جلبابہا ۔ قال ابو عیسیٰ وروی عن ابن المبارک انہ قال
اکرہ الیوم الخروج للنساء فی العیدین فان ابت المرأۃ الا ان تخرج فلیاذن لہا
زوجہا ان تخرج من اطمارہا ولا تزین فان ابت ان تخرج کذلک فللزوج
ان یمنعہا من الخروج وروی عن عائشۃ رضؓ قالت لو رأی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعہن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل ویروی
سفیان الثوری انہ کرہ الیوم الخروج للنساء الی العیدین ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم باکرہ اور قریب البلوغ اور حائضہ عورتوں کو عیدین میں جانیکا حکم دیتے
تھے ۔ حائضہ عورتیں مصلیٰ سے علیحدہ رہتی تھیں اور دعا ے استغفار
وغیرہ کے لیے بھی وہ نکلتی تھیں ۔ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ
اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو فرمایا اُسکی بہن اُس کو اپنی چادر دے ۔ ابن مبارک
کہتے ہیں کہ حالت موجودہ کے لحاظ سے میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ عورتیں
عیدین میں نکلیں ۔ اگر عورت اصرار کرے تو شوہر پُرانے لباس کیساتھ
نکلنے کی اجازت دے اور اگر وہ چاہے کہ زینت کے ساتھ نکلے تو
شوہر اُسکو نہ نکلنے دے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے
وہ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آجکل کی عورتوں کی حالت

دیکھتے تو اُن کو مسجدیں جانے سے منع فرما دیتے. سفیان ثوری رح کہتے ہیں کہ میں عورتوں کے عیدین میں نکلنے کو مکروہ سمجھتا ہوں" دیکھئے باوجود صحیح حدیث وارد ہونیکے عائشہ رض ابن مبارک اور سفیان ثوری رح نے اُسکے خلاف میں عورتوں کے منع کرنے کو کہا اسوجہ سے کہ اسمیں فساد ہے. اس سے ظاہر ہے کہ قرون ثلثہ میں احکام معلل بعلت سمجھے جاتے تھے اور اسی کے لئے فقہا کی ضرورت سمجھی جاتی تھی منتقی الاخبار میں یہ روایت ذکر کی کہ ایک بار کسی یہودی کا جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سے گذرا آپ اُٹھ کھڑے ہوئے لوگوں نے کہا کہ وہ یہودی کا جنازہ ہے فرمایا کیا وہ نفس نہیں ہے. قاضی شوکانی رح نے اسکی شرح نیل الاوطار میں امام حسن علیہ السلام کا قول ذکر کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قیام فرمایا تھا اُس کی وجہ یہ تھی کہ اس جنازہ کے ساتھ بخور جلارہے تھے اُس کی بو ناگوار خاطر ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ یہودی کا جنازہ حضرت سے بلند ہوا خلاف مرضی ہوا جس کی وجہ سے آپ کھڑے ہوگئے اُسکے بعد لکھا ہے کہ حضرت سے جو تعلیل مروی ہے اُس کا مقتضی یہ ہے کہ جنازہ خواہ مسلمان کا ہو یا کافر کا اُسکے لئے اُٹھنا مسنون ہے اور امام حسن رض کی تعلیل کا مقتضی یہ ہے کہ کافر کے جنازہ کے لئے اُٹھنے کی ضرورت نہیں یہاں مقصود اسی قدر ہے کہ کبھی حدیث میں علت مذکور ہوتی ہے اور کبھی صحابہ اپنے اجتہاد سے علت کا لگا لیتے ہیں چنانچہ نیل الاوطار کی عبارت یہ ہے اما تنہا فلان التعلیل بذلک

راجع الی مافہمہ الراوی وما التعلیل الماضی صریح من لفظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وکان الراوی لم یسمع التصریح بالتعلیل منہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلل باجتہادہ

ومقتضی التعلیل بقولہ الیست نفسا ان ذلک یجب لکل جنازۃ۔ اس سے ظاہر ہے کہ حکم علت کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور مجتہد علت تلاش کرنے کے مجاز ہیں۔

کنز العمال کی کتاب الطہارت میں یہ روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجاہد رح کہتے ہیں کہ ایک روز میں اور عطا و طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ بیٹھے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آکر پوچھا کہ جب میں پیشاب کرتا ہوں تو پیشاب کے بعد مادہ نکلتا یعنی منی نکلتی ہے کیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے ہم نے کہا کیا وہی مادہ نکلتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے کہا ہاں ہم نے کہا جب تو غسل واجب وہ شخص انا للہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ ابن عباس رض نے جلد نماز سے فارغ ہو کر عکرمہ سے کہا اس شخص کو بلا لاؤ چنانچہ وہ آیا پھر ہم سے پوچھا کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا ہے ہم نے کہا نہیں۔ فرمایا حدیث سے ہم نے کہا نہیں۔ فرمایا صحابہ کے اقوال سے ہم نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا کس کے قول سے فتویٰ دیا ہم نے کہا اپنی رائے سے یہ سنکر فرمایا

لذلک یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف

عابد یعنی اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ تر سخت ہے۔ پھر اس سائل سے پوچھا کہ پیشاب کے

بعد جب چیز نکلتی ہے کیا اُسکے نکلنے کے وقت تمہارے دل میں شہوت یعنی
عورت کی خواہش ہوتی ہے کہا نہیں فرمایا کیا اعضا میں استرخا اور ڈھیلا پن
پیدا ہوتا ہے کہا نہیں۔ فرمایا اس صورت میں صرف وضو تمہارے لیے
کافی ہے۔ انتہیٰ۔ ابن عباس رضہ نے جب دیکھا کہ ماردانق کے لفظ پر انہوں
نے وضو کا کہا یا اور علّت غسل پر غور نہیں کیا تو سمجھ گئے کہ اُن میں کوئی فقہ
نہیں اگر فقیہ ہوتے تو علّت غسل کی تشخیص ضرور کرتے پھر جب دیکھا علّت
غسل یعنے خروج منی کے لوازم نہیں پائے جاتے اسلئے فتویٰ دیا کہ وہ
منی ہی نہیں اسلئے غسل بھی واجب نہیں اس سے ظاہر ہے کہ فقیہ کی جو تعریف
و توصیف احادیث میں وارد ہے۔ اُس کو اعلیٰ درجہ کی سمجھ درکار ہے
اور مجاہد اور عطاؔ اور طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین کو ابن عباس
نے فقیہ نہیں سمجھا اسکی وجہ ہے کہ انہوں نے علّت کی تشخیص نہیں کی
کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے
جو لوگ تھے یعنی اوائل اسلام میں اُن کا پاخانہ قلت غذا کی وجہ سے مینگنیاں
ہوتا تھا اور تمہارا پاخانہ گاڑھا ہوتا ہے اسلئے تم لوگوں کو چاہئے کہ ڈھیلوں
کے بعد پانی سے بھی آبدست کر لیا کرو انتہیٰ۔ بعض روایات میں وارد ہے
کہ اوائل اسلام میں آبدست نہیں کیا جاتا تھا اُس کی علت ایسے بیان ہو
اور چونکہ وہ علت آپ کے زمانہ میں موجود نہ تھی اسلئے حکم دیا کہ اب پانی
سے آبدست کی ضرورت ہے۔

قرآن شریف میں ہے واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم یعنی مشرکوں کو جہاں پاؤ

قتل کر ڈالنا جب ہے کہ یہ حکم عام ہے اس سے نہ بوڑھے خارج ہو سکتے
ہیں نہ عورتیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کو قتل کرنے کی علت
یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور ضرر پہنچاتے ہیں اور بڈھوں
اور عورتوں اور بچوں اور درویشوں میں وہ علت نہیں پائی جاتی اسلئے انکے
قتل کرنے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ ابن تیمیہ رح نے منتقی الاخبار میں
اس مضمون کی روایتیں نقل کی ہیں۔ اس کی شرح نیل الاوطار میں قاضی
شوکانی رح نے لکھا ہے کہ اصحاب صوامع کے باب میں جو حدیث وارد
ہے جنکی اسناد میں کلام ہے لیکن صحیح حدیث سے ثابت ہو کہ مشرکوں کے بچوں
اور عورتوں کا قتل جائز نہیں اور وہی علت اصحاب صوامع میں موجود ہے۔ اس جیسے اسکی
مانند ہوگی اور یہی علت اپاہج اور اندھوں میں بھی پائی جاتی ہے اسلئے قیاس یہ ہے کہ ان کا
بھی قتل جائز ہو اور جو قتل کی علت ہے یعنی ضرر رسانی اسی واسطے اگر عورت بھی مسلمانوں کو قتل کرنے لگا
تو وہ بھی قتل کی جاویگی اور اپاہج وغیرہ کا قتل صحیح حدیث سے منع ہے نیل الاوطار کی عبارت یہ ہے قولہ ولا اصحاب الصوامع
فیہ دلیل علی انہ لا یجوز قتل من کان متخلیا للعبادة من الکفار کالرهبان لاعراضه
عن ضر المسلمین والحدیث وان کان فیہ المقال المتقدم لکنہ معتضد بالقیاس
علی الصبیان والنساء بجامع عدم النفع والضرر وهو المناط ولهذا لم ینکر صلی اللہ علیہ وسلم
علی قاتل المرأة التی ارادت قتلہ ویقاس علی المنصوص علیهم بذلک الجامع من
کان مقعدا او اعمی او نحوهما ممن لا یرجی نفعہ ولا ضرره علی الدوام دیکھئے قاضی
شوکانی رح نے کس وضاحت سے بیان کیا ہے کہ علت پر حکم کا مدار ہے
کہ جہاں علت پائی جاوے حکم بھی پایا جائیگا۔ گو اس ظاہر حدیث سے

اُس حکم کا اثبات نہ ہوتا ہو اور جہاں علّت نہ پائی جاوے حکم بھی ثابت نہ ہو گا گو ظاہر حدیث سے اُس کا ثبوت معلوم ہوتا ہو وعن سالم عن ابیہ قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الولید الی بنی خذیمۃ فدعاھم الی الاسلام فلم یحسنوا ان یقولوا اسلمنا فجعلوا یقولون صبأنا فجعل خالد یقتل منھم ویاسر ودفع الی کل رجل منا اسیرہ حتی اذا کان یوم امرنا خالد ان یقتل کل رجل منا اسیرہ فقلت واللہ لا اقتل اسیری ولا یقتل رجل من اصحابی اسیرہ حتی قدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرناہ لہ فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فقال اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد مرتین رواہ البخاری۔ یعنی ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید کو قبیلہ بنی خذیمہ کی طرف بھیجا انہوں نے ان لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ مگر ان لوگوں نے صاف طور پر نہیں کہا کہ ہم اسلام لائے بلکہ یہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے دین کو چھوڑ کر نیا دین قبول کیا خالد نے اس کا اعتبار نہ کر کے ان کو قتل اور گرفتار کرنا شروع کیا چنانچہ ہر ایک شخص کی تحویل میں ایک ایک قیدی دیا اور ایک روز حکم کیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر ڈالے میں نے کہا کہ میں ہرگز اپنے قیدی کو قتل نہ کروں گا اور نہ میرے رفقا قتل کرینگے جب ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ واقعہ بیان کیا تو سنتے ہی آپ ہاتھ اٹھا کر بارگاہ کبریائی میں عرض کرنے لگے کہ الٰہی خالد نے جو کیا ہے میں اس سے بری ہوں اور اس جملہ کو دوبار ادا کیا۔

خالدؓ نے لفظ صبأنا کو عرف عام کے مطابق خیال کیا کہ وہ صابی بننے کی خبر

دے رہے ہیں جو اُس زمانہ میں خاص فرقہ تھا جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے ظاہر
ہے۔ انّ الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصابئین والنصاریٰ۔ اور ابن عمرؓ نے
دیکھا کہ صبانا کے لغوی معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنا دین چھوڑ کر دوسرے دین کو
اختیار کیا اور بقرینہ مقام اجتہاد سے کام لیکر یہ سمجھا کہ اُن کا مقصود قبول اسلام
ہے اسلئے اُن کا قتل ناجائز خیال کیا اور اسی اجتہاد کی طرفداری نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے بھی کی اور خالدؓ نے جو اجتہاد کو ترک کیا اُس سے ناخوشی ظاہر
کی۔ اب اس اجتہاد کی قوت دیکھئے کہ باوجودیکہ ابن عمرؓ جانتے تھے کہ
امیر کی اطاعت واجب ہے۔ مگر اپنے اجتہاد کے مقابلہ میں اُس کو مرجوح سمجھا
اور اس مقام میں دوسرا اجتہاد یہ کیا کہ اجتہادی حکم کسی نص کے مخالف ہو
تو بھی اجتہاد ہی کو ترجیح ہو گی جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ لڑنے والی عورت بھی
قتل کی جائے باوجودیکہ عورتوں کا قتل نص سے ممنوع ہے پھر ان دونوں
اجتہادوں کو موجودہ صحابہ نے مان بھی لیا۔

کنز العمال میں زاذان رح سے روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ کہتے
ہیں کہ ہم علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایکبار حاضر تھے آپ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین
عمرؓ نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر مرد عورت کو طلاق کا اختیار دے تو اسکا
کیا حکم ہے میں نے کہا اگر وہ اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گی
اور اگر زوج کو اختیار کرے تو بھی ایک طلاق ہو گی مگر زوج کو حق رجعت ہو گا
عمرؓ نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ اُس نے اگر زوج کو اختیار کر لیا تو طلاق
نہ ہو گی اور اگر اپنے نفس کو اختیار کیا تو ایک ہو گی۔ اور مرد کو حق رجوع ہو گا۔

پھر فرمایا جب تک امیر المومنین زندہ تھے میں نے اُن کی مطابعت کی اور جب امر خلافت مجھ سے متعلق ہوا تو میں اپنی رائے کے مطابق حکم دیتا ہوں اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ فروج کے معاملہ میں مجھ سے سوال ہوگا انتہیٰ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد کو ضرور ہے کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کرے اور دوسرے مجتہد کی تقلید نہ کرے۔

اب غور کیا جائے کہ قرآن وحدیث سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ احکام میں علت ملحوظ ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں علت پائی جائے قیاس سے حکم بھی ثابت کیا جاتا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رائے اور قیاس کی تحسین کی بلکہ خود نے قیاس کا طریقہ بتلایا اور صحابہ اور سلف صالح اُسی طریقہ کی اتباع کرکے بحسب ضرورت قیاس کرتے رہے تو اسکے بعد یہ کہنا کہ قیاس جائز نہیں ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتا۔

مانعین قیاس کی دلیل یہ ہے کہ آیات واحادیث میں علت حکم تو مذکور ہوتی نہیں اسکو رائے سے معین کرنا جس میں خطا اور غلطی کا احتمال ہے۔ اور اُس سے حلت وحرمت جو خالص حق اللہ ہے ثابت کرنا۔ اور صرف احتمالی طور پر ثابت کی ہوئی چیز میں اطاعت خدا ورسول کا خیال کرنا عقلاً ہرگز جائز نہیں۔

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ رائے اور قیاس کا ابطال صرف رائے سے کیا جا رہا ہے جس کو آیات واحادیث رد کر رہے ہیں حیرت یہ ہے کہ جس چیز کا انکار جس دلیل سے کر رہے ہیں اُسی سے اُس کا اقرار ہو رہا ہے

زرد رہے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور صحابہ پر مخالفت قرآن کا الزام لگاتے تھے
اور خود مرتکب ایسے امور کے ہوتے تھے جو سراسر مخالف قرآن وحدیث
ہیں۔ظاہر اُنہوں نے کمال احتیاط اور تشددفی الدین کا مسلک اختیار کیا
تھا مگر وہ بالکل خدا اور رسول کی مرضی کے مخالف تھا۔

اُن حضرات نے جس قدر تشدد دین میں کرر کھا ہے خوارج اس باب میں
اُن سے بھی بڑھے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ
کو صرف اس وجہ سے کہ آپ نے حکم مقرر فرمایا تھا معاذ اللہ کافر حلال الدم قرار دیا اور
یہ دلیل پیش کی کہ حکم کرنا خاص خدائے تعالیٰ کا کام ہے۔

تقریر بالا سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے زمانہ سے اجتہاد جاری ہے اور فقہا
محدثین میں ممتاز رہے اور فقہ نہایت عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی
تھی کیوں نہ ہو فقہ کی ترغیب وتحریص میں کئی حدیثیں وارد ہیں جن میں سے
تھوڑی اوپر ذکر کی گئیں۔تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رحمہ نے حافظ محاملی رحمہ کے
ترجمہ میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے اپنے مکان میں فقہ کی مجلس قائم کی تھی جس میں
اہل علم جمع ہوا کرتے تھے۔محمد ابن حسین کہتے ہیں کہ میں نے انہی دنوں
خواب دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ محاملی کی وجہ سے
اہل بغداد سے بلا کو دفع کرتا ہے۔دیکھئے اس واقعہ کو محدثین نے
نقل کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اہل انصاف محدثین فقہ کے ہرگز
مخالف نہ تھے۔غرضکہ فقہ کی ضرورت ہر زمانہ میں محسوس رہی اور ہر زمانہ
محدثین قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط اور استخراج کرتے رہے

امام ابو حنیفہ رح نے دیکھا کہ جب تک اُس کے قواعد نہ مقرر کئے جائیں فقہ کی بنیاد مستحکم نہیں ہو سکتی اِسلئے قرآن و حدیث اور صحابہ کے طریقۂ عمل اور لغت وغیرہ سے مدد لیکر اُسکے قواعد اور اصول مقرر کئے جس سے فن اصول فقہ مدون ہوا۔ اور اُن کے ذریعہ سے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کئے جس سے فقہ مدوّن ہوئی۔

خ۔ پہلے پہل جس نے فقہ کو مدوّن کیا اور ابواب اور کتب کی ترتیب دی وہ ابو حنیفہ ہیں۔ امام مالک نے موطا میں اُسی کی اتباع کی پیشتر صرف اپنے حفظ پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

ک ابو معاویہ ضریر کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے علم کے طریقہ کی بنیاد ڈالی ایسا کون شخص ہے جو اُنکے مبلغ علم تک پہونچا ہو۔ اور کس کو وہ راہ ملی تھی جو اُن کو ملی تھی۔ خدا سے تعالیٰ کی اُنپر منت تھی۔

ک۔ ت ح۔ نضر ابن شمیل کہتے ہیں کہ لوگ فقہ سے خواب غفلت میں تھے ابو حنیفہ رح نے اُن کو بیدار کر دیا۔

ک۔ نضر ابن محمد کہتے ہیں کہ میرے گمان غالب میں یہی ہے کہ ابو حنیفہ رحمت پیدا کئے گئے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو بہت سا علم کم ہو جاتا۔

ت ح۔ امام مالک رح فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح کو فقہ کی توفیق دی گئی جس سے اُنپر اُس کی مشقت نہ رہی۔

م ک یحیٰی ابن آدم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح نے فقہ میں ایسا اجتہاد اور کوشش کی جو اُن سے پہلے کسی نے نہیں کی تھی اِسلئے خدا سے تعالیٰ نے

اُن کو اُس کا راستہ دکہلا دیا اور اُس کا طریقہ آسان کردیا اور خاص وعام نے اُنکے علم سے نفع اُٹھایا۔

ص ۔ ک ۔ عبد اللہ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے یعنی جو تبحر علمی اُن کو اب ہے اگر تابعین کے زمانہ میں ہوتا تو تابعین بھی اُن کی طرف محتاج ہوتے ۔

م ۔ ص ۔ ک ۔ ابو عصمہ لکھتے ہیں جو شخص ابو حنیفہ رح سے بے پروائی کرے وہ جاہل ہے مطلب یہ کہ ہر عالم اُن کے علم کی طرف محتاج ہے ۔ اس احتیاج کی یہی وجہ تھی کہ اُس وقت تک اجتہاد کے قواعد ایجاد نہیں ہوئے تھے امام صاحب نے اُس کا بار اپنے ذمہ لیکر محدثین کو ممنون کیا جسکا حال انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ معلوم ہوگا ۔

توالی التاسیس میں ابن حجر عسقلانی رح نے لکھا ہے کہ حاکم نے لکھا ہے کہ میں جہاں تک جانتا ہوں اُس میں خلاف نہیں کہ امام شافعی ۱۵۰ھ ایک سو پچاس ہجری میں پیدا ہوئے اور یہ وہی سن ہے جس میں ابو حنیفہ رح کا انتقال ہوا جس میں یہ اشارہ ہے کہ امام شافعی رح ابو حنیفہ رح کے فن میں اُن کے جانشین ہوں گے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ محدثین نے بھی امام شافعی رح کو امام صاحب کا خلیفہ قرار دیا اور صدارت فقہ امام صاحب ہی کو مسلم رکھی چونکہ امام صاحب گویا موجد فن فقہ ہیں ۔ اِسلئے اُن کا تھوڑا سا حال معلوم کرلینا مناسب ہے ۔ اگرچہ یہاں امام صاحب کے فضائل بیان کرنے سے مقصود دوسرا ہے مگر یہ بات معلوم رہے کہ آپکے فضائل کا نفس بیان بھی فائدہ سے خالی نہیں جیسا

اس روایت سے ظاہر ہے۔

م ص ک۔ عبدالوہاب مروزی رح کہتے ہیں کہ جب شقیق بلخی رح مکہ معظمہ کو آئے تو ہم اُن کے مجلس میں اکثر جایا کرتے اونکی عادت تھی کہ ابو حنیفہ رح کی تعریفیں کثرت سے کیا کرتے ایکبار ہم نے کہا حضرت کب تک اُن کی تعریف و توصیف کروگے۔ ایسی باتیں بیان کیجئے جس سے ہمیں کچھ نفع ہو فرمایا افسوس ہے کہ تم لوگ ابو حنیفہ کے ذکر کو اور اُن کے مناقب کو افضل الاعمال نہیں کہتے اگر اُن کو دیکھتے اور اُن کے ساتھ بیٹھتے تو یہ بات کبھی نہ کہتے۔

م ص ک یحیٰی ابن آدم رح کہتے ہیں کہ شعبہ کے روبرو جب ابو حنیفہ رح کا ذکر آتا تو تعریف و توصیف میں بہت اطناب کرتے حالانکہ امام صاحب کے وہ استاد تھے۔

م ص۔ محمد ابن قاسم کہتے ہیں کہ یاسین زیات رح امام صاحب کی تعریفیں حد سے زیادہ کرتے جب کبھی اُن کا ذکر آتا تو دیر تک ذکر کرتے اور خاموش رہنا نہیں چاہتے تھے۔

اب ہم چند اکابر محدثین کے اسمائے گرامی ان کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔ مناقب امام اعظم رح مولفہ امام موفق اور مناقب کردری رح اور الانتصار لامام آئمۃ الامصار مولفہ ابی المظفر یوسف بن عبداللہ سبط ابن الجوزی رح اور تبیض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ مولفہ امام سیوطی رح اور الخیرات الحسان مولفہ شیخ ابن حجر مکی رح جنہوں نے امام صاحب کے علم و فضل و ذہن و ذکاوت قوت حافظہ ثقاہت اور ورع و تقوی وغیرہ کمالات کی تعریفیں کی ہیں۔

ان حضرات کے اقوال تو موقع موقع پر ذکر کئے جائیں گے۔ مگر یہاں صرف یہ بتلانا منظور رہے کہ جن کی تعریفیں اتنے اکابر دین نے کی ہوں جن کی روایتیں کل زمانہ کا مدار رہے اُن کی توہین اس آخری زمانہ کا کوئی مولوی کرے تو وہ کیونکر قابل التفات ہو ہمیں اس موقع میں توہین کرنے والوں کی شکایت بھی مقصود نہیں اِسلئے کہ اِس زمانہ کا مقتضی اسی قسم کے امور کا ظہور و شیوع ہے کیونکہ خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی پیشین گوئی فرما چکے ہیں کہ آخری زمانہ میں لوگ پچھلے زمانہ والوں پر لعنت کریں گے سب بے دینی پھیل جائیگی الٹا کم ہو جائے گا ہر شخص اپنی رائے پر نازاں ہو گا اگر ایسے لوگ نہ ہوں تو خیر القرون اور آخری زمانہ میں فرق کیونکر ہو سکے حالانکہ فرق ضروری ہے غرضکہ ہر شخص اپنا وظیفہ ادا کرتا ہے۔ بلکہ ہمیں یہاں اپنے ہم مشربوں کو یہ معلوم کرا دینا منظور رہے کہ مخالفوں کی تقریریں سُننے اور دیکھنے سے جو وساوس شیطانی پیدا ہوں اُن کے دفعیہ میں ان بزرگان دین کے اقوال سے لاحول کا کام لیں۔ اور اعتقاد میں تزلزل کو آنے نہ دیں وما توفیقنا الا باللہ۔

اسمائے گرامی مداحین امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

ابراہیم ابن طہمان رح؛ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ وہ پانچویں طبقہ میں ہیں۔ عبداللہ ابن مبارک اور حفص ابن عبداللہ وغیرہ کے اُستاد اور ابو حنیفہ رح وغیرہ کے شاگرد ہیں اور علامہ شہدا تہذیب کمال میں لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۲ احمد ابن بشیر التہذیب التہذیب میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ نے لکھا ہے کہ وہ ابو موسیٰ اور محمد ابن سلام وغیرہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں بخاری ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

۳ امام احمد ابن حنبل تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ وہ طبقہ ہشتم میں ہے اور امام بخاری اور مسلم اور ابو داؤد وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ تذہیب التہذیب میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ مذاہب حقہ میں ایک مذہب کے آپ موجد ہیں بہت سے محدثین اور اولیاء اللہ آپ کے متعلد ہیں۔

۴ ابوالاحوص سلام ابن سلیم تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ سادسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ مسدد اور قتیبہ اور نیاعت وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور خلاصہ تذہیب التہذیب مذکور میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں انکی روایتیں موجود ہیں۔

۵ اسباط ابن نصر رحمہ خلاصہ مذکور میں لکھا ہے کہ وہ عمرو ابن حماد کے استاد ہیں اور سوائے بخاری کے مسلم وغیرہ کتب صحاح میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

۶ اسرائیل ابن یونس رحمہ تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ عبدالرحمن ابن مہدی اور ابو نعیم وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

۷ اعمش رحمہ تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ رابعہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور دونوں سفیان اور وکیع وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۸ اوزاعی رحمہ تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ شعبہ

اور ابن مبارک اور یحیٰی قطان وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

۹ بکر ابن خنیس رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابراہیم ابن طہمان اور ابو النضر وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور اُن کی روایتیں ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

۱۰ بکیر ابن معروف رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابو حنیفہ رح کے شاگرد اور ولید ابن مسلم وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور اُن کی روایتیں مراسیل ابو داؤد میں مذکور ہیں۔

۱۱ ابو نمیلہ یحیٰی ابن واضح رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد رح وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۱۲ ابن جریج رح) تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ دونوں سفیان اور مسلم بن خالد اور ابن عیینہ اور ابو عاصم اور روح اور وکیع رح وغیرہم کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۱۳ جریر ابن حازم رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ایوب سجستانی اور دونوں سفیان اور ابن وہب اور ابو الربیع زہرانی وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۱۴ جریر ابن عبدالحمید رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سادسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے

کہ وہ علی ابن مدینی اور اسحٰق و قتیبہ وغیرہ کے استاد ہیں - خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں -

۱۵ امام جعفر صادق رحؒ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ امام مالک اور دونوں سفیان اور یحییٰ قطان اور ابو عاصم نبیل کے استاد ہیں - اور امام ابو حنیفہ رحؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اُنسے افقہ میں نے نہیں دیکھا -

۱۶ ابو الجویریہ حطان ابن خفاف رحؒ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابن عباسؓ کے شاگرد اور اسرائیل اور شعبہ وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں بخاری ابو داؤد اور نسائی میں مذکور ہیں -

۱۷ حسن ابن صالح رحؒ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ وکیع اور یحییٰ ابن آدم اور یحییٰ ابن فضل وغیرہ کے استاد ہیں خلاصہ میں لکھا ہے کہ سوائے بخاری کے مسلم وغیرہ صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں -

۱۸ حسن ابن عرفۃ العبدی رحؒ خلاصہ میں لکھا ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں -

۱۹ حسن ابن عمارہ رحؒ خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ دونوں سفیان اور قطان وغیرہ کے استاد ہیں اور اُنکی روایتیں بخاری شریف کے تعلیقات اور ابو داؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہیں -

۲۰ حماد بن سلمہ رحؒ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابن جریج اور ثوری اور شعبہ کے استاد ہیں - اور اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں -

۲۱ حفص ابن عبدالرحمن رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ابوداؤد طیالسی اور یحییٰ ابن اکثم وغیرہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں ابوداؤد کی کتاب القدر میں اور نسائی میں مذکور ہیں۔

۲۲ حفص ابن غیاث رح) تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ سادسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ احمد اور اسحٰق اور علی ابن مدینی اور ابن معین رح کے استاد ہیں اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

۲۳ ابوحمزۃ السکری محمد بن میمون رح) تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ ان کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

۲۴ حماد ابن زید) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ثوری اور ابن المہدی وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

۲۵ خارجہ ابن مصعب رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ مالک اور ابو حنیفہ کے شاگرد اور سفیان ثوری اور عبدالرحمن ابن مہدی اور وکیع وغیرہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

۲۶ خلف ابن ایوب رح) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ احمد اور ابو کریب وغیرہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں ترمذی میں مذکور ہیں۔

۲۷ داؤد طائی رح) چونکہ ہمہ تن آپ کی توجہ علوم روحانیہ کی طرف مبذول تھی اور علم حدیث میں اشتغال کم تھا اسلئے محدثین نے آپ کے نسبت کچھ کلام کیا ہے لیکن حضرات صوفیہ میں آپ کی جلالت شان اظہر من الشمس ہے۔

۲۸ ابوداؤد حفری عمرو بن سعد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد بن حنبل اسحٰق اور ابن مدینی رح کے استاد ہیں اور سوائے بخاری کے کل صحاح میں انکی روایتیں موجود ہیں۔

۲۹ ابوداؤد سجستانی رح) آپ کی جلالت شان اس سے ظاہر ہے۔ آپ کی تصنیف صحاح ستہ میں ایک مقبول کتاب ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو نویں طبقہ میں لکھا ہے۔

۳۰ رقبۃ ابن مصقلہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ سلیمان تیمی اور ابو عوانہ وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور ان کی روایتیں بخاری مسلم ابوداؤد و ترمذی اور نسائی میں موجود ہیں۔

۳۱ روح ابن عبادہ رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ احمد اور اسحٰق وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

۳۲ زہیر ابن معاویہ رح) تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ خامسہ میں لکھ کر کہا کہ وہ احمد ابن یونس اور ابو نعیم وغیرہ کے استاد ہیں خلاصہ میں لکھا ہے کہ ان کی حدیثیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

۳۳ ابو الزبیر المکی رح) تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ رابعہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ایوب اور شعبہ اور سفیان اور حماد ابن سلمہ اور مالک اور لیث کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں

۳۴ زبید ابن علی رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ آپ زہری اور زکریا اور ابن ابی زائدہ کے استاد ہیں۔ اور صحابہ کے ایک جماعت کو آپ نے دیکھا تھا اور ترمذی میں

آپ کی روایتیں موجود ہیں۔

۳۵ سعید ابن ابی عروبہ رحمہ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ بشر ابن المفضل و ابن علیہ و غندر و یحییٰ ابن سعید و روح ابن عبادہ وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

۳۶ سفیان ثوری رحمہ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے وہ ابن مبارک اور یحییٰ قطان اور وکیع اور احمد ابن یونس وغیرہ کے استاد ہیں خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

۳۷ سفیان ابن عیینہ رحمہ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ وہ ابن مبارک اور ابن مہدی اور امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل اور یحییٰ بن معین اور اسحٰق وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

۳۸ سوید ابن سعید رحمہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ ان کی روایتیں مسلم اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

۳۹ امام شافعی رحمہ آپ کی جلالت شان اظہر من الشمس ہے مذاہب حقہ ایک مذہب کے موجد آپ ہیں بڑے بڑے محدثین اور اولیاء اللہ آپ کے مذہب میں داخل اور آپ کی فقہ پر عامل ہیں آپ کا مذہب شام مصر عراق یمن فارس اور ہند وغیرہ کے اکثر بلاد میں شائع و ذائع ہے آپ کے مناقب میں کتابیں بکثرت لکھی گئیں تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ ابو حسان زیادی کہتے ہیں کہ امام محمد رحمہ کو میں نے کسی عالم کی تعظیم اس قدر کرتے نہیں دیکھا

جو امام شافعی رحمہ کی تعظیم کرتے تھے۔

۴۰ شریک ابو عبد اللہ النخعی رحمہ) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ قتیبہ وعلی ابن حجر اور ہناد بن السری وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

۴۱ شعبہ رحمہ) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کرکے لکھا ہے کہ وہ ایوب سجستانی اور سفیان ثوری اور غندر وغیرہ کے استاد ہیں۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۴۲ شقیق بلخی رحمہ) نفحات الانس میں مولانا جامی رحمہ نے لکھا ہے کہ آپ اولیاء اللہ کے پہلے طبقہ میں ہیں اور امام زوزر رحمہ کے شاگرد اور حاتم اصم کے استاد تھے

۴۳ ابو شیخ رحمہ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ہیں اور قتادہ کے استاد ہیں اور اُنکی روایتیں ابو داود اور نسائی میں موجود ہیں۔

۴۴ ابو ضمرہ انس بن عیاض رحمہ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ احمد اور قعنبی اور احمد بن صالح وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں ہیں۔

۴۵ ابو عاصم النبیل جنکا نام ضحاک رحمہ ہے) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ بخاری وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۴۶ عنبر رحمہ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ خلف ابن ہشام و احمد ابن یونس اور قتیبہ وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں۔

۴۷ عبد اللہ ابن داود خریبی رحمہ) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ نصر ابن الحارث و مسدد و ابو بندار وغیرہ کے استاد ہیں اور اُنکی روایتیں سوائے مسلم کے بخاری وغیرہ صحاح

موجود ہیں۔

۴۸	عبداللہ ابن مبارک رحمۃ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سادسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ دونوں سفیان اور معتمر اور بقیہ اور ابن مہدی وغیرہ کے استاد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اُن کا تفصیلی حال آئندہ لکھا جائیگا۔
۴۹	عبداللہ ابن یزید مقری رحمۃ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سابعہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ابو حنیفہ وغیرہ کے شاگرد اور امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ ابن مالک اور یحییٰ ابن کثیر کے بھی وہ استاد ہیں۔
۵۰	عبداللہ ابن نمیر رحمۃ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ سادسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ امام احمد وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
۵۱	عبدالرحمن المسعودی رحمۃ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ خامسہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ابن مبارک اور ابن عیینہ اور عبدالرحمن ابن مہدی وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں بخاری ابوداؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔
۵۲	عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مبارک اور امام احمد وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔
۵۳	عبدالعزیز ابن رزمہ رحمۃ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ابوداؤد ترمذی میں موجود ہیں۔

۵۴ عبد العزیز ابن ابی رواد رحم، خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ یحییٰ ابن قطان وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں سوائے مسلم کے صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

۵۵ عثمان المدنی رح، خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ثوریؒ وغیرہ کے استاد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

۵۶ عطاء ابن ابی رباح رح، تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ ابو حنیفہ اور ابن جریج وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

۵۷ عمران ابن [illegible] رح، خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں نسائی میں موجود ہیں

۵۸ علقمہ ابن مرثد رح، خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ مسعر اور شعبہ اور ثوری رحم وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۵۹ علی ابن ہاشم رح، خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابو داؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

۶۰ [illegible] ابن [illegible] رح، خلاصہ میں لکھا ہے کہ امام ابو داؤد و نسائی وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۶۱ عمرو ابن دینار رح، خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ قتادہ و شعبہ اور دونوں سفیان رح وغیرہ کے استاد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۶۲ علی ابن موسیٰ رضا رح، آپ آئمہ اہل بیت میں ہیں جلالت شان آپ کی اظہر من الشمس ہے

۶۳ عمرو ابن عبد اللہ رح، خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور ثوری اور قطان رح وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

٦٤ فضل ابن دکین (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد و اسحٰق اور یحییٰ بن معین کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

٦٥ فضل ابن موسیٰ (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ ابو داؤد نے کتاب القدر میں اُن کی روایتیں لکھی ہیں۔

٦٦ فضل ابن عطیہ (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

٦٧ فضل ابن موسیٰ سینانی (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ اسحٰق وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

٦٨ فضیل ابن عیاض (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ سفیان ثوری اور سفیان ابن عیینہ اور ابن مبارک اور یحییٰ قطان اور مسدد وغیرہ کے استاد ہیں اور بخاری و مسلم و ابو داؤد و ترمذی اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ روئے زمین پر [illegible] اُن سب سے اورع تھے۔

٦٩ قاسم ابن معن (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مہدی اور ابو نعیم وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور ابو داؤد اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

٧٠ قبیصہ ابن عقبہ (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ بخاری وغیرہ کے اُستاد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں ہیں۔

٧١ قیس ابن الربیع (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور ثوری (رح) وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

۱۔ ابن ابی لیلے محمد ابن عبد الرحمن رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقۂ خامسہ میں لکھا ہے اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور دونوں سفیان اور وکیع رح وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابوداؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

۳۔ لیث ابن سعد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں اور امام مالک رح سے بھی افقہ تھے اور کل صحاح ستہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں۔

۴۔ امام مالک رح) آپ کی جلالت شان محتاج بیان نہیں آپ ایک مذہب حقہ کے موجد ہیں اکثر محدثین اور اولیاء اللہ آپ کے مقلد ہیں بہت سے بلاد اسلامیہ میں اُنکی فقہ رائج ہے۔

۵۔ مالک ابن مغول) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور دونوں سفیان وغیرہم کے استاد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں ہیں۔

۶۔ محمد ابن طلحہ بن مصرف رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مہدی اور ابو نعیم وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں موجود ہیں۔

۷۔ محمد ابن مسلم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن مہدی و عبد الرزاق اور قتیبہ وغیرہ کے استاد ہیں صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۸۔ مکی ابن ابراہیم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد اور اسحٰق رح وغیرہ کے استاد ہیں اور سوائے ترمذی کے بخاری وغیرہ کتب صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۹۔ مسعر ابن کدام رح) تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو طبقۂ خامسہ میں لکھا ہے۔ اور خلاصہ میں

لکھا ہے کہ وہ سلیمان تیمی و ابن اسحق و شعبہ اور ثوری رحمہ وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

۸۰ مسلم ابن خالد الزنجی رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام شافعی اور ابن وہب رح وغیرہ کے استاد ہیں اور اُن کی روایتیں ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

۸۱ معافی ابن عمران الموصلی رح) تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ بشر حافی رحمہ وغیرہ کے استاد ہیں سفیان ثوری رح اُن کو یاقوتۃ العلما کہا کرتے تھے۔ اوزاعی رح کا قول ہے کہ معافی موصلی اور ابن مبارک اور موسیٰ ابن اعین آئمہ ہیں مگر موصلی پر میں کسی کو مقدم نہیں کرتا۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں بخاری ابوداؤد اور نسائی میں موجود ہیں۔

۸۲ معمر رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ سفیان ثوری اور ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۸۳ مقاتل ابن حیان رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابراہیم ابن ادہم اور ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور سوائے بخاری کے مسلم وغیرہ کتب صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۸۴ مکی ابن ابراہیم رح) تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ امام جعفر صادق اور ابوحنیفہ وغیرہ کے شاگرد اور امام بخاری رح وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

موسیٰ کاظم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ آپ امام جعفر صادق کے فرزند اور علی رضا کے والد ہیں۔ اور آپ کی روایتیں ترمذی اور ابن ماجہ میں مذکور ہیں۔

۸۶ نضر بن شمیل (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ یحیٰی ابن یحیٰی اور اسحق کوسیج کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۸۷ نضر ابن محمد (رح) خلاصہ میں اس نام کے دو محدث ہیں دونوں کی روایتیں صحاح میں ہیں۔

۸۸ نوح ابن ابی مریم ابو عصمہ (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ زہری اور ثابت کے شاگرد ہیں اور علی ابن المدینی اور ابو نعیم ابن حماد کے استاد ہیں ابوداؤد نے کتاب القدر میں اور ابن ماجہ نے تفسیر میں اُن کی روایتیں ذکر کی ہیں

۸۹ وکیع ابن الجراح (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ احمد و اسحق اور ابن معین رح وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

۹۰ ہرون ابن مغیرہ (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن معین رح وغیرہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں ابوداؤد و ترمذی میں موجود ہیں۔

۹۱ ہشام ابن یوسف (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ اسحق اور ابن مدینی وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور سوائے مسلم کے بخاری وغیرہ کل کتب صحاح میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

ابو یحیٰی الحمانی (رح) جنکا نام عبدالحمید ابن عبدالرحمٰن ہے) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابو کریب وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور بخاری ابوداؤد ترمذی و ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یحیٰی ابن آدم (رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد و اسحق اور ابن مدینی رح وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یحییٰ ابن اکثم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ترمذی وغیرہ میں ہیں۔

یحییٰ ابن فضل رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ انکی روایتیں ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہیں۔

یحییٰ ابن قطان رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ شعبہ اور ابن مہدی اور احمد ابن حنبل وغیرہ کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستّہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یحییٰ ابن معین رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ بخاری اور مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستّہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یزید ابن ابراہیم رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ انکی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

یزید ابن ہارون رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد اور اسحٰق اور ابن مدینی وغیرہ کے استاد ہیں اُن کی مجلس میں ستّر ہزار شخص تک جمع ہوتے ہیں اور کل صحاح ستّہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

یزید ابن زریع رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ابن المدینی اور محمد ابن المنہال رح وغیرہ کے استاد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

یوسف ابن خالد رح) خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ترمذی میں موجود ہیں اُن کے سوا بعض ابوحنیفہ وغیرہ ہیں ماسوا امام صاحب کے اور بہت سے عالم ہیں۔ چنانچہ منجملہ اُن کے چند نام یہ ہیں۔

ابراہیم ابن معویۃ الضریر۔ اسمٰعیل ابن حماد۔ ابوالاسد جزری۔ اسرائیل ابن زیاد۔ ابوبکر ابن عباس۔ بحر السقا۔ توبہ ابن سعد۔ جعفر ابن زریع۔ جریر ابن معاویہ۔ جعفر ابن حازم۔ حسن ابن زیاد۔ حیان التوحیدی۔ ریاح ابن ابی نصر۔ ابوسفیان الحمری۔ سہل ابن مزاحم۔ سعدان بن سعید۔ شداد بن حکیم۔ عبدالعزیز ابن ابی سلمہ۔ علی [illegible]

ابو عمرو ابن العلا علی ابن اسحق الحنظلی عیسیٰ بن یونس۔ عمران ابن محمد۔ ابو عاصم
کنانۃ الہروی۔ لیث ابن نصر۔ ابو معویۃ الضریر۔ معروف ابن حسان۔ مقاتل ابن سلیمان
ابو معاذ البلخی۔ مغیرۃ ابن قاسم۔ نوح ابن اسد۔ یحییٰ ابن سعید۔ یاسین الزیات۔
یحییٰ ابن ابی کثیر وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

تذکرۃ الحفاظ میں امام اعظم رحمہ کو پانچویں طبقہ میں اور امام بخاری رحمہ کو نویں طبقہ میں لکھا ہے او آپنے دیکھ لیا کہ امام صاحب کی مدح وثنا تیسرے ہی طبقہ سے شروع ہو گئی۔ اور نویں طبقہ تک ہر طبقہ کے اکابر محدثین برابر آپ کے مداح رہے اور محدثین بھی کیسے کہ اگر اُن کی اور اُن کے شاگردوں کی روایتوں کو علحدہ کردیں تو صحاح ستہ میں بجائے شمار احادیث صفر رہجائیگا۔

دیکھنے کو تو یہ حضرات سو ہیں جن کے نام لکھے گئے۔ مگر انکے شاگردوں کا حساب کیا جائے تو آسانی سے نہ ہو سکیگا۔ اسلئے کہ اُس زمانہ میں ایک ایک محدث کے صدہا بلکہ ہزاروں شاگرد ہوا کرتے تھے پھر مداحوں کا انحصار انہی میں نہیں۔ آیندہ یہ بات معلوم ہوگی کہ امام صاحب کے مدح میں ہر ملک و دیار سے جوق جوق محدثین اکرمستفید ہوا کرتے تھے غرضکہ جب یہ حضرات امام صاحب کے حالات اپنے ذاتی علم اور مشاہدہ سے اپنے تلامذہ سے کہتے ہونگے تو ان اکابر دین کے ارشادات سے طالبین حق کے دلوں پر کیسا عمدہ پر زور اثر پڑتا ہوگا کیونکہ سلیم الطبعوں کا لازمہ ہے کہ اپنے معتمد اساتذہ کے قول کو بغیر چون وچرا کے مان لیتی ہیں۔ چونکہ کتب رجال سے ظاہر ہے کہ اُس زمانہ میں ایک ایک استاد کے صدہا شاگرد

اور ایک ایک شاگرد کے صدہا استاد ہوا کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب فضائل علمیہ مختلف معتبر طریقوں سے بکرات و مرات محدثین کے طبقات میں پہونچا کئے۔ اور سواد تمند طلبہ کے دلوں میں پورے طور پر اُن کا رسوخ اور وثوق ہو گیا جس سے ثابت ہے کہ امام صاحب اُسی زمانہ میں شہرۂ آفاق ہو گئے تھے اور اسلامی دنیا میں کمال عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے یہاں تک محسود خلائق ہو گئے تھے یہی وجہ تھی کہ حاسدوں نے اتہام کے الزام آپ کے ذمہ لگائے جنکا حال انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ اور جہاں آپ کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں اُن افترا پردازیوں کا بھی تو دہ طوفان پیش کیا جاتا ہے مگر اہل انصاف سمجھ جاتے ہیں کہ وہ سب بے اصل محض ہیں۔

اکابر محدثین جو امام صاحب کی تعریف میں رطب اللسان رہے وہ کوئی معمولی بات نہیں یہ حضرات دین کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے بلکہ دینی امور میں اُن کو اپنی جان کی بھی پرواہ نہ تھی چنانچہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جو تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ سفیان ثوری رح نے اوزاعی سے پوچھا کہ عبداللہ بن علی سفّاح کے ساتھ آپکو کیا واقعہ پیش آیا۔ فرمایا کہ جب وہ شام میں آیا اور بنی امیہ کو قتل کیا تو ایک روز مجھے بلوایا۔ جب میں اُس کے دروازہ پر پہونچا تو دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑ لئے اور دربار میں لے چلے۔ دیکھا کہ وہ تخت پر بیٹھا ہے اور چوبدار اور سپاہی تلواریں کھینچے ہوئے اور کافر کوب وغیرہ

ہتھیاروں سے مسلح دو طرفہ صف بستہ کھڑے ہیں اور دونوں نے مجھے اپنے فاصلہ پر کھڑا کیا کہ میری بات کی آواز اس تک پہونچے اُس نے مجھسے پوچھا کیا تمہارا ہی نام عبدالرحمن ابن عمر اوزاعی ہے میں نے کہا جی ہاں۔ کہا بنی امیہ کی جو خونریزی ہوئی اُس باب میں تم کیا کہتے ہو میں نے کہا آپ میں اور اُنمیں کچھ معاہدے ہونگے جن کے ایفا کی ضرورت تھی غصہ سے کہا کوئی معاہدہ نہ تھا۔ اُسوقت سے مجھے یقین ہو گیا کہ اب قتل کا حکم دیتا ہے اور اپنے بچاؤ کی فکر کرنے لگا۔ ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا کے تعالےٰ کے روبرو کھڑے ہونے کا دن قریب آنیوالا ہے اگر کوئی خلاف بات کہی جائے تو اُس روز کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا اس خیال کے ساتھ ہی اُس کا خوف جاتا رہا۔ اور میں نے جواب دیا کہ خونریزی اُنکی تم پر حرام تھی یہ سُنکر غصہ کے مارے اُسکی یہ حالت ہوئی کہ رگیں پھولگئیں آنکھیں متغیر ہوگئیں اور پوچھا یہ کس دلیل سے میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین وجہ کے ایک زنا دوسری قصاص تیسری ارتداد یعنی دین سے پھر جانا۔ کہا کیا دین کی راہ سے ہم مجاز نہیں میں نے کہا وہ کیسا کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو وصی نہیں بنایا تھا میں نے کہا اگر وصی تھے تو اُن کو دو حکم مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ سُنکر آگ بگولا بن گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب میرا سر میرے سامنے گرتا ہے مگر غصہ سے اشارہ کیا کہ اس کو نکال دو چنانچہ میں نکالا گیا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک سوار پہونچا

میں اسکو دیکھتے ہی سواری سے اُتر پڑا اور اس خیال سے نماز پڑھنے لگا کہ نماز ہی میں سر کاٹا جاے مگر وہ ٹھہر ارہا۔ اور بعد فراغ نماز بہت سی اشرفیاں مجھے دیں جنکو میں گھر پہونچنے سے پہلے تقسیم کر دیا۔ اب دیکھئے ایسے راستباز جن کو دین کے معاملہ میں جان کی پروا نہ کیا دینی معاملہ میں مداہنت کر کے انہوں نے امام صاحب سے ازراہ تملق یہ کہا ہوگا کہ ہم محدثین دواساز ہیں اور تم فقہا اطبا ہو اور کسی وجہ سے امام صاحب کی بدگوئی اور بدگمانی سے توبہ کی ہوگی ؟ معاذ اللہ جس سے اُن کو ذرا سی شبہ ہوتا تو اغماض کرنا ممکن ہی نہ تھا بلکہ اُس کو رسوا کر کے مسلمانوں کو اُس کی حالت سے خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے تاکہ لوگ اُسکے فتنہ سے بچیں۔

اب ہم امام صاحب کے علم کا حال لکھتے ہیں جو اکابر محدثین کی شہادتوں سے ثابت ہے۔

امام صاحب سنہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوے یہ وہ متبرک زمانہ ہے کہ بہت سے صحابہ اُس میں موجود تھے مگر آفتاب وجود صحابہ غروب ہونے کو تھا اسلئے اشاعت علوم کا بازار گرم تھا۔ اودھر صحابہ بحسب ارشاد فلیبلغ الشاہد الغائب سرگرم اشاعت علوم تھے اودھر مسلمانوں پر یہ خیال مسلط تھا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ارشاد اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ ہی کے ساتھ واپس ہو جاے جس سے تمام امت مرحومہ محروم رہجاے تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ ابو حنیفہ رح نے انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا ہے جس سے امام صاحب کا تابعی ہونا ثابت ہے۔

امام صاحب کو اوائل میں کمال حمیت اسلامی اور حرارت دینی سے مذاہب باطلہ کے رد کا شوق ہوا جیسا کہ امام موفق رح نے مناقب امام صاحب میں لکھا ہے کہ یحیٰی ابن شیبان کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے ابتدائی حالت کی خبر دی کہ مجھے علم کلام میں پوری مہارت ہو گئی تھی اکثر طبقات خوارج اور حشویہ سے مناظرے کیا کرتا تھا۔ ایکبار میرے خیال میں یہ بات آئی کہ صحابہ اور تابعین کو قوت علمیہ کم نہ تھی مگر انہوں نے یہ کام کبھی نہیں کیا بلکہ وہ حضرات شرائع اور ابواب فقہیہ میں ہمیشہ خوض کیا کرتے اور لوگوں کو اُس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اسلئے میں نے مناظرہ چھوڑ کر سلف کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اُس میں قبیصہ ابن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابوحنیفہ رح اوائل میں اہل ہوا سے مناظرے کیا کرتے تھے یہاں تک اس باب میں وہ راس اور صدر مانے جاتے تھے اور لوگوں کی نگاہیں اُن کی طرف لگی رہتی تھیں مگر انہوں نے وہ ترک کر کے فقہ اور حدیث کی طرف توجہ کی اور اُس میں بھی امام ہو گئے۔

یوں تو آپ کے مناظرے بہت سارے ہیں مگر یہاں ایک مناظرہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

م ص ک۔ جب خوارج کو معلوم ہوا کہ ابوحنیفہ رح گناہگار اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے تو ستر شخص امام صاحب کے پاس آئے دیکھا کہ مجلس درس بالا مال ہے امام صاحب سے کہا کہ ہم سب ایک مذہب والے بزرگوں سے کہئے کہ ہمیں ایک مقام میں جگہ دیں آپنے

سب کو ہٹا دیا انہوں نے فوراً تلواریں کھینچ لیں امام صاحب کا محاصرہ کر کے کہا اے
امت کے دشمن اور اے امت کے شیطان ہم ہر ایک شخص تیرے قتل کو ستر
جہاد سے بہتر سمجھتا ہے اور باوجود اسکے ہم تجھ پہ ظلم کرنا نہیں چاہتے امام صاحب
نے فرمایا تو کیا انصاف سے میرا قتل چاہتے ہو کہا ہاں فرمایا جب ایسا ہے
تو تم تلواروں کو میان کر لو کیونکہ اُن کی روشنی سے مجھے خوف ہوتا ہے انہوں
نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اُن کو تیرے خون سے رنگین کریں
فرمایا خیر بسم اللہ جو کہنا ہو کہو انہوں نے کہا کہ مسجد کے دروازے پر دو جنازے
ہیں ایک کا حال یہ تھا کہ شراب ہمیشہ پیا کرتا تھا یہاں تک کہ غرغرہ کی حالت
تک اُس کے منہ میں شراب تھی گویا وہ شراب میں غرق تھا۔ دوسرا جنازہ
ایک عورت کا ہے جسنے زنا کیا تھا۔ اور جب حمل کا یقین ہو گیا تو خودکشی کر لی۔
امام صاحب نے فرمایا وہ دونوں کس ملت کے تھے کیا یہودی تھے کہا نہیں
فرمایا نصاریٰ تھے کہا نہیں فرمایا مجوسی تھے کہا نہیں۔ فرمایا پھر کس ملت کے تھے
کہا اُس ملت کے جسمیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیجاتی ہے
فرمایا یہ شہادت ثلث ایمان ہے یا ربع یا خمس کہا ایمان کا ثلث ربع خمس نہیں
ہوا کرتا پھر فرمایا پھر ایمان کا کتنواں حصہ ہے کہا پورا ایمان ہے۔ فرمایا پھر تم
پوچھتے کیا ہو۔ تم خود کہتے ہو کہ وہ دونوں مسلمان تھے۔ کہا خیر اسکو جانے دو
وہ جنتی ہیں یا دوزخی فرمایا میں اُن کے بارہ میں وہی کہتا ہوں جو نبی اللہ ابراہیم
علیہ السلام نے اپنی قوم کی نسبت کہا تھا فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک
غفور رحیم۔ حالانکہ اُس قوم کے گناہ اُن دونوں سے بہت بڑھے ہوئے تھے

اور فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم فانک انت العزیز الحکیم حالانکہ ان کے گناہ اون دونوں کے گناہوں سے بڑے ہوئے تھے اور فرمایا میں ان کے بارہ میں وہی کہتا ہوں جو نبی اللہ نوح علیہ السلام نے کہا تھا قال وما علمی بما کانوا یعملون ان حسابہم الا علی ربی لو تشعرون۔ یہ سنکر انہوں نے تلواریں ڈالدیں اور کہا کہ ہم اپنے اعتقاد سے توبہ کرتے ہیں اور آپ کا دین اختیار کرتے ہیں۔ خدا نے آپ کو فضل وحکمت اور علم عطا فرمایا ہے اور وہ سب رائے خوارج سے توبہ کرکے اہل سنت وجماعت میں داخل ہو گئے۔

غرضکہ امام صاحب کو مناظرہ میں کمال اور پورا ملکہ تھا اور اس سے اسلام کو فائدہ بھی تھا مگر صرف اس خیال سے کہ سلف صالح نے یہ کام نہیں کیا اسکو ترک کرکے فقہ کی طرف توجہ کی اور کمال ذکاوت وفہم سے اس کے امام کہلائے۔

م ک ص ۔ حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ ایک نادر الوجود شخص تھے میں نے ان کا سا ذکی اور ذی فہم اور صاحب فہم اور صاحب نظر نہ دیکھا نہ سنا

م ک ص ۔ مقاتل ابن حیان کہتے ہیں کہ میں نے تابعین اور تبع تابعین کو دیکھا مگر ابوحنیفہ کے جیسا نکتہ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا۔

م ص ک ۔ عبداللہ ابن اجلح کہتے ہیں کہ امام صاحب علم میں غواص تھے جب غوطہ مارتے تو عمدہ عمدہ دُرّ ویاقوت نکالتے۔

م ص ۔ علی ابن ہاشم کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کنز العلم تھے جو مسائل اعلیٰ درجہ کے

فہم وذکاوت امام رحمۃ اللہ

علما پر سخت تھے وہ انپر سہل تھے۔

خ - قال الشعبہ واللہ کان ابو حنیفہ حسن الفہم جید الحفظ یعنی شعبہ جو امام بخاری کے استاد ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ابو حنیفہ کی فہم اچھی اور حافظہ عمدہ تھا

م - ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ میں نے ہزار علماء سے ملاقات کی ہے تو ان شخصوں کا سا عقلمند نہیں دیکھا محمد ابن مقاتل نے پوچھا تین شخص کون کہا ابن عون اور ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رح کہتے ہیں میں نے کہا ابو حنیفہ ان کی میں ہیں انہوں نے اسپر بہت افسوس کر کے کہا اگر میں ابو حنیفہ سے ملا تو ان لوگوں میں ہوتا جو بازار میں بیٹھے ہیں اگر ان سے ملتا تو بہتر ہوتا

م ک - علی ابن عاصم کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ کی عقل نصف اہل زمین کی عقلوں کے ساتھ وزن کیجاوے تو انہی کی عقل غالب ہوگی۔

م ص - خارجہ ابن مصعب کہتے ہیں کہ مجھے ایک ہزار علماء سے ملاقات ہے مگر ان میں تین یا چار شخصوں کو عقل میں زیادہ پایا جسمیں ایک ابو حنیفہ تھا

م س ت - ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ اگر اہل زمانہ کو اجازت ہوتی کہ اپنی رائے سے کچھ کہیں تو ابو حنیفہ سب سے زیادہ اسکے مستحق ہوتے

ک - بکر ابن خنیس رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اور ان کے زمانہ والوں کی عقلیں جمع کیجائیں تو ابو حنیفہ ہی کی عقل سب پر غالب آجائیگی۔ اور یزید بن ہارون کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو ابو حنیفہ سے عقل میں زیادہ اور افضل ہو۔

تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ یزید بن ہرون کہتے ہیں کہ مجھی بہتو نے

ملاقات سے ہے مگر ابو حنیفہ سے اعقل افضل اور اورع نہیں دیکھا۔

س۔ امام شافعی رح فرمایا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ سے زیادہ عقلمند کوئی نہ تھا

م ص ک۔ حسن بن محمد لیثی کہتے ہیں کہ حماد بن ابی سلیمان جو امام صاحب کے استاد ہیں وہ کہا کرتے تھے کہ بسا وقت ایسا ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ کی رائے کے مقابلہ میں میں اپنی رائے کو متہم کرتا ہوں اور انکے قول کے قائل ہونیکی مجھے ضرورت ہوتی ہے۔

م ص ک۔ محمد ابن جابر کہتے ہیں کہ ہم حماد بن ابی سلیمان کے حلقہ میں بیٹھا کرتے تھے اور ابو حنیفہ انسے کلام کرتے اور جب کسی مسئلہ میں انکو خلاف ہوتا تو ایسی گفتگو کرتے کہ حماد کو تنگ کر دیتے آخر وہ کہتے کہ میں کیا کروں یہ قول عبد اللہ بن مسعود وغیرہ کا ہے ابو حنیفہ اس کو یاد کر لیتے۔

م ص ک۔ عثمان بن مروان کہتے ہیں کہ ایک بار کلبی نے ابو حنیفہ رح کو دیکھا اور حاضرین مجلس سے کہا اس شخص کو دیکھتے ہو۔ خدا کی قسم جو شخص مجھسے پوچھتا ہے تو اسکا جواب میں آسانی سے دیدیتا ہوں مگر اس شخص نے جب کوئی بات مجھسے پوچھی تو اس کا جواب مجھپر پہاڑ سے بھی زیادہ ثقیل ہوجاتا

م ص۔ مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ قوت حافظہ میں اپنے زمانہ کے لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے۔

م ص۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ قوت حافظہ اور فقہ اور صیانت اور شدت ورع میں سب پر غالب تھے۔

تبییض الصحیفہ میں امام صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ جب میں حماد رح کی خدمت میں

کیا تو جو مسائل وہ فرماتے ہیں یاد رکھ لیتا دوسرے روز جب اعادہ کا حکم
ہوتا تو میرے بعد بعض رح خطا کرتے اور میں سب سنا دیتا یہ دیکھ کر حماد رح
نے سب سے فرما دیا کہ صدر حلقہ میں میرے مقابل سوائے ابوحنیفہ
کے اور کوئی نہ بیٹھے "

م۔ حارث ابن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ہم لوگ عطاء ابن ابی رباح کے حلقہ
میں جایا کرتے کثرت کی وجہ سے آگے پیچھے بیٹھ جاتے مگر جب
ابوحنیفہ رح آتے تو وہ مجلس کی توسیع کر کے ان کو اپنے نزدیک بٹھاتے۔
قوت حافظہ ہی کمال کا باعث ہے کہ تمام احادیث جو فقہ سے متعلق ہیں
ان کو مستحضر تھیں۔ اور جو مسئلہ پوچھا جاتا تھا اس کا جواب فوراً دیتے تھے۔
م ص۔ لیث ابن سعد جو امام اہل مصر ہیں کہتے ہیں کہ مجھے ابوحنیفہ کے
دیکھنے کی تمنا تھی۔ ایک بار دیکھا کہ لوگ ایک شیخ پر ٹوٹ پڑے ہیں
ایک شخص نے ان کا نام لیکر کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے فوراً جواب دیدیا۔
لیث کہتے ہیں کہ انکے جواب باصواب سے مجھے اس قدر تعجب نہیں ہوا
جو فوراً جواب دینے سے ہوا۔ فی الحقیقت امام صاحب کی حاضر جوابی عجیب چیز
تھی۔ موفق رح نے عمار بن محمد کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز
ابوحنیفہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس ہر ملک کے
لوگوں کا ہجوم تھا ہر طرف سے لوگ مسائل پوچھتے تھے اور آپ ہر ایک کو ٹھیک
جواب دیتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سب جواب آستین میں رکھے ہو
ہیں اور ہر ایک کو آپ فوراً نکال نکال کر دیتے ہیں۔

م ص - زفر رہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ جب کلام کرتے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فرشتہ اُن کو تلقین کر رہا ہے۔

م ص - ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں ہم آپس میں اختلاف کرتے اور وہ حل نہ ہوتا تو امام صاحب کے پاس آتے آپ اس کا جواب ایسا فوراً دیدیتے کہ گویا آستین میں رکھا تھا کہ آتے ہی نکال کر دیدیا۔

ت ح - عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن عمارہ کو دیکھا کہ ابوحنیفہ کی رکاب پکڑے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فقہ میں آپ سے زیادہ بلیغ اور حاضر جواب ہو - اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ علم کا مدار عقل اور فہم اور حافظہ پر ہے اور اکابر محدثین کی گواہیوں سے ثابت ہے کہ اس متبرک زمانہ میں جو عین شباب علم کا زمانہ تھا ان امور میں امام صاحب کا کوئی نظیر نہ تھا اور امام صاحب کا نشوونما ایسے شہر میں ہوا جو اسلامی دنیا میں دارالعلوم اور قبۃ الاسلام مسلم ہو چکا تھا اسلئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا تھا - تلقیح میں ابن جوزی نے لکھا ہے کہ کوفہ آٹھ طبقوں کا دارالخلافت رہا ہے۔ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اُسکو قبۃ الاسلام کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دارالخلافت میں اہل کمال کا جمع ہوا کرتا ہے اسی وجہ سے بہت سے صحابہ وہاں آقامت گزیں تھے۔ چنانچہ تلقیح میں ایک سو بیس صحابہ کے نام لکھے ہیں۔ جو وہاں مقیم تھے۔ جامع ترمذی میں خیثمہ ابن سبرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ گیا اور ابوہریرہ رضہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے میرا وطن

دریافت کیا میں نے کہا اہل کوفہ سے ہوں اور یہاں طلب علم کی غرض سے آیا ہوں فرمایا کیا تمہارے یہاں سعد ابن مالک اور عبداللہ ابن مسعود اور حذیفہ اور عمار اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم نہیں ہیں مطلب یہ کہ جہاں یہ حضرات ہوں وہاں کے لوگوں کو اور کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور امام صاحب کے اساتذہ کوفہ میں ایک شعبی ایسے شخص ہیں اُن کا نظیر نہیں۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ اُن کو پانسو صحابہ سے ملاقات ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب میں کوفہ کو گیا تو دیکھا کہ شعبی رح تدریس کر رہے ہیں اور لوگ اُن سے فتوی پوچھ رہے ہیں اور وہ جواب دے رہے ہیں حالانکہ صحابہ وہاں بکثرت موجود تھے۔ اعمش احول کہتے ہیں کہ احادیث اہل کوفہ و بصرہ اور اہل حجاز کو شعبی سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ صلت ابن بہرام کہتے ہیں کہ میں نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو شعبی کے مبلغ علم کو پہونچا ہو اُسی کی اور اُس میں لکھا ہے کہ ہو یعنی الشعبی اکبر شیخ ابی حنیفۃ غرضکہ تبحر علمی حاصل کرنیکے لئے امام صاحب کو صرف شعبی رح کی شاگردی کافی تھی پھر علاوہ اسکے کوفہ میں علم حدیث کا سرمایہ اس قدر تھا کہ محدثین اُس سے مستغنی نہیں ہو سکتے تھے چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں شیخ الاسلام ابن حجر رح نے امام بخاری رح کا قول نقل کیا ہے کہ میں شام اور مصر اور جزیرہ اور بصرہ کو دو دو چار چار بار گیا ہوں مگر کوفہ اور بغداد کو اتنے بار گیا کہ اُسکا شمار نہیں کر سکتا۔ کما قال لا احصی کم دخلت الکوفۃ والبغداد مع المحدثین۔

اب غور کیجیے کہ اس قدر سرمایہ علم جسکے حاصل کرنے کو محدثین ہمیشہ مصائب سفر

گوارا کر کے دور دور سے آیا کرتے تھے امام صاحب کے گھر میں موجود تھا اُس کے لئے اُن کو باہر جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر امام صاحب نے وہیں کے اساتذہ پر نہیں کفایت کی بلکہ حجاز وغیرہ میں سیاحت کر کے چار ہزار استادوں سے حدیث شریف کا سرمایہ حاصل کیا جیسا کہ الخیرات الحسان وغیرہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا ہے"۔

امام سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں اور امام موفق رح اور کردری رحہ نے مناقب میں امام صاحب کے بہت سے اساتذہ کے نام لکھے ہیں ہم اُن میں سے چند اسمائے گرامی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور اُن کا مختصر سا حال بھی خلاصۃ تذہیب التہذیب الکمال سے لکھدیتے ہیں تا معلوم ہو کہ کس درجہ کے وہ حضرات ہیں۔

اسمائے اساتذہ امام صاحب

محمد ابن مسلم ابوبکر۔ عبد اللہ بن عمر اور سہل بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

محمد ابن مسلم ابن تدرس رح۔ جابر اور ابن عباس اور عائشہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

محمد ابن المنکدر ابو عبد اللہ رح۔ عائشہ اور ابوہریرہ اور ابو قتادہ اور جابر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

اسمائے اساتذہ امام صاحب

ابراہیم ابن عبدالرحمٰن السکسکی رح. عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ابراہیم ابن میسرۃ الطائفی رح وہب ابن عبداللہ الثقفی اور انس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اسمٰعیل ابن ابی خالد البجلی ابو عبداللہ رح۔ عبداللہ ابن ابی اوفیٰ رض کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اسمٰعیل ابن خالد رح۔ ابو الملیح اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اعمش سلیمان بن مہران رح عبداللہ بن ابی اوفی و زید ابن وہب اور ابو وائل رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

الاوزاعی عبدالرحمٰن ابن عمرو عطاؤ ابن سیرین کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ایوب ابن ابی تمیمۃ السختیانی رح عمرو بن سلمہ اور ابو رجاء عطاردی اور ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

بلال ابن مرداس رح۔ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

بہز ابن حکیم بن معاویہ رح۔ اپنے والد حکیم رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

ثابت البنانی رح۔ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن فضل اور انس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

حبیب ابن ابی ثابت ابویحییٰ رح۔ زید ابن ارقم اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اور صحابہ کی ایک جماعت کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں۔

حجاج ابن ارطاۃ رح شعبی اور عطاء اور عکرمہ رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

الحراب الصباح رح عبداللہ ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے کے شاگرد ہیں اور ابوداود و ترمذی نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

حسن ابن الحر رح عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ترمذی وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

حصین ابن عبدالرحمٰن ابوالہذیل رح جابر ابن سمرہ اور ابووائل اور ابوظبیان رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

حکم بن عتیبہ رح ابوجحیفہ و عبداللہ بن شداد اور ابووائل رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

حکیم ابن جبیر الاسدی رح۔ ابوجحیفہ اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور اکثر صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

حماد ابن ابی سلیمان الاشعری رح انس اور ابووائل رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور مسلم شریف وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

سالم ابن علقمۃ الہمدانی رح عبد خیر رض کے شاگرد ہیں اور ابوداود وغیرہ میں انکی روایتیں موجود ہیں
رباح الکوفی رح عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابوداود میں انکی روایتیں موجود ہیں
ربیعہ ابن ابی عبدالرحمن ابوعثمان المعروف بربیعۃ الرای رح انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
ربیعہ ابن عبدالرحمن رح حصین رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابوداود وغیرہ میں انکی روایتیں ہیں
زیاد ابن ابی علاقہ رح قطبہ اور جریر بجلی اور اسامہ ابن شریک رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
زید ابن اسلم رح مولی عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلم اور ابن عمر اور جابر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
زید ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ابن حبان نے ثقات میں لکھا ہے کہ آپنے صحابہ کی ایک جماعت کو دیکھا ہے ابوداود ترمذی وغیرہ میں انکی روایتیں موجود ہیں
زید ابن انیسہ رح حکم اور طلحہ بن مصرف اور نعیم المجمر رض کے شاگرد ہیں اور کل صحاح میں انکی روایتیں ہیں
سعید ابن ابی عروبہ رح حسن اور نضر ابن انس رحمہم اللہ کے شاگرد اور شعبہ وغیرہ کے استاد ہیں کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
سعید ابن المرزبان رح انس اور ابووائل رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں انکی روایتیں موجود ہیں
سعید ابن مسروق رح ابووائل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
سلمہ ابن کہیل رح۔ ابن عمر۔ اور جندب اور سوید ابن غفلہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

سماک ابن حرب رح جابر ابن سمرہ اور نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہما کے
شاگرد ہیں۔ اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
شبیب ابن غرقدہ رح۔ عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ
میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
شرجیل ابن سعید رح۔ سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور نسائی میں
اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
شرجیل ابن مسلم رح تمیم داری اور ابو الدرداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد
ہیں۔ اور ابو داؤد و ترمذی وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
شعبہ ابن حجاج رح۔ معاویہ ابن قرہ اور انس ابن سیرین اور اعمش رحمہم اللہ کے
شاگرد اور سفیان ثوری کے استاد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی
روایتیں موجود ہیں۔
طلحہ ابن مصرف الیامی رح۔ عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ اور انس اور زر ابن عبد اللہ
رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
طلحہ ابن نافع رح ابو ایوب اور ابن عباس اور جابر اور انس رضی اللہ عنہم کے
شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
عاصم الاحول رح۔ انس ابن مالک اور عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہما کے
شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔
عاصم ابن سلیمان ابو عبد الرحمن رح انس اور عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہم کے
شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عاصم ابن کلیب الکوفی رح کلیب اور ابو بردہ اور محمد بن کعب رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور صحاح میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عاصم ابن ابی النجود رح۔ ابو وائل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عامر ابن شرجبیل۔ ابو ہریرہ و عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبد اللہ ابن رباح رح ابی ابن کعب اور عمار رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور مسلم وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبد اللہ ابن عبد الرحمن ابن ابی حسین المکی رح ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبد اللہ بن عثمان ابن خثیم رح صفیہ بنت شیبہ اور ابو الطفیل رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں اور مسلم وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبد اللہ ابن ابی المجالد رح عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور ابو داؤد وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبد العزیز ابن رفیع المکی رح۔ ابن عباس اور ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبد الکریم ابن ابی المخارق رح۔ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور مسلم نسائی ترمذی وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبد الملک ابن ایاس الشیبانی الاعور الکوفی رح ابو عمرو الشیبانی رضی اللہ عنہ کے

اور ابوداؤد میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدالملک ابن عمیر اللخمی رح جریر بجلی اور جندب بجلی رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدالملک ابن میسرۃ الہلالی الکوفی رح زید ابن وہب رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبدۃ ابن ابی لبابۃ الاسدی رح ابن عمر اور عبداللہ ابن عمرو رض کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عبیداللہ ابن ابی زیاد المکی رح۔ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ وغیرہم کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عثمان ابن عاصم کوفی رح ابن عباس اور ابن الزبیر وغیرہ رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عثمان ابن عبداللہ ابن موہب رح ابن عمر اور ابوہریرہ اور ام سلمہ کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عطیہ ابن الحرث ابوروق الکوفی رح۔ انس اور ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عطیہ ابن سعد جنادۃ الجدلی رح۔ ابوہریرہ اور ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور ابوداؤد وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عکرمہ مولی ابن عباس رض۔ ابن عباس اور عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

العلاء ابن زبیر الکوفی رح۔ عبدالرحمن ابن الاسود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور نسائی میں اُن کی روایتیں ہیں۔

علی ابن اقمر الوداعی رح۔ ابوجحیفہ اور اسامہ ابن شریک اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عمر ابن دینار رح عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

عمرو بن عبداللہ الہمدانی السبیعی رح جریر بجلی اور عدی بن حاتم اور جابر ابن سمرہ اور زید ابن ارقم رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں انکی روایتیں موجود ہیں۔

عمرو بن مرۃ المرادی الجملی رح عبداللہ بن ابی اوفی اور ابووائل رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

عون ابن عبداللہ بن عتبۃ الہذلی الکوفی رح اپنے والد اور عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

غالب ابن الہذیل ابوالہذیل الکوفی رح۔ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

فرات بن عبدالرحمن القزاز رح۔ عامر ابن واثلہ اور ابوحازم رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

قتادہ ابن دعامہ رح۔ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

قیس ابن مسلم ابو عمر الکوفی رحمہ اللہ طارق ابن شہاب رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

محارب ابن دثار الکوفی رحمہ اللہ ابن عمر اور جابر اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

مرزوق ابو بکر التیمی رحمہ اللہ ام درداء رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں اور ترمذی میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

مسعر ابن کدام رحمہ اللہ عطاء اور حبیب ابن ابی ثابت وغیرہم رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں کہ صدق کی وجہ سے اُن کا نام مصحف رکھا گیا تھا۔

مسلم ابن کیسان الملائی الکوفی رحمہ اللہ انس اور عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور ترمذی وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

مکحول الشامی رحمہ اللہ واثلہ اور انس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور مسلم وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

معاویہ ابن اسحاق رحمہ اللہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

منصور ابن زاذان رحمہ اللہ انس اور ابو العالیہ رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

منصور ابن المعتمر ابو عتاب الکوفی رحمہ اللہ ابراہیم اور ابو وائل اور سعد ابن عبیدہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

[illegible] بن طلحہ بن عبید اللہ التیمی [illegible] اپنے والد اور عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں
اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

[illegible] رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ابو داؤد وغیرہ
میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

[illegible] انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور بخاری وغیرہ
میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

[illegible] ابن عباس [illegible] ایک جماعت صحابہ کے
شاگرد [illegible] صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

[illegible]
[illegible] کے شاگرد ہیں [illegible] صحاح ستہ میں ان کی روایتیں
[illegible]

[illegible] رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں [illegible]
[illegible] کے [illegible] صحاح ستہ میں ان کی روایتیں
موجود ہیں۔

[illegible] عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں
اور ابو داؤد وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

[illegible] بن عبد اللہ ابو الحارث [illegible] سالم بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں
اور ابو داؤد وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں

[illegible] جابر رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور بخاری

www.nafseislam.com

مسلم وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔

یہ بھی امام صاحب کے اساتذہ آپ نے دیکھ لیا کہ اکثر اساتذہ امام صاحب کے تابعین اور صحابہ کے شاگرد ہیں جن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں اور جن کی روایتیں بعضے محدثین نے نہیں لیں۔ اس کی عام وجہ یہ ہے کہ بُعدِ زمانہ کی وجہ سے معرفت کے اکثر ذریعے مسدود ہو جاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخالفوں اور حاسدوں کی افترا پردازیاں مشہور ہو جاتی ہیں جس سے متاخرین کو ان میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے اور ان کی حدیثوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ بخلاف اس کے معاصرت میں ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔ کیونکہ آدمی اپنی ذات سے تحقیق کر سکتا ہے۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ امام صاحب کیسے مطعون ہوئے جو اب تک مخالفوں کے زبان زد ہیں۔ مگر عبداللہ ابن مبارک وغیرہ اکابر محدثین نے جو امام صاحب کے معاصر تھے خود جا کر تحقیق کر لی اور جب دیکھا کہ سب محض کذب و افترا ہیں آپ کو اپنا استاد بنا لیا۔ اسی وجہ سے ابن سیرین فرماتے ہیں جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔

روی عن ابن سیرین انہ قال ان الرجل لیحدثنی فما اتہمہ ولکن اتہم من فوقہ۔ یعنی میں اپنے استاد پر تہمت نہیں لگا سکتا البتہ ان کے اوپر کے لوگوں کو متہم سمجھ سکتا ہوں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کسی کو جب اپنا استاد بناتے ہیں تو اوّل اس کی حالت کی تحقیق کر لیتے ہیں اس لئے کہ علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے انظروا ممن تاخذون ہذا العلم فانما ہو الدین۔ یعنی تحقیق کر کے کسی کو اپنا اُستاد بنایا کرو کیونکہ علم ہی دین ہے اور جامع الصغیر میں اسی کی مؤید حدیث

مرفوع موجود ہے۔ ان ہذا العلم دین فانظروا عمن تاخذ۔ وان دیلمی کی عن انس السنجری عن
ابی ہریرہ اور بعد تحقیق تہمت لگانے کا موقع نہیں بخلاف اوپر کے کہ جرح
کہ اُن کی جرح وتعدیل کا مدار تقلید پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رح
کے بعض اساتذہ ایسے بھی ہیں کہ امام مسلم وغیرہ نے انہیں کلام کر کے ان کی
روایتوں کو داخل صحاح نہیں کیا اور بخاری رح کے نزدیک انکا صدق مسلم
ہوگیا تھا اسلئے اُن کو استاد بنالیا الغرض امام صاحب کے جتنے اساتذہ ہیں
اُن میں کلام کی گنجائش نہیں کیونکہ اپنی ذاتی تحقیق سے امام صاحب نے ان کو
استاد بنالیا تھا۔ اور متاخرین کی جرح جو تقلید پر مبنی ہے اُس ذاتی تحقیق
کے مقابلہ میں مفید نہیں۔ اب رہے استادوں کے استاد سو وہ صحابہ تھے
جن میں کسی کو کلام کی گنجائش نہیں جیسا کہ اصول حدیث میں مسلم ہے کہ صحابہ
کل عدول ہیں اور جو روایتیں امام صاحب کے اساتذہ نے تابعین سے
کی ہیں اُن میں بھی جرح کا احتمال بہت کم ہے جیسا کہ اہل بصیرت پر پوشیدہ نہیں
الحاصل امام صاحب کو جتنی روایتیں پہونچی ہیں اُن کی صحت میں کلام نہیں
اور اگر کسی روایت میں متاخرین کو کلام ہو تو بمقابلہ تقدم زمان وقلت وسائط اور
وجلالت شان امام ودیگر قرائن قابل اعتبار نہیں۔

غرضکہ اکابر محدثین کی چشم دید گواہیوں سے ثابت ہے کہ نہ کوئی عقل وفہم میں
امام صاحب کا نظیر تھا نہ قوت حافظہ میں اور امام صاحب کی نشو ونما ایسے شہر میں
ہوئی جو قبۃ الاسلام اور مرجع علما ومحدثین تھا اور علاوہ اسکے دوسرے شہروں
میں بھی آپ نے طالب علمی کی۔ اور چار ہزار استادوں سے سرمایہ حدیث فراہم کیا

اور تدین اور خدا ترسی کا وہ حال کہ سرآمد روزگار تھے جسکا حال انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ اب ان تمام امور کے لوازم اور متعلقات پر غور کرنے سے اہل انصاف بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ امام صاحب کو فن حدیث میں جو تبحر حاصل تھا فوق العادت تھا یہ بات ہم اپنے قیاس سے نہیں کہتے بلکہ اکابر محدثین نے اُسکی تصریح کی ہے چنانچہ کردری رح نے مناقب میں یزید بن ہرون کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے علماء سے سُنا ہے کہ ابوحنیفہ کے زمانہ میں اُن کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔ اسی وجہ سے یزید بن ہرون قائل تھے کہ امام صاحب اعلم الناس ہیں جیسا کہ موفق نے لکھا ہے۔

م - ابوبکر ابن عیاش کہا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں افضل تھے۔

عم - ابویحییٰ حمانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے بہتر شخص کو کبھی نہیں دیکھا

ھ عص - عبداللہ بن مبارک رح کہتے ہیں ابوحنیفہ افقہ الناس تھے میں نے فقہ میں اُن کا مثل نہیں دیکھا۔

ص ک - اعمش کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں کہ حسن بصری جانتے ہیں۔ نہ ابن سیرین نہ قتادہ نہ بتی نہ اُن کے سوا اور کوئی۔

م ص ک - خارجہ ابن مصعب کہتے ہیں کہ ایک ہزار سے زیادہ علما سے میں نے ملاقات کی ہے مگر علم و عقل میں میں نے کسی کو ابوحنیفہ کا نظیر نہیں پایا۔ اُن کے رتبہ اور تقوی ہی اُن کے علاوہ زہد اور ورع اور صیانت نفس کی وجہ سے آدمی کی یہ حالت ہوجاتی تھی کہ اپنے نفس کو حقیر سمجھ کر متواضع

ہو جاتا تھا۔

ص ایک بار ابن مبارک نے کسی مجلس میں امام صاحب کا ذکر کسی نے کیا
سے کیا آپ نے فرمایا کہ تمام علماء میں سے ایک تو ابو حنیفہ کا مثل پیش کرو
ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑو اور ہم کو عذاب میں نہ ڈالو میں ان کی مجلس میں اکابر کو دیکھتا
تھا کہ صغیر معلوم ہوتے تھے ان کی مجلس میں میں نے اپنے آپ کو جس قدر
ذلیل پاتا تھا کسی مجلس میں نہیں پایا یعنی ان کے مقابلہ میں اپنے علم کی کمی
سمجھتا تھا۔

خ سفیان ثوری کا قول ہے کہ ابو حنیفہ کی مخالفت ایسا شخص کر سکتا ہے
جو ان سے قدر اور علم میں بڑا ہو۔ اور ایسا شخص کہاں ہے

ص سفیان ابن عیینہ رح کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما
اپنے زمانہ کے عالم تھے ان کے بعد شعبی رح اپنے زمانہ کے عالم ہوئے
ان کے بعد ابو حنیفہ رح اپنے زمانہ کے عالم ہوئے یعنی ان قرون ثلاثہ میں کہ یہ
اپنے اپنے زمانہ میں بے مثل تھا۔

ح سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ کا مثل میری آنکھوں نے
نہیں دیکھا۔

ت حبیب ابن ثابت کہتے ہیں کہ اگر تمام شہروں کے لوگ اپنے اپنے
علماء لائیں اور ہم ابو حنیفہ کو پیش کریں تو وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے

ک خلف ابن ایوب کہتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ میں ان سے علم میں
بڑھا ہوا کوئی نہ تھا۔

م ک - ابو معاذ خالد بن سلیمان بلخی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح سے افضل شخص میں نے نہیں دیکھا:

ک م ص - حمانی کہتے ہیں شریک رح ایک روز اپنی مسجد میں بیٹھے تھے کہ قریش کی ایک قوم آئی اور ابو حنیفہ رح کا ذکر کرکے پوچھا کہ آپ کا کیا حال تھا کہا وہ ایک اجنبی شخص تھے ہم میں سے نہ تھے مگر ہم سب پر غالب آگئے:

م ص ک - عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح علما کے قاضی القضاۃ ہیں یعنی جس مسئلہ میں انہوں نے فیصلہ کردیا اسکو کوئی توڑ نہیں سکتا۔

ت ح - مکی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے علما میں اعلم تھے یعنی علم میں سب سے زیادہ تھے امام صاحب کے زمانہ کے علما امام مالک اوزاعی سفیان ثوری مسعر اور عبد اللہ ابن مبارک وغیرہ صدہا محدثین تھے جنکے شاگردوں میں اصحاب صحاح ستہ کے معتمد اساتذہ تھے اُن سب کے علم پر امام صاحب کے علم کو مکی ابن ابراہیم جیسے جلیل القدر ترجیح دے رہے ہیں یہ وہی مکی ابن ابراہیم رح ہیں جن کا حال امام ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ ابو حنیفہ کے شاگرد اور بخاری وغیرہ کے استاد ہیں:

امام بخاری اُن کی شاگردی پر جس قدر ناز کریں بجا ہے اسلئے کہ اکثر ثلاثیات کا انحصار جو اُنکو حاصل ہے انہی حضرت کے طفیل سے ہے کیونکہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں اور امام بخاری رح کے زمانہ تک زندہ رہے۔

ص - مکی ابن ابراہیم حدیث اور فقہ میں ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے اور اُن سے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُنکے مذہب کے باب میں نہایت متعصب تھے اسمعیل ابن بشر کہتے ہیں کہ ایک بار مکی ابن ابراہیم کی مجلس میں میں حاضر تھا انہوں نے کہا حدثنا ابو حنیفہ ایک شخص نے کہا حضرت ابن جریج کی کوئی روایت بیان کیجئے ابو حنیفہ کی روایت کی ہمیں ضرورت نہیں مکی یہ سنکر نہایت غضبناک ہوکر کہا اے شخص میری مجلس سے اٹھ جا اور جبتک وہ شخص نہیں گیا کوئی روایت نہیں بیان کی - اب غور کیا جاوے کہ مکی ابن ابراہیم اور اکابر محدثین جب یہ کہہ رہے ہیں کہ ابو حنیفہ اعلم الناس تھے اسکا نظیر تلاش کرنے پر بھی نہ ملا تو ان چشم دید گواہوں کے مقابلہ میں اگر کوئی دنیا زمانہ والا ہندوستانی کہے کہ ابو حنیفہ ایک بے علم شخص تھے انکو حدیثیں پہونچی ہی نہیں تو اسکو کیا کہنا چاہیئے!

ت - شداد ابن حکیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ سے اعلم میں نے نہیں دیکھا۔

خ - امام شافعی رحمہ نے امام مالک رحمہ سے کئی محدثین کا حال دریافت کرکے ابو حنیفہ رحمہ کا حال پوچھا - فرمایا سبحان اللہ لم ارمثلہ یعنی وہ عجیب شخص تھے اُن کا مثل میں نے نہیں دیکھا۔

مرص ک - معروف ابن حسان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ملاقاتی علماء میں ابو حنیفہ رحمہ کا مثل علم فقہ - ورع - اور صیانت میں نہیں دیکھا

مرص ک - یوسف ابن خالد السمتی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ دریا سے سینچے گئے اُن کی عجیب شان تھی نہ میں نے اُن کا مثل دیکھا نہ سُنا۔

م ص۔ خلف ابن ایوب کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ ایک نادر الوجود شخص ہیں۔

م ص۔ ابو یوسف کہتے ہیں کہ پہلے میں ابن ابی لیلے کے حلقہ میں جایا کرتا تھا اُسکے بعد ابو حنیفہ کے حلقہ میں جانا شروع کیا۔ ایکبار ابن ابی لیلے سے ملاقات ہوئی انہوں نے امام صاحب کی خیریت پوچھی پھر کہا ان کو مت چھوڑو فقہ اور علم میں ان کا مثل تم نے نہیں دیکھا" انتہیٰ۔

یہ بات متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ ابن ابی لیلے اور امام صاحب میں سخت مخالفت تھی مگر طبیعت میں اُن کے انصاف تھا اسلئے واقعی بات کہنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ الحاصل موافق مخالف سب قائل تھے کہ علم اور فقہ میں امام صاحب کا مثل نہیں۔

ص ک۔ سعید ابن ابی عروبہ نے امام صاحب سے کئی مسئلوں میں گفتگو کی آخر کہدیا کہ ہم نے جو متفرق اور مختلف مقاموں سے حاصل کیا تھا وہ سب آپکے پاس مجتمع ہے۔

سعید ابن ابی عروبہ نے جو مختلف مقاموں کا ذکر کیا اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بہت سے اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے جیسا کہ امام ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حدث عن الحسن وابی نضرۃ العبدی وابی رجاء العطاردی ونضر ابن انس وقتادہ ومطر الوراق وخلق کثیر دیکھئے جو حدیثیں انہوں نے ایک خلق کثیر سے حاصل کی تھیں سب امام صاحب کے پاس جمع تھے تو کیا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ امام صاحب فن حدیث سے ناواقف تھے

ت۔ خلف ابن ایوب کہتے ہیں کہ علم خدائے تعالیٰ کی طرف سے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر صحابہ میں تقسیم ہوا پھر تابعین میں اُن کے بعد ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب میں آیا۔

م ص ک ۔ عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ افراط کی نسبت میری طرف کی جاویگی تو ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہ کرتا۔

م ص ک ۔ بحر سقاء کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ رح سے علمی مسائل میں کلام کیا کرتا تھا ایک روز انہوں نے کہا تم اپنے نام کی طرح بحر ہو میں نے کہا اگر میں بحر ہوں تو آپ بحور ہیں۔

م ص ۔ حسن بن زیاد لولوی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ ایک دریا بے پایاں تھے ۔ اُن کے علم کی انتہا ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔

ک ۔ اسرائیل ابن یونس کی مجلس میں امام صاحب کا ذکر آیا انہوں نے کہا کہ اس زمانہ میں لوگ جن چیزوں کی طرف محتاج ہیں انکو وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں

ت ۔ اسرائیل بن یونس کہتے ہیں کہ جس حدیث میں فقہ کا کوئی مسئلہ ہو اُس کو ابوحنیفہ خوب یاد رکھتے تھے۔

تہذیب التہذیب میں اسرائیل بن یونس کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک خلق کثیر سے روایت کی ہے جنہوں نے ایک خلق کثیر سے سرمایہ حدیث حاصل کیا اور حافظہ اُن کا اس قدر کہ امام احمد ابن حنبل رح جیسے ذی الحفظ انکے حافظہ پر تعجب کرتے تھے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے جب ایسے شخص کہیں کہ لوگ جن چیزوں کی طرف محتاج ہیں ابوحنیفہ اُن کو سب سے زیادہ جانتے ہیں تو غور کیجئے کہ امام صاحب کے پاس مستنبط لیے

سرمایہ حدیث کس قدر ہوگا۔ ہم نے مانا کہ لوگوں کو اُس زمانہ میں تدوین فقہ کی احتیاج تھی مگر اُسکے ساتھ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ فقہ بغیر حدیث کے مدون نہیں ہوسکتی تھی اِس سے یہ لازم ہے کہ بقول اسرائیل رح امام صاحب فقہ اور حدیث دونوں میں سب سے بڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہی بات اعمش رح نے کھلے لفظوں میں فرمایا کہ آپ فقہ اور حدیث دونوں کو خوب جانتے ہیں۔

ک۔ حفص ابن غیاث رح فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح کے جیسا عالم اُن احادیث کا میں نے نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح ہوں۔

حفص رح چونکہ خود فقیہ تھے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے اِسلئے انہوں نے ایک چھوٹے سے جملہ میں امام صاحب کی نہایت وسیع تعریف کی۔ اِسلئے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ میں انہی احادیث کی ضرورت تھی۔ جو مفید احکام اور صحیح ہوں کسی مسئلہ میں ایک صحیح حدیث موجود ہو تو وہ سو غیر صحیح حدیثوں سے بہتر سمجھی جائیگی۔ امام صاحب نے چار ہزار شیوخ سے جو حدیثیں لی تھیں اُنہیں غور و فکر کر کے انہی حدیثوں کو منتخب کرلیا تھا جن سے احکام کا استنباط ہوسکتا تھا اور وہ صحیح بھی تھیں اب غور کیجئے کہ جو کہا جاتا ہے کہ فقہ صحیح حدیثوں کے مخالف ہے کس قدر زیادتی ہے اکابر محدثین کی شہادتوں سے تو یہ ثابت ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں جو حدیثیں صحیح سمجھی جاتی تھیں فقہ اُن کے موافق ہے۔

عم حص ک۔ محمود ابن غیریک کہتے ہیں کہ انبانا عبداللہ بن یزید قال حدثنا ابو حنیفہ شاہ مردان یعنی عبداللہ یزید مقری امام صاحب سے حدیث کی روایت کیکے

اُن کا نام شاہ مروان کے لقب کیساتھ بیتے اور لکھا ہے کہ محدثنا شاہ شاہو بھی کہتے تھے۔

م ک ص۔ ابوعصمہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سی حدیثیں جو سانع سے سنی تھیں ابوحنیفہ رح پر پیش کیں انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کر دیا کہ فلاں حدیث سب لینے کے قابل ہے اور فلاں نہیں۔ اب مجھے افسوس آتا ہے کہ کل حدیثیں اُن کو کیوں نہیں سنائیں۔ اسی سے امام صاحب کی حدیث دانی کا بھی حال معلوم ہوگیا کہ ہر حدیث کے ما لہ و ما علیہ کو بھی خوب جانتے تھے یہی وجہ تھی کہ محدثین بھی امام صاحب کو امام کہتے تھے چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابوداؤد سجستانی (صاحب سنن) کا قول ہے ان اباحنیفة کان اماما یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ بات یقیناً ثابت ہے کہ ابوحنیفہ امام تھے۔

ک۔ ابراہیم ابن طہمان کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ ہر بات کے امام ہیں۔

ک۔ ابوامیہ سے پوچھا گیا کہ عراق سے جو علما آپ کے پاس آئے اُن میں اثقہ کون ہیں۔ کہا ابوحنیفہ اور وہی امام ہیں۔

ک۔ ابن مبارک رح فرماتے ہیں کیف تقولون الامام الاعظم لا یعرف الحدیث یعنی امام اعظم کی نسبت یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے مطلب یہ کہ جو اور اماموں سے بڑا امام ہو کیا ممکن ہے کہ وہ حدیث ہی کو نہ جانے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب کو امام اعظم کا لقب امیر المومنین فی الحدیث (یعنی ابن مبارک نے) دیا ہے جنکا اتباع کل محدثین کو لازم ہے اسیوجہ سے

امام ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں آپکے ترجمہ کی ابتداء یوں کی ہے۔ ابو حنیفہ
الامام الاعظم فقیہ العراق النعمان ابن ثابت۔

م ص ک۔ امام ابو یحییٰ زکریا ابن یحییٰ نیشاپوری نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں یحییٰ بن نصر ابن حاجب رح سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے سنا ہے فرماتے تھے کہ کئی صندوق حدیثیں میرے پاس ہیں ان میں سے بہت تھوڑی حدیثیں نکالی ہیں جن سے انتفاع ہو انتہیٰ۔

کشف بزدوی میں بھی یہ روایت موجود ہے چونکہ امام صاحب کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کئی صندوق حدیثیں آپ کو ازبر یاد تھیں جنہیں آپ اجتہاد کے وقت مستحضر رکھتے تھے۔ مگر چونکہ روایت کا کام آپنے اپنے ذمہ نہیں لیا تھا اسلئے وہ روایتیں آپ سے مروی نہیں۔ آپ کی عادت تھی کہ اجتہاد کے وقت جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اہل حلقہ سے فرماتے جنکو جو کچھ احادیث و آثار یاد ہوں پیش کر دیں۔ اسکے بعد آپ تقریر کرتے تھے انکی تقریر میں جس بات پر آپکو بمقتضائے اجتہاد زور دینا منظور ہوتا اگر اسکی مؤید اہل حلقہ کی پیش کردہ حدیثوں میں کوئی حدیث نہ ہوتی تو ایسے موقع میں آپ اپنی ذاتی مرویات کو بیان کر دیتے۔ یہ طریقہ آپنے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اختیار کیا تھا کہ جب کسی واقعہ میں اشد ضرورت ہوتی اور کسی کو اس واقعہ سے متعلق کوئی حدیث یاد نہ ہوتی آپ بیان کر دیتے تھے جیسا کہ کتب سیر وغیرہ سے ظاہر ہے

اوپر یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اعمش رح جو محدث کبیر مانے جاتے تھے انہوں نے بھی امام صاحب کے تفقہ پر سے تقدم کر لیا ہے۔

امام صاحب صرف کثرت سرمایہ حدیث ہی کی وجہ سے امام نہیں سمجھے جاتے تھے بلکہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ احادیث کے معنی اس خوبی سے کہتے تھے کہ کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا تھا۔

مرک۔ خلف ابن ایوب کہتے ہیں کہ میں علما کی مجلسوں میں جایا کرتا تھا جو بات سمجھ میں نہ آتی تو مجھے غم ہوتا اور ابو حنیفہ سے جب وہی بات پوچھا تو اُس کا حل ہو جاتا جس سے دل میں فرحت پیدا ہوتا تھا۔

م ص ح ک میں لکھا ہے کہ حافظ حماد ابن میمون ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ کے افادات سُننے میں جس قدر مجھے خوشی ہوئی اگر اشرفی ملتی تب بھی نہیں ہو سکتی۔

یہ خوشی وسرور جو امام صاحب کے افادات سے حاصل ہوتا تھا اُس کی وجہ یہی تھی کہ احادیث کے مضامین عالیہ جن تک محدثین کے فہم وادراک کی رسائی نہ تھی۔ امام صاحب اُن کو نہایت عمدگی سے بیان کرتے تھے جس کو طالبین کمال اہل علم کہتے تھے۔

ک۔ شداد بن حکیم کہتے ہیں کہ نوح ابن مریم جب کوئی روایت سلف سے کرتے تو اُس کے آخر میں ابو حنیفہ رح کا قول ضرور بیان کر کے کہتے کہ جس طرح انہوں نے علم کی تفسیر کی اب کسی نے نہیں کی۔

م ص ک معروف ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں علی بن عاصم کی مجلس میں تھا انہوں نے سب کہا کہ تم لوگ علم سیکھ رہے ہو کیا آپ سے جو کچھ ہم سُنتے ہیں وہ علم نہیں کہا علم وہ ہے جو ابو حنیفہ جانتے ہیں۔ ہو کہا کہ

اگر ابو حنیفہ کا علم اُن کے زمانہ کے تمام علما کیساتھ وزن کیا جاتا تو انہی کا علم غالب ہوتا

مر ص ک۔ ابو سفیان حمیری کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ اس امت کے بہترین شخص سے ہیں سخت مسائل کا کشف اور احادیث مبہمہ کی تفسیر جو انہوں نے کی کسی سے نہ ہو سکی۔

مر ص ک۔ مقاتل ابن سلیمان رح کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح کو علم کی تفسیر کرتے دیکھا ایسی تفسیر کرتے تھے کہ اُس سے تسکین ہو جاتی تھی۔

م۔ فضل ابن موسیٰ سینانی کہتے ہیں کہ ہم حجاز اور عراق کے علما کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے مگر جو برکت اور نفع ابو حنیفہ رح کی مجلس میں تھا وہ کہیں نہ تھا

ک۔ ایک روز وکیع رح کی مجلس میں ایک حدیث پیش ہوئی جسکا مضمون مشکل تھا وہ کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اب ندامت سے کیا فائدہ کہاں ہے وہ شیخ یعنی ابو حنیفہ جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔

خ۔ ابن مبارک رح نے امام صاحب کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ ابراہیم نخعی اور حماد ابن سلیمان نے مرتے وقت اپنا خلیفہ چھوڑا تھا خدا آپ پر رحم کرے کہ آپنے اپنا خلف روے زمین پر نہ چھوڑا یہ کہکر زار زار دیر تک روتے رہے

ک۔ امام ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ مجھے آرزو آتی ہے کہ ابو حنیفہ رح کی ایک مجلس مجھے نصیب ہو اور میں اپنا آدھا مال اُسکے لئے صرف کر دوں۔ لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں دس لاکھ درہم اُنکے ملک میں تھے اصمعی رح نے اس آرزو کی وجہ دریافت کی کہا کہ بعضے مسائل میں خدشے ہیں جنکی حل کرنیکی ضرورت ہے۔

خم ص۔ خلاد سکونی کہتے ہیں کہ ایک روز میں زہیر ابن معاویہ کے یہاں گیا
انہوں نے پوچھا کہاں سے آتے ہو میں نے کہا ابو حنیفہ کے پاس سے تب
ہی انہوں نے کہا خدا کی قسم اُنکے پاس ایک روز بیٹھنا میرے پاس ایک
مہینہ بیٹھنے سے زیادہ تمکو نفع دیگا۔" یہ ایسی نفوس قدسیہ کے آثار و علامات
کہ باوجودیکہ منشا حسد کا قائم ہے مگر واقعی فضیلت بیان کرنے اور خود اپنے
آپ پر ترجیح دینے میں ذرا بھی تامل نہیں۔ اور قابل قبول بھی ایسی ہی
شہادتیں ہوتی ہیں بخلاف اسکے جو بدگوئیاں معاصرین میں باہم ہوتی
ہیں۔ چنانچہ امام صاحب کی نسبت بھی بہت سارے الزام لگائے گئے
جنکا منشا صرف حسد تھا سو وہ اس قابل بھی نہیں کہ توجہ سے سنے جائیں
اسی وجہ سے محدثین اہل تحقیق نے قاعدہ ٹھیرا دیا ہے کہ اس قسم کی جرحیں
بے اعتبار محض ہیں۔

ک۔ وکیع نے محدثین سے کہا کرتے تھے کہ اے گروہ تم حدیث طلب کرتے
ہو اور اُسکے معنی نہیں طلب کرتے اس سے تمہاری عمر اور دین ضائع ہوجاتا
مجھے آرزو آتی ہے کہ ابو حنیفہ کی فقہ کا عشر عشیر مجھے بھی ہوتا۔ ایک روز انہوں نے
حفاظ مجلس سے فرمایا لوگو۔ حدیث سننا بغیر فقہ کے تمکو کچھ نفع نہ دیگا
اور تم میں سمجھ پیدا نہ ہوگی۔ جب تک اصحاب ابو حنیفہ کے ساتھ نہ بیٹھوگے
اور وہ اُن کے اقوال کی تفسیر نہ بیان کرینگے۔

خم ص ک۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی رائے مت کہو بلکہ
تفسیر حدیث کہو۔

جس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے اقوال حدیث کی تفسیر میں مشہور

م ص ۔ یوسف ابن خالد سمتی کہتے ہیں کہ میں بصرہ میں عثمان بتی رح کی خدمت میں جایا کرتا تھا اُس زمانہ میں مجھے یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ بقدر کافی علم مجھے حاصل ہوگیا ہے۔ مگر جب ابو حنیفہ رح کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت میری آنکھیں کھلیں اور یہ معلوم ہوا کہ علم کچھ بھی مجھے نہیں آیا۔ پھر جو کچھ حاصل ہوا وہ ابو حنیفہ رح کی خدمت میں حاصل ہوا۔ ابتدا میں انہوں نے بھی کثرت احادیث ہی کو علم سمجھ رکھا تھا جیسا کہ عموماً محدثین کا خیال تھا مگر جب انہوں نے امام صاحب کی مجلس کو دیکھا اور ان کا درس اور مضامین احادیث کی تفسیر میں سے اُس وقت معلوم ہوا کہ حفظ الفاظ اور روایت الفاظ ترجمہ کا نام نہیں بلکہ علم حدیث ہی اور ہے۔ اسکے لئے امام اعظم کی ضرورت ہے۔

م ص ک ۔ شداد ابن حکیم کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ ہم پر احسان فرماتا ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کے ذریعہ سے جنہوں نے علم کو ظاہر کیا اور اُس کی شرح کی تو ہم نہ جان سکتے کہ کیا چیز اختیار کریں اور کیا نہیں۔

م ص ک ۔ ابن مبارک اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ آثار و فتاویٰ کو لازم سمجھو مگر اُن کے لئے ابو حنیفہ کی ضرورت ہے کیونکہ وہ حدیث کے معنی جانتے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ ابن مبارک رح فرمایا کرتے تھے کہ علما ابو حنیفہ سے مستغنی نہیں ہو سکتے کچھ نہیں تو تفسیر حدیث میں تو ضرور محتاج ہیں۔ دیکھئے امیر المومنین فی الحدیث تو یہ فرمارہے ہیں کہ ہر محدث تفسیر حدیث میں ابو حنیفہ کا محتاج ہے۔ اور آخری زمانہ کے مولوی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ

اقوال دیکھنا درست نہیں۔ اگر ابوحنیفہ ہی کی مخالفت ہوتی تو مضائقہ نہ تھا مگر افسوس یہ ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث کی بھی مخالفت کی جا رہی ہے۔

مرک۔ محدثین کہا کرتے تھے کہ عبداللہ ابن مبارک ابوحنیفہ سے علم میں بڑھے ہوئے ہیں ابوسعید ابن معاذ نے یہ سنکر کہا کہ ان لوگوں کی مثال افضلیہ کی سی ہے۔ کہ علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا امام بنالیا اور خود انہوں نے جنکو اپنا امام بنایا تھا یعنے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو امام نہیں سمجھتے اسی طرح یہ لوگ بھی عبداللہ ابن مبارک کو اپنا امام قرار دیتے ہیں اور خود انہوں نے جو ابوحنیفہ کو اپنا امام بنایا تھا اُن کو امام نہیں سمجھتے بات یہ ہے کہ بقول اسکے۔ انما یعرف الفضل من الناس ذووہ۔ اہل فضل کی قدر و منزلت اہل فضل ہی جانتے ہیں باوجودیکہ سفیان ثوری اور امام صاحب میں بمقتضائے بشریت کسی قدر شکر رنجی تھی مگر قدر و منزلت امام صاحب کی جس قدر چاہیئے سفیان ثوری رح کے دل میں تھی جیسا اس واقعہ سے ظاہر ہے جو عقود الصحیفہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ ابوبکر ابن عیاش کہتے ہیں کہ سفیان ثوری رح کے بھائی کا جب انتقال ہوا تو ابوحنیفہ رح ان کی تعزیت کے لئے گئے سفیان رح ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور معانقہ کر کے ان کو اپنی جگہ بٹھلایا اور خود روبرو بیٹھ گئے بعد برخاست میں نے کہا کہ آج آپنے یہ کیا حرکت کی جو ہم سب کو بدنما معلوم ہوئی فرمایا کیا بات میں نے کہا کہ آپ ابوحنیفہ کے لئے اُٹھے اور انکو اپنی جگہ بٹھا کر خود روبرو بیٹھ گئے۔ فرمایا اعتراض کی کیا بات ہے میں ایسے شخص کیلئے اُٹھا جو علم میں اعلیٰ درجہ پر ہے اگر انکے علم کی وجہ سے نہ اٹھتا تو عمر کے لحاظ سے

اٹھاتا تھا اور اگر عمر کے لحاظ سے بھی نہ اٹھاتا تو انکی فقہ کے سبب سے اٹھنے کی ضرورت تھی وہ کہتے ہیں کہ اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکا۔

خ۔ ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہا اللہ ایک بار بالاتفاق حج کر گئے انہوں نے التزام کر لیا تھا کہ ہر جگہ ابو حنیفہ کو آگے بڑھاتے اور خود پیچھے رہتے تھے اور جو کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ کچھ جواب نہ دیتے۔ یہاں تک کہ ابو حنیفہ رح کو جواب دینے کی ضرورت ہوتی۔

اکابر محدثین امام صاحب کی تعظیم و توقیر اور ثنا و صفت جو اس قدر کرتے تھے اس کا سبب یہی تھا کہ علاوہ وفور علم حدیث کے امام صاحب کا تفقہ مسلم اور شہرۂ آفاق تھا جس کی طرف محدثین محتاج تھے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔

ک۔ ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام باقر رضہ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ امام صاحب آئے اور چند مسائل پوچھے جب وہ چلے گئے۔ تو امام باقر رضہ نے کہا کہ یہ شخص کیسے کثیر الفقہ ہیں امام باقر رضہ کا غائبانہ امام صاحب کی کثرت فقہ کی تعریف کرنی ان کی جلالت شان پر دلیل قوی ہے۔

م ح ک۔ یزید ابن ہارون سے کسی نے پوچھا کہ امام مالک رح کی رائے کو آپ اچھی سمجھتے ہو یا ابو حنیفہ کی رائے کو؟ کہا کہ امام مالک رح سے حدیثیں لکھ لو۔ کیونکہ وہ احادیث کی تحقیق خوب کرتے ہیں اور فقہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا کام ہے گویا وہ اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

م ص۔ علی ابن ہاشم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ علم کے خزانہ تھے جو مسائل اعلیٰ درجہ کے عالم پر مشکل ہوں وہ انپر آسان تھے۔

م ص ک - رقبہ بن مسقلہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحہ نے علم میں ایسا غوص کیا کہ کسی نے کیا تھا۔ اسلئے وہ جاہت سے ان کو حاصل ہو گیا۔

م ص ک یحییٰ بن آدم رحمہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ نے فقہ میں ایسی کوشش کی کہ ان سے پیشتر کسی نے نہیں کی اسلئے خدائے تعالیٰ نے ان کو راہ بتلائی اور اس کو آسان کر دیا۔ اور خاص و عام نے ان کے علم سے نفع اٹھایا۔

ک - نضر ابن محمد کہتے ہیں کہ میرا ظن غالب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ کو رحمت پیدا کیا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو بہت سا علم کم ہو جاتا۔

م ص ک سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ جب میں سعید ابن ابی عروبہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بلاد سے ابوحنیفہ کی جو خبریں پہونچتی ہیں اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ اُنسے افقہ کوئی نہیں مجھے آرزو ہے کہ اس شخص کو جو خدائے تعالیٰ نے علم دیا ہے وہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں ڈالا جائے اس شخص کیلئے خدائے تعالیٰ نے فقہ میں فتحیاب کر دیا گویا کہ وہ اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

م ص ک - اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو بن علاء سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ علم اگر پوچھو تو ابوحنیفہ کا ہے اور ہم لوگ جس علم میں مصروف ہیں وہ بہت آسان ہے۔

م ص یحییٰ ابن سعید قطان کہا کرتے تھے کہ جو واقعات لوگوں میں وقتاً فوقتاً پیش ہوا کرتے ہیں۔ اُن میں حکم شرعی بیان کرنے والا سوا ابوحنیفہ کے کوئی نہیں۔ یہ بات اُنہوں کے اوائل میں نہ تھی مگر تھوڑے دنوں میں

ان کو کلام تہی کر گیا۔

م ص ک۔ سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ جسکو مغازی کا شوق ہو وہ مدینہ جائے
اور جو مناسک چاہے تو مکہ جائے اور جو فقہ سیکھنے کا ارادہ کرے وہ کوفہ میں
جاکر اصحاب ابو حنیفہ کی صحبت کو لازم کرے۔

م ص۔ امام شافعی رحمہ فرماتے ہیں کہ جس کو فقہ کی معرفت منظور ہو وہ ابو حنیفہ
اور ان کے اصحاب کو لازم کرلے کیونکہ فقہ میں سب عیال ابی حنیفہ ہیں اس
سے ظاہر ہے کہ فقہ کے سب کو اور اس میں نقاش امام صاحب کا حصہ کمال

خ۔ قاضی شریک کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ فقہ میں دقیق النظر اور علم و عمل میں
میں ان کا استخراج لطیف ہوتا تھا۔ چنانکہ وقت اگر ایک عقل سے سطحی کہے
دخل نہیں تھا جیسا کہ اشجعی نے امام صاحب سے کہا تھا کہ اگر طلب سے
فضیلت حاصل ہوتی تو آپ کو قرب سے افضل ہو جاتا مگر وہ عطائے خدا کی طرف
عطا ہے دکھاؤ کہ جو لکھی ہی اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے
فقہ کے ساتھ مناسبت عاقل تھی ہم وہ اور کو دی تھی
یہی بات امام مالک رح کے ارشاد سے بھی ثابت ہے جو خیرات الحسان میں
نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ کو فقہ کی توفیق دی گئی جس سے انہم
نہی کی مشقت نہ دی۔

ک۔ اسمعیل ابو داؤد کہتے ہیں کہ عبد الرحمن ابن عبد اللہ مسعودی رحمہ نے کہا
کہ ابو حنیفہ رحمہ فقہ اور حدیث کے بڑے حافظ تھے سے یہ قول ابو حنیفہ اختیار
بھی کیا انہوں نے کہا کہ ان دونوں کے علم میں بھی جو پیدا ہے وہ قول

شروع کیا انہوں نے بھی کہا کہ سعود کی ... کہتے ہیں ... کہ امام صاحب کا ...
... ہونا اس زمانہ میں مشہور تھا۔

م ص ک — ... کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی امر ظاہر ہوتا تو ان کو اس قدر ترقی نہ ہوتی ... [illegible]
... ہے۔

م ص — ابو ... کہتے ہیں کہ میں نے ... [illegible] ... تو ابو حنیفہ ...
م ک — ... کہتے ہیں کہ میں نے ... [illegible] ...
... کے ... ابو حنیفہ ... ہے

م ص — ... کہتے ہیں کہ ... ہے کہ جب ابو حنیفہ ... [illegible]
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ... قبول ہو گی ...
... [illegible] ...
اور کہا کہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ابو حنیفہ کے گناہ بہت کم تھے ...
تو ... نہیں ہوتا ... کہ گناہ ... امام صاحب ...
... اور ... کہ ... کے ... بیان کرتے
تھے ... اور اگر کسی گناہ کی وجہ سے ... رکاوٹ آ جاتی ...
... کرنے سے وہ بھی ... ہو جاتی ہے اور ...
... کیا کرتے تھے۔

م ص ک ۔ نضر بن علی نے ابو عاصم نبیل سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک
ابو حنیفہ افقہ ہیں یا سفیان انہوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ ابو حنیفہ میرے
نزدیک ابن جریج سے بھی افقہ ہیں میری آنکھوں نے اُن سے زیادہ فقہ پر
اقتدار والا شخص نہیں دیکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے نضر کو
کہا اے جاہل ابو حنیفہ کے یہاں کا پھر تارہ سفیان سے افقہ ہے۔ ابو عاصم
نبیل رحمہ خود بھی فقیہ تھے جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے۔ انھوں نے ابن جریج
سوائے علم کے [illegible] ترجیح دی۔

ک ۔ ابو حنیفہ جب کہ مکہ جاتے تو ابن جریج اور عبد العزیز ابن رواد
انکے ساتھ اکثر بیٹھتے اور ابن جریج بہت زیادہ انکی تعریف کیا کرتے
ایک بار انکی مجلس [illegible]

م ص ک ۔ [illegible]

م ص ک ۔ محمد بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے خلف ابن ایوب کو
سنا ہے کہتے تھے [illegible] ہوا اُن
بیگان ہوتے ہیں کسی نے پوچھا الزام کی کیا صورت [illegible]
کہ انکے زمانہ میں ان سے اعلم اور [illegible] کوئی نہ تھا۔

م ص ۔ عثمان البتی کا قول ہے کہ حماد اور ابراہیم اور علقمہ اور ابن مسعود
انکا ابو حنیفہ تھے۔ یہ حضرات مشاہیر فقہا میں ہیں جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ سے
ظاہر ہے

م ص ک ۔ یحیی بن آدم کہتے ہیں کہ [illegible] ابو حنیفہ کے حلقہ [illegible]

والے تھے جیسے پیر نے ان کے کاش وہ ان کا قول ہی سمجھ لیتے؟

م ک ۔ جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مغیرہ نے مجھ سے کہا کہ ابو حنیفہ کے حلقہ میں بیٹھا کرو گے تو فقیہ ہو جاؤ گے اگر ابراہیم نخعی ہوتے تو وہ بھی ان کے حلقہ میں بیٹھتے۔

م ص ۔ مسعر رہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے افقہ نہیں دیکھا ان کی فقہ پر مجھے رشک آتا ہے۔

م ص ک ۔ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ تمام اہل فقہ اور اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ ابو حنیفہ سے افقہ کوئی نہیں۔ اس امر میں انہوں نے ایسی کوشش کی کہ ان کے جیسے کسی سے نہیں ہو سکی خدا سے تعالیٰ نے ان کو راستہ دکھلا دیا اس سے تو یہ بات ثابت کر دی کہ امام صاحب کے افقہ ہونے پر کل علماء و محدثین کا اجماع ہو گیا صحابیات اور معلوم ہوا کہ ابو حنیفہ اگر تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی ان کی طرف محتاج ہوتے۔ اس کی تصدیق مقاتل بن حیان کے قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے کہا کیا کہ میں نے تابعین اور تبع تابعین کو دیکھا مگر ان میں ابو حنیفہ کے جیسا کوئی فقیہ اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا۔

م عثمان ابن سیار کہتے ہیں کہ فقہ میں ابو حنیفہ رہ کو کوئی نہیں پہنچ سکا۔

م ص ک ۔ وکیع رہ کا قول ہے کہ ما لقیت احدا افقہ من ابی حنیفۃ اس لیے کہ وکیع کو بہت سے اکابر محدثین سے ملاقات ہے تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ہشام ابن عروہ اور اعمش اور اسمعیل ابن ابی خالد

اور ابن عون اور ابن جریج اور سفیان اور داودی - اور خلق کثیر سے حدیثیں سنی ہیں۔ اور امام احمد رح کا قول نقل کیا ہے کہ مارأت عینی مثل وکیع قط یحفظ الحدیث ویذاکر بالفقہ فیحسن مع ورع واجتہاد یعنی امام احمد رح فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے وکیع کے جیسا عالم نہیں دیکھا حدیثیں انکو خوب یاد تھیں اور فقہ کا مذاکرہ عمدگی سے کیا کرتے اور نہایت پرہیزگار اور عابد تھے۔ اور یحیی ابن اکثم کا قول نقل کیا ہے کہ میں انکے ہمراہ سفر اور حضر میں رہا ہوں ہمیشہ یہی دیکھا کہ دن کو روزہ رکھتے اور رات میں ایک ختم قرآن کا کیا کرتے تھے"۔ اسکے سوا اور بہت سی تعریفیں اُن کی لکھی ہیں ایسے شخص جب یہ کہیں رہے ہیں کہ کسی ایسے شخص سے مجھے ملاقات نہ ہوئی جو ابو حنیفہ سے افقہ ہو تو غور کیا جائے امام صاحب کی فقاہت کس درجہ کی تھی۔ معلوم ہے کہ امام احمد رح نے جو وکیع رح کے مذاکرہ فقہ کی تعریف کی وہی فقہ حنفیہ تھی اسلئے کہ وہ امام صاحب کے مقلد ہیں جیساکہ اسی تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے وکان یفتی بقول ابی حنیفۃ اسی وجہ سے وہ نبیذ پیا کرتے تھے حالانکہ محدثین کو اُس میں بہت کچھ خلاف ہے امام ذہبی رح نے اسی میں لکھا ہے کہ اُن میں کوئی عیب نہ تھا مگر نبیذ پیا کرتے تھے جس کا ثبوت کسی طرح سے ہو گیا ہے اور یحیی ابن معین رح کا قول نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اُنسے پوچھا کہ میں نبیذ پیا تھا سو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ تم نے شراب پی۔ وکیع رح نے یہ سنتے ہی کہا کہ وہ شیطان تھا۔ یہ وہی وکیع رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنکو

امام صاحب سے اوائل میں مقابلہ تھا جیسا کہ خطیب بغدادی رحمہ نے کتاب النصیحہ لاہل الحدیث میں اُن کا قول نقل کیا ہے کہ ایک بار ابو حنیفہ مجھ سے ملے اور کہا کہ آپ جو حدیثیں لکھا کرتے ہو کیا اُس سے بہتر نہ ہوگا کہ فقہ حاصل کریں میں نے کہا کیا حدیث تمامی فقہ کو جامع نہیں ہے اُسپر انہوں نے ایک مسئلہ پوچھا میں نے جواب میں ایک حدیث پڑھ دی اسکے بعد انہوں نے میرا پیچھا چھوڑا۔

اُس میں علی ابن خشرم رح کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کئی بار میں نے وکیع رحمہ سے سنا ہے کہ محدثین سے کہا کرتے کہ اگر تم لوگ فقہ حدیث سیکھو تو اصحاب الرائے تم پر غالب نہ آسکیں گے۔ ابو حنیفہ جو کسی مسئلہ میں کچھ کہتے ہیں سو ہم اُس میں ایک باب روایت کرتے ہیں۔

دیکھئے ان تقریروں سے کس قدر مخالفت معلوم ہوتی ہے مگر یہ سب اوائل کی باتیں تھیں جب امام صاحب کے حالات سے خوب واقف ہوئے اور معلوم ہو گیا کہ اُن کو حدیث میں بڑی دستگاہ ہے اُسوقت ایسے معتقد ہو گئے کہ امام صاحب ہی کے اقوال پر فتوی دینے لگے۔ یہی حال کل اہل حق محدثین کا رہا ہے کہ ابتدا میں فقہ کو مخالف حدیث سمجھ کر مخالفت کرتے اور امام صاحب کو بُرا بھلا کہتے مگر جب واقف ہوتے تو پشیمان ہوکر توبہ کرتے جیسا کہ اعمش اور اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ کے حالات سے ظاہر ہے۔

خ۔ اگر سفیان ثوری رحمہ کے پاس کوئی آکر کہتا کہ میں ابو حنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو کہتے کہ ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روئے زمین پر اُن کا سا فقیہ نہیں۔

ت۔ محمد ابن بشیر کہتے ہیں کہ میں ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے پاس جایا کرتا تھا جب سفیان رح کے پاس جاتا اور وہ پوچھتے کہ کہاں سے آئے اور میں ابو حنیفہ کا نام لیتا تو وہ کہتے کہ جئت من عند افقہ اہل الارض سفیان ثوری رح وہ شخص ہے کہ امام ذہبی رح نے اُن کو تذکرۃ الحفاظ میں الامام شیخ الاسلام سید الحفاظ الفقیہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ شعبہ اور یحیٰ ابن معین اُن کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے اور ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ ایک ہزار ایک سو شیوخ سے میں نے حدیث لکھی ہے اُن میں سفیان رح سے کوئی افضل نہ تھا وکیع رح کہتے ہیں کہ سفیان رح ایک دریا تھے۔ ابو اسامہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی تم سے کہے کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ سفیان سے افضل تھا تو اس کی تصدیق مت کرو۔ اوزاعی رح کہتے ہیں کہ سوائے سفیان کے اب کوئی ایسا شخص باقی نہیں جس کی رضا اور صحت پر امت کا اجماع ہوا ہے۔ ذہبی رح نے لکھا ہے کان قوالا بالحق یعنی وہ بڑے حق گو شخص تھے۔ اس قسم کے اقوال اُن کی جلالت شان اور تقدس کے باب میں بہت سے وارد ہیں غور کیا جائے کہ جب ایسے جلیل القدر امام فقیہ امیر المومنین فی الحدیث فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ کا نظیر روئے زمین پر نہیں تو امام صاحب کا تفقہ اور فقہ حنفیہ کس درجہ قابل وثوق ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجودیکہ اوزاعی رح سفیان ثوری رح کی جلالت شان کے قائل ہیں مگر طبیب امت امام صاحب ہی کو قرار دیا اور طبقۂ محدثین کو عطاروں ہی میں داخل رکھا۔ اسیطرح وکیع رح نے

باوجودیکہ اُن کو علم کا دریا کہا مگر امام صاحب ہی کے سرچشمۂ حیات سے اپنی تشنگی بجھاتے رہے اور ابن مبارک رہ نے گو اُن کو افضل الشیوخ فرمایا مگر عمر بھر امام صاحب ہی کے ملازم خدمت رہے اس سے ظاہر ہے کہ اکابر محدثین عمل کے لئے فقہ کی ضرورت سمجھتے تھے اور عمل بالحدیث کے قائل نہ تھے یہاں اگر یہ کہا جائے کہ سفیان ثوری رہ امام صاحب کو اگر افقہ سمجھتے تھے تو اُن کی تقلید کیوں نہیں کی سو اُس کا جواب یہ ہے کہ سفیان رہ خود فقیہ اور مجتہد تھے اور مجتہد کو اپنے اجتہاد کے خلاف کسی مجتہد کی تقلید درست نہیں۔ باوجود اسکے فتویٰ دینے کے لئے امام صاحب ہی کے اقوال کی تلاش کیا کرتے تھے چنانچہ امام موفق اور کردری رہ نے ثابت زاہد رہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب سفیان ثوری رہ سے کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ اس مسئلہ میں کوئی عمدہ تقریر نہیں کرسکتا سوائے اُس شخص کے جسپر ہم لوگ حسد کرتے ہیں (یعنی ابوحنیفہ) پھر امام صاحب کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کا کیا قول ہے اور جو وہ جواب دیتے اُس کو یاد رکھ کے اسی کے موافق فتویٰ دیتے تھے۔

م ص۔ قیس ابن الربیع کہتے ہیں کہ میں بہت سے علما کی مجلس میں گیا مگر ابوحنیفہ سے زیادہ فقہ اور علم میں کسی کو نہیں پایا۔

عبید ابن سعید رہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے جس سے ملاقات کی وہ اُس سے افقہ تھے یعنی تقریباً کل معاصرین سے آپ افقہ تھے۔

م ص۔ امام جعفر صادق رہ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ کل فقہاے کوفہ سے افقہ ہیں

م۔ علی ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں ابو امیہ سے پوچھا کہ عراق یا کوفہ سے بزرگ آپ کے یہاں آئے ان میں افقہ کون تھے کہا ابو حنیفہ۔

ت ح۔ عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے حسن ابن عمارہ کو دیکھا کہ ابو حنیفہ کی رکاب پکڑے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ خدا کی قسم ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جو فقہ میں آپ سے زیادہ بلیغ اور حاضر جواب ہو آپ اپنے وقت کے تمام فقہا کے سردار ہو اور جو لوگ آپ کے باب میں کچھ کلام کرتے ہیں وہ صرف حسد سے ہے۔ دیکھئے حسن ابن عمارہ جیسے شخص کہ سفیان ثوری رح کے استاد ہیں امام صاحب کی رکاب پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں کہ آپ سید الفقہاء ہو تو اس سے کیسی جلالت شان امام صاحب کی ظاہر ہوتی ہے۔

م ص ک۔ عبید ابن اسحق کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ سید الفقہا ہیں اور جو ان پر تہمت لگاتا ہے وہ حاسد یا شریر شخص ہے۔

م ت ح۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ افقہ الناس تھے ان سے افقہ میں نے نہیں دیکھا۔

م ص۔ اسحق ابن راہویہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو احکام اور قضایا کو ابو حنیفہ سے زیادہ جانتا ہو ہر چند قبول قضا پر زبردستی اور سختی کی گئی مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ خالصاً لوجہ اللہ تعلیم اور ارشاد کیا کرتے تھے۔

ک۔ ابو الحسن احمد بن محرز کہتے ہیں کہ ایک بار منصور کو کسی مسئلہ کی ضرورت ہوئی مدینہ طیبہ اور کوفہ وغیرہ تمام شہروں سے علما بلائے گئے مگر کسی سے اس کا جواب نہ ہو سکا آخر ابو حنیفہ نے تسکین بخش جواب دیا بادشاہ نے سب کو

رخصت کرتے امام صاحب کو شہر پایا اور خدمت قضا قبول کرنیکی درخواست کی

شیخ عیسیٰ ابن یونس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر ابو حنیفہ کے باب میں کوئی بدگوئی کرے تو ہرگز اُس کی تصدیق مت کرو میں خدا کی قسم کھا کر تم سے کہتا ہوں کہ میں نے اُن سے افضل اور افقہ نہیں دیکھا۔

١٥ بزرگ جو تیس کہا کہا کہ امام صاحب کی جلالت شان اور عظمت پر گواہیاں دیتے ہیں۔ اس سے یہی مقصود تھا کہ حاسدین اور سفہا جو امام صاحب کی نسبت بدگوئیاں کرتے ہیں وہ طالبین حق کے ذہن نشین نہ ہوں اور ان سے صرف خیرخواہی انہی کی منظور تھی کہ کہیں بے اصل باتوں کو باور کرکے عقاب کے مستحق نہ ہو جائیں ورنہ امام صاحب کا کوئی ذاتی نقصان متصور نہ تھا مگر افسوس ہے منصف آخری زمانہ والے اُس سے بھی کچھ نفع نہ اُٹھا سکے۔

تصریح کہ امام شافعی رح فرماتے ہیں الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفہ یعنی لوگ فقہ میں ابو حنیفہ رح کے عیال ہیں۔ منتہی الارب میں لکھا ہے کہ عیال از جمل زن و فرزند و جز آں در نفقہ و مؤنت مرد باشند۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے معاصر اور بعد والے فقہا اُنکے عیال ہیں جن کی تربیت معنوی امام صاحب کے افادات سے متعلق ہے اسی وجہ سے امام شافعی رح نے فرمایا ہے من اراد ان یعرف الفقہ فلیلزم ابا حنیفہ واصحابہ کذا فی تبییض الصحیفہ اور الخیرات الحسان وغیرہ میں لکھا ہے کہ من لم ینظر فی کتبہ لم یتبحر فی العلم ولا یتفقہ۔ یعنی جو شخص امام صاحب کی کتابیں نہ دیکھے اُسکو نہ علم میں تبحر ہو سکتا ہے نہ وہ فقیہ بن سکتا ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری رح نے مسند شافعی

بیٹھنے سے پہلے اصحاب الرائے کی کتابیں یعنی فقہ حنفیہ دیکھ لے جسکا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ بڑی افسوس کی بات ہے کہ اکابر سلف رحمہم اللہ تو امام صاحب کی فقہ کی ایسی تعریفیں کریں اور آخری زمانہ والے اُسکے برخلاف اسکو گمراہی قرار دیں۔

م ص ک - ہارون ابن سعید کہتے ہیں کہ امام شافعی رح فرماتے تھے کہ ابو حنیفہ سے افقہ میں نے نہیں دیکھا۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُنسے افقہ میرے علم میں نہیں ہے۔

ک م ص - داؤد طائی رح کے روبرو امام صاحب کا ذکر آیا انہوں نے فرمایا وہ ایک ستارہ ہیں جن سے راہ وہدایت پاتے ہیں اور ایک بڑی نشانی ہے جس کے طرف مسلمانوں کے دل متوجہ ہوتے ہیں۔ جو عالم اُن کا علم نہیں جانتا وہ اُسپر بلا ہے۔ یہ اسوجہ سے فرمایا کہ فقہ میں حدیث کے اشکال حل ہوتے ہیں بغیر فقہ کے حدیث مفید نہیں ہوتی۔

م ص ک - نضر ابن علی کہتے ہیں کہ ہم شعبہ رح کے پاس بیٹھے تھے کسی نے امام ابی حنیفہ کے انتقال کی خبر سنائی انہوں نے انا للہ [illegible] کر کہا کہ اب اہل کوفہ کی روشنی علم جاتی رہی۔ یاد رکھو کہ اُنکے جیسا شخص وہ کبھی نہ دیکھیں گے۔ دیکھئے امام صاحب کا تبحر علم کس قدر فوق العادت ہوگا کہ باوجودیکہ امام صاحب کا مثل تو کیا بہتر شخص کا پیدا ہونا بھی حیز امکان میں ہے مگر اُن کا علم وفضل فوق العادت دیکھکر بلحاظ امکان عادی شعبہ رح نے صاف کہدیا کہ اُن کے جیسا عالم کبھی پیدا نہ ہوگا۔

ک۔ شعبہ رح جب ابو حنیفہ کا ذکر کرتے تو بہت دیر تک اُن کی مدح کرتے اور ابو الولید کہتے ہیں کہ جب امام صاحب کا ذکر شعبہ رح کی مجلس میں ہوتا تو اُنکے حق میں دعا کرتے۔

شعبہ وہ شخص ہیں کہ اُن کا حال تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ چار سو تابعین سے انہوں نے حدیثیں لی ہیں اور اعمش اور سفیان ثوری وغیرہ کے استاد ہیں مزاج میں اُن کے تحقیق اس درجہ تھی کہ اگر بیس بار مختلف استادوں نے روایت سنتے تو اُس پر بھی کفایت نہ کرتے۔ امام احمد کہا کرتے تھے کہ کان شعبۃ امۃ واحدۃ فی ہذا الشان یعنی شعبہ اکیلے ایک امت کے قائم مقام تھے اُنسے بڑھ کر عابد و زاہد دیکھا نہیں گیا صائم الدہر اور کثیر الصلوٰۃ تھے روایت ہے اُن کا پوست ہڈیوں پر خشک ہو کر سیاہ ہو گیا تھا اُنکے کپڑے مٹی کے ہمرنگ تھے!! ایسے شخص امام صاحب کی مدح فرما رہے ہیں کہ اُن کا نظیر پیدا ہونا مشکل ہے۔ مردم شناسی انہی حضرات کا کام تھا۔ شعبہ جیسا کوئی فاضل متقی باخدا شخص ہو تو امام صاحب کی قدر جانے ہر کس و ناکس کو اُن کی کیا قدر۔

م ص ک۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ میں ایک روز معمر رح کے پاس بیٹھا تھا کہ ابن مبارک رح آئے اُن کو دیکھتے ہی معمر رح نے کہا کہ سوائے ابو حنیفہ کے ایسا کوئی شخص میرے خیال میں نہیں ہے جو فقہ میں عمدگی سے کلام کرے اور حدیث کی شرح کرنیکی لیاقت رکھتا ہو اور اُسکو خوف بھی ہو کہ دین میں کوئی شک کی بات داخل نہ ہونے پائے!!

شمار اکابر محدثین سے ہیں چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ سفیان ثوری
اور ابن مبارک وغیرہ کے استاد ہیں۔ امام احمد رح کہتے ہیں کہ مسعر کو جس
کے ساتھ ملاؤ گے انہیں کو فوقیت ہوگی ابن جریج رح کہتے ہیں کہ انکے زمانہ
میں ان سے زیادہ علم میں کوئی شخص نہ تھا۔

دیکھئے ایسے بینظیر جلیل القدر محدث مذہب حنفیہ کی تعریف پر فریفتہ لیکن
نہایت گرانبہا جس کی قیمت الفاظ میں کر رہے ہیں ان سے بہتر نہیں ہو سکتی
اسلئے کہ انکی مذہب کو جانتے کہ کتنا معقول اور احادیث کی بنیاد پر ہے
دیانت تامہ رکھتا ہو۔ اور اُسکے ساتھ خوف خدا بھی ہو کوئی شک کی بات
مذہب میں شریک نہ ہونے پاوے سو انہوں نے تصریح بیان کی کہ ان
تینوں امور میں امام صاحب سب سے فائق شخص تھے جس سے ظاہر ہے کہ
مسعر کو ان مسائل میں امام صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا تھا کہ اس میں
شک کا گذر نہ ہو۔ اب غور کیجئے کہ مذہب حنفیہ کس قدر موافق حدیث اور
مذہب حنفیہ کس قدر قابل وثوق ہے

ان اقوال اکابرین سے ثابت ہے کہ فقہ میں امام صاحب کا کمال علم
نہ تھا اور ان کے پیشتر بیانات معلوم ہوئی کہ یزید ابن ہارون۔ عبداللہ ابن مبارک
سفیان ثوری۔ سفیان ابن عیینہ۔ حبیب بن شریک۔ خلف ابن ایوب۔ مکی ابن
ابراہیم۔ امام مالک۔ سعید ابن ابی عروبہ۔ اسرائیل ابن یونس۔ حفص ابن
غیاث وغیرہم رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ ابوحنیفہ علما میں بے مثل و
بے نظیر تھے اب اسکے بعد کوئی محدث تو امام صاحب کی توہین نہیں کر سکتا

حسب بیان صدق و ورع میں اور اُن کی کوئی بات قابل قدر بھی نہیں ہو سکتی ہے تو
امام صاحب کے علم و فضل کا حال تھا اب اُن کے زہد و خشیت اور ورع
اور تقویٰ کا حال سنئے حکایت ہے کہ ایک شریف و امین تاجر متقاب ہو دنیا غرض
عراق کے تقویٰ کا پورا پورا مضمون آپ پر صادق تھا۔

چونکہ ہمارے عصر میں اس قسم کا خوف ہے نہ خشیت نہ کوئی شخص ایسا نظر
آتا ہے جس کو بطور نظیر پیش کریں اس لئے بعضے لوگ جنکو امام صاحب کے
حالات اور نقلیں معلوم ہوئے ہیں اُن اخبار کو قبیل الذیان مقصود کی طرح
سے متعلق سمجھ کر بات ٹال جاتی ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ جو ایمان دار شخص سمجھا جاتا ہے جسکو قرآن وحدیث پر
پورا پورا ایمان ہو اور یہ جانتا ہو کہ قیامت کا روز جزا و سزا کے لئے مقرر
ہے اور گناہوں کے ارتکاب سے مستوجب غضب الٰہی ہوتا ہے جس چیز سے ہمیشہ
اس کو ڈرتے رہنا ہے کہ غفلت بھی مقتضائے بشری ہے اور غفلت ایک
ایسا پردہ ہے کہ ایمان کے آثار کو ظاہر ہونے نہیں دیتا اسی وجہ سے ہوا
عوام الناس میں وہ حالات نہیں پائے جاتے جو اعلیٰ درجہ کے اہل ایمان
سے ظہور میں آتے ہیں کیونکہ وہ حضرات جن کی عقل معاد کامل ہوتی ہے
اکثر اپنے گناہوں اور لغزشوں کو پیش نظر رکھتے ہیں جو لا محالہ غیر معصوم
میں ہوا کرتی ہیں کے ساتھ ہی اُن وعیدوں اور سزاؤں کا خیال بھی
لگا رہتا ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور یہی خیال باعث خوف الٰہی
ہوتا ہے جس طرح مشاہدہ ہے کہ جو شخص کسی جرم کا مرتکب ہو اور قانون کی رو سے

کہ اُس جرم پر سزا مقرر ہے اور اُسکو یقین ہو جائے کہ بادشاہ کو اپنے جرم کی خبر ہوگئی ہے تو ضرور اُسکے دل میں ایک ایسی کیفیت اور حالت پیدا ہوگی جسکو خوف کہتے ہیں پھر بعضوں کی طبیعت میں خوف زیادہ ہوتا ہے اور بعضوں کی طبیعت میں بیباکی کچھ چنانچہ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ کسی معزز نیکنام شخص سے کوئی خفیف جرم بھی صادر ہوتا ہے تو اُس کو اتنی فکر ہوتی ہے کہ خواب و خور ناگوار ہو جاتا ہے اور بعض اس طبیعت کے بھی لوگ ہیں کہ بڑے بڑے جرموں کی بھی انکو کچھ پروا نہیں ہوتی بلکہ بعضوں کا تو یہ حال بھی سنا گیا کہ سزا بھگت کر قید خانہ سے جب نکلتے ہیں تو یہ کہہ کر نکلتے ہیں کہ پھر چند روز میں ہم یہاں آجائینگے۔ ایسی طبیعت والوں کو خوف سے کیا تعلق۔ بہر حال بعضے غیرت دار طبیعتیں ایسی ضرور ہوتی ہیں کہ جرائم کا خیال اُن کے دلوں پر ایسا پورا اثر کرکے اُنکو خائف و ترساں رکھتا ہے۔

ان حضرات پر جو خوف الٰہی غالب رہتا ہے اُس کا سبب فقط یہی نہیں کہ جرائم کو باعث سزا سمجھتے ہیں بلکہ خداے تعالےٰ کے حکم کی تعمیل بھی منظور ہے جس کی تاکید قرآن شریف میں بکرات و مرات ہوئی چنانچہ ارشاد ہے فاتقون یا اولی الالباب یعنی اے عقل والو مجھ سے ڈرتے رہو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوف الٰہی کی صلاحیت عقلمندوں ہی کے دلوں میں ہے اسیوجہ سے قابل خطاب وہی لوگ سمجھے گئے غرضکہ جب خالق عزوجل اپنے نام قہار۔ شدید العقاب۔ شدید البطش اور رقیب وغیرہ بتا کر یہ فرمادے کہ مجھسے ڈرتے رہو تو عقلمند اہل ایمان کا کیا حال ہونا چاہئے پھر اہل ایمان کا حال حق تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے۔ انّ الذین ہم من خشیۃ ربہم مشفقون والذین ہم

بآیات ربہم یومنون والذین ہم بربہم لایشرکون۔ والذین یؤتون ما آتوا وقلوبہم وجلۃ انہم الی ربہم راجعون۔ اولٰئک یسارعون فی الخیرات وہم لہا سابقون یعنی البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے مضطرب رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے اور جو لوگ دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور اُن کے دل میں ڈر ہے کہ اُن کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے وہی لوگ نیکیوں میں کوشش اور جلدی کرتے ہیں اور نیکیوں کی طرف سبقت کرتے ہیں۔" اور ارشاد ہے توالہ تعالیٰ

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی اللہ سے ڈرتے وہی ہیں جو علماء ہیں اس سے تو ظاہر ہے کہ جسکو خوف خدا نہیں وہ عالم ہی نہیں۔ اسلئے کہ جس ایماندار کو خدائے تعالیٰ کی عظمت اور سطوت اور تمام صفات قہاریہ کا علم ہو اور اُسکے ساتھ ہی اُن وعیدوں کا بھی علم ہو جو قرآن وحدیث میں ہیں تو ممکن نہیں کہ ان تمام امور کو جاننے کے بعد بھی خوف خدا دل میں پیدا نہ ہو البتہ آج کل کی اصطلاح میں جس کا نام علم رکھا گیا ہے کہ چند کتابیں ادبیات وغیرہ کی پڑھ لیں اور مولوی عالم اور مولوی فاضل ہو گئے۔ خواہ مسلمان ہوں یا ہنود وغیرہ سو ایسے علم پر آثار مرتب نہیں ہو سکتے اور نہ وہ درحقیقت علم ہے اُس کو تخئیل باطل کہنا چاہئیے۔ علم وہ ہے جس کی مثال ابھی بیان کی گئی کہ کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہو اور وہ جانتا ہے کہ جو جرم اُس سے صادر ہوا وہ سنگین ہے اور اُس کا بھی اُسکو علم ہو کہ بادشاہ نے اس قسم کے جرم کی سزا سخت مقرر کی ہے۔ اور اُس کا بھی علم ہو کہ بادشاہ کو

اپنے جرم کی اطلاع ہو گئی ہے تو اُسپر یہ آثار ضرور مرتب ہونگے کہ اسکو فکر ضرور ہو جائے گی۔ اور خوف شاہی کے مارے آب و خور ناگوار ہو جائے گا اور کسی کام سے اُس کو دلچسپی نہ رہیگی۔ اب غور کیجئے کہ جنپر لفظ علما کا اطلاق صیح طور پر ہو سکتا ہو کیا ممکن ہے کہ اُن کو خشیت اور خوف الہی نہ ہو۔ پھر جس دل میں واقعی خوف ہو گا اُسکے آثار بھی نمایاں ہو نگے۔ چنانچہ کسی بزرگ نے کہا ہے

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم … باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

اب ہم چند نظیریں پیش کرتے ہیں کہ جن حضرات پر خوف خدا غالب تھا اُنکی کیا حالت تھی۔ امام غزالی رہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وان جہنم لموعدہم اجمعین یعنی دوزخ اُن سب کی وعدہ گاہ ہے تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بے اختیار چیخ ماری اور ایسی بیخودی اُنپر طاری ہوئی کہ ایک جگہ نہ بیٹھ سکے اور تین دن تک حیران و پریشان جنگلوں میں پھرتے رہے عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز سورہ اذا الشمس کورت پڑھی جب واذا الصحف نشرت پر پہونچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ایک روز عمر رضی اللہ عنہ کسی صاحب کی ملاقات کو گئے وہ نماز پڑھ رہے تھے آپ وہاں ٹھہر گئے جب انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ ان عذاب ربک لواقع ما لہ من دافع جس کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً تمہارے رب کا عذاب ہونیوالا ہے اسکو کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ تو آپ سواری سے اترکر دیوار کے سہارے سے کھڑے ہو گئے اور بہت دیر کے بعد اپنے مکان کو

واپس آئے اور اس کا صدمہ آپ کے دل پر اس قدر ہوا کہ ایک مہینہ بیمار رہے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ آپکے رخسار ونپر آنسووں کے بہنے سے دو سیاہ خط محسوس ہوتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ قرآن کی کوئی آیت سنکر بیہوش ہو جاتے اور کئی روز تک ایسے بیمار رہتے کہ لوگ عیادت کو آتے۔ لکھا ہے کہ ایک روز یحییٰ بکا کی مجلس میں کسی نے یہ آیت پڑھی۔ ولو تری اذ وقفوا علی ربہم تو وہ چیخ مار کر گر گئے۔ اور چار مہینے تک بیمار رہے ایک روز علی کرم اللہ وجہہ نے کمال افسوس سے فرمایا کہ صحابہ کی یہ حالت تھی کہ رات بھر وہ قیام اور سجود اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے اور اتنا روتے کہ آنسوؤں سے اُنکے کپڑے تر ہو جاتے اور اب ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ رات غفلت میں گذر دیتے ہیں اِسکے بعد آپکو کسی نے ہنستے نہیں دیکھا اُس وقت تک کہ شہید ہوئے انتہیٰ احیاء العلوم میں اِسکے سوا اور بہت سے خائفین کے واقعات مذکور ہیں۔

ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں منصور بن المعتمر کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ چالیس سال تک وہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے اور روتے رہتے انتہیٰ اور امام اوزاعی رح کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ راتیں نماز اور تلاوت قرآن اور گریہ وزاری میں بسر کرتے اور یحییٰ ابن سعید قطان کے حال میں لکھا ہے کہ ایک روز کسی نے سورۂ دخان اُنکے روبرو پڑھی وہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئے۔ عبد اللہ ابن وہب کے حال میں لکھا ہے کہ انہوں نے جو کتاب احوال قیامت میں لکھی تھی۔

ایک روز اُن کے رو برو پڑھی گئی وہ بیہوش ہو گئے اور وہی حالت مستمر رہی
یہاں تک کہ چند روز میں انتقال ہو گیا اور اُس وقت تک کوئی بات نہ کر سکے

امام ترمذی رح کے حال میں لکھا ہے کہ کثرت گریہ وزاری سے اُن کی
بصارت جاتی رہی تھی۔

تہذیب التہذیب میں شیخ الاسلام ابن حجر رح نے لکھا ہے کہ زرارہ ابن
ابی اوفی رض نے ایک بار نماز پڑھائی جب اس آیت پر پہنچے فاذا نقر
فی الناقور تو ایک چیخ ماری اور جاں بحق ہو گئے۔ امام نووی رح نے کتاب التبیان
فی آداب حملۃ القرآن میں لکھا ہے کہ سلف کی کئی جماعتوں کا قرأت قرآن
سے بیہوش ہونا اور مر جانا ثابت ہے۔ اب امام صاحب کے خوف و خشیت کا
حال سنئے۔

ک۔ یحیی ابن سعید قطان کہتے ہیں کہ ہم ابو حنیفہ کے پاس بیٹھے اور اُنسے
سُنے اور جب کبھی اُن کے چہرہ کی طرف دیکھتے تو صاف معلوم ہوتا
کہ اُنکو خوف خدا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

خ۔ وکیع رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ بڑے امانت دار شخص تھے اُنکے
دل میں خدائے تعالی کی بڑی عظمت تھی۔

ح۔ یحیی قطان کہتے ہیں کہ اگر کوئی ابو حنیفہ رح کا چہرہ دیکھ لیتا تو اسکو صاف
معلوم ہوتا کہ خدائے تعالی کا اُن کو خوف ہے یعنی شدت خوف الہی آپکے
چہرہ سے نمایاں تھے۔

ص۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ جب میں ابو حنیفہ رح کو دیکھا تو یہی دیکھا کہ

آثار گریہ اُن کی آنکھوں اور رخساروں سے ظاہر تھے۔

س ح مفضل ابن الحسن رح کہتے ہیں کہ میں نے ایک تابعین کی جماعت کو دیکھا اور اُنکے سوا بہتوں کو دیکھا مگر ابو حنیفہ سے بہتر نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا نماز سے پہلے اُنپر ایک ایسی حالت طاری ہوتی کہ بے اختیار روتے اور وہ آثار جنمیں سے دیکھنے والوں کو انکے خوف الٰہی کا اس قدر یقین ہوتا تھا کہ وہ اسپر قسم کہا سکیں۔

س ح امام صاحب کے رونے کی یہ کیفیت تھی کہ جب آنسو بوریے پر ٹپکنے لگتے تو بارش کے قطروں کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔

س ت ح مفضل ابن صدقہ کہتے ہیں کہ تہجد میں امام صاحب کے رونے کی آواز اتنی بلند ہوجاتی کہ محلہ والے سنکر رحم کرنے اور کڑھنے لگتے ایک رات نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعۃ موعدہم والساعۃ ادھی وامر جس میں قیامت کی سختیوں کا ذکر ہے اُسکو رات بھر دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی امام صاحب کا معمول تھا کہ ہر رات ایک قرآن نماز میں ختم کیا کرتے تھے مگر اصحاب قلوب اور ارباب احوال جانتے ہیں کہ جب کوئی خاص حالت دل پر طاری ہوتی ہے تو ممکن نہیں کہ اُس وقت کسی دوسرے مضمون کی طرف توجہ ہوسکے چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ان تعذبہم فانہم عبادک اور صبح تک اسی کو مکرر فرماتے رہے۔ ذکرہ المروزی بحوالی النسیان

اسی طرح امام صاحب بھی کبھی کبھی مقتضائے غلبۂ حال صبح تک ایک ہی آیت
کی تکرار کرتے رہتے کیونکہ یہ تو مقصود تھا ہی نہیں کہ کسی طرح شب میں قرآن
پڑھ لیا اور بے فکر ہو گئے۔ وہاں تو تدبر معنی اور عبادت مقصود تھی جس کا منشا
خوف الٰہی تھا۔

ص ح ت۔ یزید ابن لیث صاحب کہتے ہیں کہ ایک روز امام نے عشاء میں
سورۂ اذا زلزلت پڑھی اور ابو حنیفہؒ بھی جماعت میں شریک تھے نماز کے
بعد دیکھا کہ ان پر فکر کے آثار نمایاں اور حالت متغیر ہے میں چلا گیا جب صبح
کے قریب آکر دیکھا تو کھڑے ہیں۔ اور داڑھی ہاتھ میں لئے ہوئے کہہ رہے
ہیں۔ یا من یجزی بمثقال ذرۃ خیر خیرا ویا من یجزی بمثقال ذرۃ شر شرا
اجر النعمان عبدک من النار وما یقرب منہا وادخلہ فی سعۃ رحمتک۔ اس سے
تو معلوم ہوتا ہے کہ اس رات آپ نے یہی پڑھ پڑھ کے اور تضرع اور زاری
میں رات بسر کر دی۔ غرضکہ خوف الٰہی کے آثار بہت تھے۔ ہم بھی ظاہر
کرتے ہیں:

WWW.NAFSEISLAM.COM

ادنیٰ تامل سے بیان معلوم ہو سکتا ہے کہ خوف الٰہی ایک نعمت عظمیٰ ہے
جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ احیاء العلوم اور رسالہ قشیریہ سے نقل
کیا ہے کہ امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خدائے عزوجل سے
سوال کیا کہ میرے دل پر خوف کا دروازہ کھول دیا جائے چنانچہ وہ دعا
منظور ہوئی۔ اور خوف الٰہی میرے دل پر مسلط ہوا کہ قریب تھا کہ عقل
جاتی رہے۔ میں نے فوراً دعا کی کہ الٰہی اسی قدر دیجیو کہ میں متحمل ہو سکوں

اُس کے بعد وہ حالت نہ رہی اور دل کو تسکین ہوئی دیکھئے اکابر دین دعائیں کر کے
خوف الٰہی حاصل کرتے اور اپنے میں صلاحیت پیدا کرنے کی دعا
کرتے تھے حق تعالیٰ نے یہ خوف امام صاحب کو عنایت فرمایا تھا کہ تمام رات
خوف الٰہی مسلط ہے رات بھر گریہ و زاری اور تضرع و ابتہال اور دن بھر
اشاعت علم اور خدمت دین جس میں محض امتثال الٰہی مقصود ہے۔

حضرت مسعر رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو دیکھا کہ نماز صبح پڑھ کر
بیٹھ گئے اور ظہر کے قریب تک تدریس و تعلیم میں مشغول رہے پھر ظہر پڑھ کر
عصر تک پھر عصر کے بعد مغرب کے قریب تک پھر مغرب کے بعد عشا تک
تدریس و تعلیم میں مشغول رہے میں نے دل میں کہا کہ اتنی خدمت علم کے
بعد عبادت کے لئے کب فرصت ہوتی ہوگی۔ دیکھیں رات میں اُن کی کیا حالت رہتی ہے
دیکھا کہ جب لوگوں کی آمد و رفت موقوف ہو گئی تو طہارت کر کے لباس فاخرہ
پہن کے مسجد گئے اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے
اور صبح تک نماز پڑھتے رہے پھر مکان جا کر معمولی لباس پہن کے صبح کی نماز
کے لئے گئے اور اسی طرح دن بھر تدریس و تعلیم میں مشغول رہے میں
نے خیال کیا کہ شاید اتفاقی طور پر حالت نشاط میں یہ سب کیا ہوگا دیکھیں آج
کی رات کیا حالت رہتی ہے وہ رات بھی انہوں نے نماز ہی میں گزاری۔
میں نے خیال کیا کہ شاید وہ بھی اتفاقی ہو تیسری رات بھی وہیں گزاری غرضکہ
تین دن اور تین راتیں متصل اُن کو دیکھا کیا کہ نہ دن کو افطار ہے نہ رات کو
نیند صرف ظہر کے پیشتر کسی قدر قیلولہ کر لیتے تھے اُس وقت میں نے اپنے دل میں

جزم کر لیا کہ جب تک اپنی یا اُن کی زندگی ہے اُن کی صحبت سے جدا نہ ہوگا۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسعر رح کا انتقال امام صاحب ہی کی مسجد میں عین سجدہ
کی حالت میں ہوا تھا۔ اور اسی قسم کی روایت شریک رح سے بھی نقل کی
ہے۔ دیکھئے یہ ہیں خوف الٰہی کے آثار کہ دن رات میں سوائے طاعت
و عبادت کے ہوا و ہوس کا دل میں گذر ہی نہیں۔

الخیرات الحسان وغیرہ میں لکھا ہے کہ ایک روز امام صاحب کا پاؤں کسی لڑکے
کے پاؤں پر پڑ گیا اُس نے کہا اے شیخ کیا تم کو خوف نہیں کہ قیامت کے روز
قصاص ہوگا۔ یہ سنتے ہی آپ بیہوش ہو گئے۔ افاقہ کے بعد کسی نے پوچھا
کہ اس لڑکے کی بات کا آپ پر بڑا ہی اثر ہوا فرمایا کہ مجھے خوف ہوا کہ اس کو
کو غیب سے تلقین ہوئی ہے کیونکہ وہ بات اُسکے حوصلہ سے بڑھی ہوئی
تھی۔ حاصل یہ کہ جس کے دل میں اس قسم کا خوف الٰہی ہوتا ہے اُسکے آثار کچھ
نرالے ہوتے ہیں بات بات میں نیا سامان پیش آتا ہے اسوجہ سے ممکن
نہیں کہ وہ تمام دقائق دیانت و امانت کو عمل میں لائے بغیر رہ سکے یہ چند واقعات
طور مشتے نمونہ از خروارے لکھے گئے اہل دانش اسپر قیاس کر سکتے ہیں
کہ جسکو اس قدر خوف خدا ہو دینی مسائل میں وہ کس قدر احتیاط کرتے ہونگے
امام صاحب کے شدت خوف الٰہی پر دلیل قوی اُن کی کثرت طاعت
و عبادت ہے اسلئے کہ اُس کا منشا یا خوف الٰہی ہوگا یا محبت و شوق اور
جسمیں دونوں باتیں نہ ہوں وہ اُسکو فضول سمجھیگا۔ یہ بات کہ امام صاحب
کی عبادت از قسم عادت تھی یہ بھی معلوم ہوئی کہ اُن کے رات دن کی

عبادت میں گزرے تھے اور الخیرات الحسان میں امام ذہبی سے کا قول نقل

کیا ہے۔ تواتر قیام اللیل وتہجدہ وتعبدہ ومن ثم کان یسمی الوتد من کثرۃ قیام

اللیل بل احیاہ بقراءۃ القرآن فی رکعۃ ثلثین سنۃ وحفظ عنہ انہ صلی صلوۃ الفجر

بوضوء العشاء اربعین سنۃ وکان عامۃ اللیل یقرأ جمیع القرآن فی رکعۃ واحدۃ

ویسمع بکاؤہ باللیل حتی یرحمہ جیرانہ وحفظ عنہ انہ ختم القرآن فی الموضع الذی توفی فیہ

سبعۃ الاف مرۃ الخ۔ امام ذہبی نے جو فن رجال میں محقق اور صاحب تصانیف

کثیرہ ہیں لکھتے ہیں کہ یہ بات تواتر ثابت ہوئی ہے کہ ابوحنیفہ رہ کثرت

عبادت اور تہجد وقیام اللیل کی وجہ سے لوگ وتد یعنی میخ کہتے تھے اسلئے

کہ ان کو ہمیشہ ہی۔ تیس برس تک وہ تہجد کی ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے

یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ چالیس سال تک انہوں نے عشاء

کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک رکعت میں سالم

قرآن پڑھتے اور رات کو اس قدر روتے کہ ہمسایہ والے ان پر

رحم کرتے۔ انتہی۔ اور الانتصار میں لکھا ہے کہ اس روایت کو خطیب بغدادی

نے بھی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

ت۔ اسد ابن عمر کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے چالیس برس عشاء کے وضو سے

صبح کی نماز پڑھی۔

خ حص۔ ابوالاحوص فرماتے ہیں کہ اگر ابوحنیفہ سے کہا جاتا کہ تم تین

دن میں مرجاؤ گے تو ان سے یہ نہ ہوسکتا کہ عمل میں کچھ زیادتی کریں اسلئے کہ

جتنے اوقات تھے سب عبادت سے معمور رہتے تھے۔

ص ت۔ ابوالجویریہ اور شریک کا قول مختلف ذرائع سے نقل کیا ہے جس میں ایک روایت خطیب بغدادی سے بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حماد بن ابی سلیمان اور علقمہ اور مرثد اور محارب اور ابن وثار اور عون ابن عبداللہ اور سلمہ ابن کہیل اور عطار اور طاؤس اور سعید ابن جبیر رحمہم اللہ کی بھی صحبت میں رہے اور ابوحنیفہ رحہ کی بھی صحبت میں رہے مگر جو رات ابوحنیفہ کی تھی یعنی شب بیداری اور گریہ وزاری وغیرہ وہ کسی کو حاصل نہ تھی۔" یہ حضرات اکابر تابعین میں علمائے تھے اب اس سے زیادہ عبادت کیا ہوگی۔

ص علی ابن یزید صدائی کہتے ہیں کہ میں نے رمضان میں ابوحنیفہ رہ کو دیکھا کہ ساٹ قرآن انہوں نے ختم کئے ہر روز دو قرآن ختم کرتے ایک دن میں اور ایک رات میں اور سفیان ابن عیینہ سے بھی یہی مروی ہے۔

ص۔ احمد ابن بشر اور حفص ابن غیاث کہتے ہیں کہ ہم نے جس عابد کو دیکھا حلال وحرام کے باب میں اسکو ناقص پایا اور جس فقیہ کو دیکھا عبادت میں اسکو کم رغبت پایا بخلاف ابوحنیفہ رہ کے کہ حق تعالیٰ نے دونوں صفتیں انہیں کامل دی تھیں۔

م ص۔ اسحٰق بن بہلول کہتے ہیں کہ ابو حمزہ ابوحنیفہ رہ کا ذکر نہایت عمدگی سے کر کے کہا کرتے تھے کہ باوجود اشتغال علم کے اُنسے عبادت اس قدر کیونکر ہو سکتی ہے۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنی وغیرہ امور جو امام صاحب کی

ریاضات اور تقویٰ سے متعلق لکھے گئے ہیں صرف سہانے اور افسانے ہیں یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ اُن سے کسی شرف پر استدلال ہو سکتا ہے اِسکے لئے ایسی سند درکار ہے کہ جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

معلوم نہیں مولوی صاحب نے اس باب میں اس قدر تشدد کیوں فرمایا۔ شاید یہ خیال ہوا ہے کہ اگر یہ امور ثابت ہو جائیں تو ہمیں بھی یہ سب کام کرنے پڑیں گے اور محال ہے کہ ایسا ایک کام بھی ہم سے ہو سکے اس خیال پر یہ قرینہ ہے کہ مولوی صاحب نے صدہا روایتیں اُس کتاب میں نقل کر دیں اور کبھی کسی کی سند کا نام تک نہیں لیا۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں اسلئے کہ کثرت عبادت اور تقویٰ کا مدار خوف الٰہی پر ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ خوف ایک کیفیت قلبیہ کا نام ہے جس کی وجہ سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو عموماً ہر کسی سے نہیں ہوتے اور جس قدر خوف زیادہ ہو گا اُسکے آثار بھی زیادہ ہونگے۔ کون نہیں جانتا کہ زردی رنگ اور پر خاشگی خاطر اور بیتابی وغیرہ خوف کے لوازم ہیں بعضے وقت خائف شخص سے ایسے حرکات صادر ہوتے ہیں جو دیکھنے والے اسکو احمق بلکہ دیوانہ کہتے ہیں مثلاً قوی دشمن کسی کا تعقب کرے تو کیسا ہی عقلمند ہو اُس سے بھاگے گا اور بلا تامل کسی کے گھر بلکہ زنانہ میں گھس جائیگا۔ اس خلاف وضع وعادت حرکت کو دیکھنے والے جو اصل سبب سے ناواقف ہوں یہی خیال کریں گے کہ اُسکے دماغ میں فتور آگیا ہے۔ اب غور کیجئے کہ جب مخلوق کے خوف

اس قسم کی حالتیں طاری ہوں تو جس کے دل پر خوف خدا کامل طور پر ہو اُس کا کیا حال ہوگا۔ رہی یہ بات کہ ہم میں اس قدر خوف نہیں اور نہ کوئی ایسا آدمی دیکھا جاتا ہے سو یہ دوسری بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ خوف الٰہی کا مدار ایمان پر ہے اور ایمان و یقین ایک ایسی وسیع کیفیت ہے کہ اسکے مدارج بے انتہا ہیں پہلا درجہ اُس کا یہ ہے کہ سال میں ایک مہینہ ایک وقت کا کھانا اور ہر روز پانچ وقت تمام کار و بار کو چھڑا دیتا ہے۔ اُسکے بعد بحسب مدارج ایک ایک چیز چھوٹتی جاتی ہے۔ مثلاً گناہوں کی برائیوں اور اُن کی سزاؤں کا یقین کامل ہو اور دار و گیر محکمۂ آخرت اور قید خانہ جہنم پیش نظر ہو تو تقریباً کل گناہ چھوٹ جائینگے اور خود بخود طبیعت میں یہ احتیاط پیدا ہو جائیگی کہ ادنیٰ ادنیٰ شبہ سے بہت سارے مباحوں کا ترک کر دینا آسان ہو جائیگا۔ اور حدیث شریف دع ما یریبک الی ما لا یریبک وغیرہ پر عمل ہونے لگے گا۔ غرضکہ کامل الایمان اور بے ایمان شخص کے اعمال افعال حرکات و سکنات میں جو تفاوت ہوگا محتاج بیان نہیں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ملحد گرسنہ در خانۂ خالی بر خوان　　عقل باور نکند کز رمضان اندیشد

ملحد سے ہزار کہیے کہ بھائی رمضان میں دن کو کھانے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے خدا کا غضب اُترتا ہے وہ کبھی نہ مانے گا۔ بخلاف اِسکے اُسی سفر پر جاہل سے جاہل مسلمان کو بٹھا دیجئے اور ترغیبیں بھی دیجئے کہ ہر نوالہ پر ہم کچھ انعام بھی دینگے تو بھی وہ اُس کی طرف توجہ نہ کرے گا بشرطیکہ نئی روشنی کی جھلک اُس پر نہ پڑی ہو۔ جب ہم جاہل مسلمانوں میں اس قدر خوف خدا پاتے ہیں

توجنکو سچے مسلمانوں کے اکابر نے صرف اُن صفات کی وجہ سے جو دین میں محمود ہیں اپنا مقتدا بنا لیا تھا اُنکے خوف وخشیت کا کیا حال ہوگا۔ اسکو ہر قوم وملّت والا تسلیم کرے گا کہ ہر ملّت و دین میں وہی لوگ مقتدا مانے جاتے ہیں جو اُس ملت کے ضروریات اور مستحسنات کو ادا کرنے میں اوروں سے ممتاز ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں وہی لوگ بزرگ اور مقتدا تسلیم کئے گئے ہیں جن میں خوف خدا و تقویٰ وغیرہ صفات حمیدیہ تھے جیسا کہ کتب سیر و تراجم اور تذکروں وغیرہ سے ظاہر ہے اور تواتر اور خود مولوی صاحب کے بیان سے بھی ثابت ہے کہ امام صاحب کو اکابرین نے امام و مقتدا تسلیم کر لیا تھا تو اب بمقتضاے درایت اجمالی طور پر ماننا پڑیگا کہ امام صاحب میں خوف خدا اور تقوی وغیرہ صفات حمیدیہ کا وجود کامل طور پر تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے اقران و امثال میں ممتاز اور امام تھے اور اس اجمال کی تفصیل میں وہی واقعات پیش ہونگے جو تواریخ وغیرہ میں مذکور ہیں یہ بات بالکل مطابق عقل ہے کہ جب تک کسی کے تقدس کا اثر دل پر مسلّط نہ ہو آدمی اُس کو اپنا امام نہیں بناتا۔ یہ واقعہ مشہور ہے کہ ہارون رشید جب حج کو گیا تو حجر اسود کو بوسہ دینے میں بڑی زحمت اسکو اٹھانی پڑی اور اُسی عرصہ میں حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ جب تشریف لائے تو بلا زحمت حجر اسود تک پہونچگئے۔ ہارون رشید نے آپ سے اسکی وجہ دریافت کی تو فرمایا تم ائمۃ الاجسام ہو اور ہم ائمۃ القلوب ہیں دیکھئے آپ کے تقدس کا اثر تھا کہ خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں مسلمانوں نے انکو

اپنا امام تسلیم کر لیا۔

اب غور کیجئے کہ محدثین اور اولیاء اللہ کے اکابر شیبن مثل داؤد طائی اور شقیق بلخی اور فضیل ابن عیاض رضی اللہ عنہم نے جب آپ کو مقتدا اور امام تسلیم کر لیا تھا تو آپ میں تقوے وغیرہ کا کس قدر رسوخ و وثوق ہوگا۔ ان قرائن پر غور کرنے کے بعد درایت سے کام لیا جائے تو وہ اسی بات پر گواہی دیگی کہ جتنے واقعات امام صاحب کی عبادت اور تقوی وغیرہ سے متعلق مورخین نے لکھے ہیں سب واقعی اور بلا مبالغہ ہیں اور اُن میں خوش اعتقادی کو اگر دخل ہے تو اس قدر ہے کہ اُن واقعات کے اظہار پر اُسنے مورخین کو مجبور کیا تھا اگر یہ خوش اعتقاد حضرات بیلی کی طرح قلم انداز ہو جاتے تو ہمیں اپنے امام کی اُن حالتوں پر اطلاع ہی نہ ہوتی جنہوں نے اُن کو اسلام کے عین شباب کے زمانہ میں امام بنا دیا در اصل یہی مورخین کی تصانیف کے باعث رونق ہوے ورنہ اگر ان خصوصیات کو ترک کر کے معمولی باتیں لکھدیتے کہ امام صاحب ایک مولوی اور مجتہد تھے لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے فتوے دیا کرتے تھے تو اُن کی کتابوں کو کون دیکھتا بلکہ خود اُن کو لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

مولوی صاحب نے ان واقعات کو مبالغے اور افسانے قرار دیکر مصنفین پر جو حملہ کیا ہے کہ (لطف یہ ہے کہ ہمارے مورخین انہیں دوراز کار قصوں کو امام صاحب کے کمالات کا جوہر سمجھتے تھے) یہ انقلاب زمانہ کی تاثیر ہے کہ بارہ سو برس سے جو امور مسلمانوں میں کمالات کے

بدہر سمجھی جاتی تھے اس زمانہ میں باعث توہین ہو رہے ہیں کیوں نہ ہو یہ وہ زمانہ ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں کو اپنے فرائض دینی ادا کرنے میں گورنمنٹ کی طرف سے آزادی ہے مگر اس زمانہ کے مسلمانوں سے اُن کو آزادی نہیں ملسکتی اسی کو دیکھ لیجئے کہ ان مسلمانوں کی مجلس میں کوئی پُرانی فیشن والا مسلمان نماز و روزہ وغیرہ ادا کرے تو اُس کی کیسی گت بنائی جاتی ہے اور کیسی کیسی پھبتیاں اُس پر اڑتی ہیں کہ مارے شرم کے بیچارہ سر نہ اٹھا سکے۔

حنفیوں کو مولوی شبلی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ امام صاحب کے علم و ذکاوت کو اصول درایت اور اصول تاریخ کے شکنجہ میں نہیں کھینچا ورنہ اس کا بھی خاتمہ ہو گیا ہوتا کیونکہ آج کل درایت زوروں پر ہے۔ کسی بات کا خیال آنے کی دیر ہے اُدہر خیال آیا اور ادہر ذہن نے کاٹنا شروع کر دیں اور کسی بات کا سر اور کسی بات کا پاؤں چسپاں کر کے ایک ایسی تصویر پیش کر دی کہ کسی کے حاشیہ خیال میں نہ ہو جس طرح فوٹو میں دستکاریاں کی جاتی ہیں اور مصنوعی ایسا فوٹو تیار کیا جاتا ہے کہ جس کا فوٹو ہو وہ بھی حیران رہجائے۔ حکی عنہ سے حکایت کو کوئی تعلق نہیں صرف چہرہ تو اُسی شخص کا ہوتا ہے اور باقی اعضا اور لباس وضع ترکیب جسکی چاہیں اُس کی چسپاں کر کے کسی شہادت میں پیش کر دیں۔

اب امام صاحب کے ورع کا حال سُنیئے

یہ بات ظاہر ہے کہ جس کو خوف الٰہی ہوگا وہ متورع اور پرہیزگار ضرور ہوگا اور امام صاحب کے خوف و خشیت کا حال اکابر محدثین کی گواہیوں سے

ابھی ثابت ہوا اسلئے جداگانہ اُن کے ورع کا حال بیان کرنیکی ضرورت نہ تھی. مگر چونکہ محدثین نے اُنکو خاص طور پر بیان کیا ہے اسلئے ان حضرات کی تقلید کر کے ہم بھی چند روایات اور واقعات لکھتے ہیں.

م ص ک. یحییٰ ابن معین سے کسی نے پوچھا کیا ابوحنیفہ سچے تھے کہا ہاں ثقہ تھے ثقہ تھے مکرر توثیق کر کے کہا خدا کی قسم اُن کا اعتبار اس سے بلند تھا کہ وہ جھوٹ کہتے ورع میں وہ سب سے زیادہ تھے اور کہا کہ جنکو ابن مبارک اور وکیع نے عمل کیا اُنکو تم کیا گمان کرتے ہو.

م ص ک ت. عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ جب میں کوفہ میں گیا اور لوگوں نے پوچھا کہ یہاں کے علماء میں اعلم کون ہیں کہا ابوحنیفہ پھر پوچھا زہد میں سب سے زیادہ کون ہیں کہا ابوحنیفہ پھر پوچھا ورع اور پارسائی میں سب سے زیادہ کون ہیں کہا ابوحنیفہ.

م ص ک ت. مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں کوفہ کے تمام علماء کیساتھ بیٹھا مگر ابوحنیفہ سے اورع کسی کو نہیں دیکھا. تہذیب الکمال میں بھی یہ روایت ذکر کیا ہے.

م ص ک. ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے زمانہ میں کوئی اونسے [illegible] اور اورع اور افضل کوفہ میں نہ تھا.

م. خیر رح کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ صوام قوام ورع زاہد اور فقیہ تھے اکثر لوگوں نے یہی الفاظ عامر رح سے نقل کیے ہیں.

م ص ک. ابو شیخ کہتے ہیں کہ نوسال اونکی ہمنشینی میں رہا ابوحنیفہ [illegible]

سنا اس مدت میں کوئی بات اُنسے ایسی نہیں دیکھی جو قابل انکار ہو وہ صاحب
ورع و صلوٰۃ و صدقہ و مواساۃ تھے۔

م ص ک۔ یحییٰ ابن معروف کہتے ہیں کہ جس نے ابوحنیفہ کو دیکھا
اُسکو یہ بات معلوم ہوئی کہ اعلیٰ درجہ کے فقیہ اور صاحب معرفت اور ورع
کیسے ہوا کرتے ہیں اور اُن کو دیکھنے والے پر یہ ثابت ہو جاتا تھا
کہ وہ خدا ہی کیلئے مخلوق ہیں۔

م ص ک۔ ابو حنیفہ کا ذکر امام احمد ابن حنبل کی مجلس میں آیا تو انہوں
نے کہا بیشک وہ صاحب ورع تھے انکو کوڑے خدمت قضا قبول
کرنے کیلئے انکو مارے گئے مگر وہ انکار ہی کرتے رہے۔

م ص ک۔ ابن مبارک سے مروی ہے کہ ابن جریج رح کہتے تھے
کہ مجھے نعمان بن ثابت اہل کوفہ کے حالات معلوم ہوئے ہیں کہ وہ شدید الورع
تھے اپنے دین اور علم کی حفاظت کرتے تھے اہل آخرت کے مقابلہ میں
اہل دنیا کو ترجیح نہیں دیتے تھے میں گمان کرتا ہوں کہ قریب میں انکے
علم کی عجیب شان ہوگی۔

م ص ل۔ عبدالوہاب ابن ہمام کہتے ہیں کہ جتنے مشایخ مدائن طلب حدیث
کیلئے کوفہ گئے تھے وہ باتفاق کہتے تھے کہ ابوحنیفہ کے زمانہ
میں اُنسے افقہ اور اورع کوفہ میں ہم نے نہیں دیکھا۔

ک۔ عبدالرزاق ابن ہمام کہتے ہیں کہ جتنے ہمارے شیوخ طلب علم
کیلئے کوفہ گئے تھے سب کا یہی قول تھا کہ ابوحنیفہ رح کے زمانہ میں

اُنسے افقہ اور اورع ہم نے کوفہ میں نہیں دیکھا۔

م ص ک۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ مجھے بہت سارے علماء سے ملاقات ہے مگر ابو حنیفہ سے افضل اور اورع میں نے نہیں دیکھا۔

م ص ک۔ ابراہیم ابن عکرمہ مخزومی کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے افقہ اور اورع نہیں دیکھا۔

م ص ک۔ عمر ابن ذر رح کہتے ہیں کہ جس موقع میں ہم ابو حنیفہ رح کیساتھ اگئے دیکھا کہ وہاں کے علماء پر فقہ اور علم اور ورع میں ابو حنیفہ ہی غالب تھے

م ص ک۔ ابو بردہ کندی رح کہتے ہیں کہ میں حماد ابن ابی سلیمان اور علقمہ اور عبد الرحمن اودی اور طلق ابن معاویہ اور نخعی اور عبد الرحمن ابن عباس رض کی صحبت میں رہا مگر ان میں کسی کو ابو حنیفہ رح سے اورع نہیں پایا۔

م ص ک۔ وکیع رح کہتے ہیں کہ حدیث کے باب میں ابو حنیفہ رح کو جس قدر ورع تھا کسی میں نہیں پایا گیا۔

الانتصار میں سبط ابن جوزی رح نے حافظ ابو بکر محمد ابن عمر ابن محمد بن سیرۃ الجعابی کی کتاب الانتصار لمذہب ابی حنیفہ سے نقل کیا ہے قال

اخبرنی علی ابن الحسین عن ابیہ قال سئل یحیٰی ابن معین عن الرجل یحدث الحدیث

لا یحفظہ یحدث بہ فقال کان ابو حنیفہ یقول لا یحدث الا بما یعرف و یحفظ یعنی ابن معین رح سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص حدیث روایت کرے اور اسکو وہ حفظ نہ ہو تو جائز ہے یا نہیں کہا ابو حنیفہ رح کہتے تھے کہ وہی حدیث روایت کرنی چاہئے جس کو اچھی طرح جانتا اور یاد رکھتا ہو۔

یہاں دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ امام صاحب کے مذہب کی تائید میں قدما میں بھی حافظ جعابی رح نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جسکا نام الاستغنا لمذہب ابی حنیفہ کہا ہے اور دوسری یہ کہ یحیی ابن معین جیسے جلیل القدر محدث نے جنپر جرح و تعدیل کا گویا مدار ہے امام صاحب کے قول پر استدلال کیا اور اسپر فتوے دیا۔

م ص ک - ابو غسان مالک ابن اسمٰعیل کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جن جن حضرات کی طرف ورع کی نسبت کی گئی اور وہ ورع مشہور تھے اون میں ابو حنیفہ رح سے اورع کوئی نہ تھا۔

م ص - حفص ابن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں اقسام کے علما یعنی فقہا زہاد نساک عباد اور اہل ورع کے ساتھ بیٹھا مگر سوائے ابو حنیفہ کے کسی کو ان صفات کا جامع نہ پایا۔

م ص - عطار ابن جبلہ رح کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح کے افقہ اور اورع اور اعبد الناس ہونے میں کسی عالم کو اختلاف کرتے نہیں دیکھا۔

م ص - ابو حمزہ سکری رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح کے زمانہ میں کوئی شخص اُنسے اورع نہیں سمجھا گیا۔

م ص ک ح - ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ میں نے ورع میں ابو حنیفہ سے بڑھا ہوا شخص نہیں دیکھا اُنکے ورع کی آزمایش کوڑوں اور اموال سے ہو گئی۔ یعنی باوجودیکہ خدمت قضا قبول کرنے کے لئے کوڑے لگائے گئے۔ مگر اُن کو لغزش نہ ہوئی اور مالی امور میں تجربہ ہو گیا کہ ادنیٰ

ادنیٰ شبہ سے احتیاط کرتے اور مال لٹا دیتے تھے۔

م ص ک ۔ شداد بن حکیم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح سے اورع کوئی نہ تھا

ک ۔ عمرو بن صالح کا قول ہے کہ علم اور ورع میں ابو حنیفہ رح کا مثل نہیں دیکھا گیا۔

ص ک ح ت ۔ یزید ابن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر خدا کی قسم ابو حنیفہ سے اورع نہیں دیکھا۔

م ک ۔ عیسیٰ ابن یونس رح قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ میں نے ابو حنیفہ سے اتقہ اور اورع نہیں دیکھا۔

م ص ح ۔ حسن ابن صالح کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ شدید الورع اور نہایت پرہیزگار شخص تھے حرام کی ان پر اتنی ہیبت تھی کہ بہت سارے حلال چیزوں کو انہوں نے شبہ سے چھوڑ دیا تھا کسی فقیہ کو ان سے زیادہ صیانت نفس اور علم کرتے میں نے نہیں دیکھا۔

م ک ح ۔ ایک بار کوفہ میں ایک مغصوبہ بکری کی بکریوں میں مل گئی آپ نے پوچھا کہ بکری کی عمر کتنی ہوتی ہے۔ کہا گیا سات سال۔ آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت ترک کر دیا۔

م ص ک ۔ ابو داؤد مصری کا قول ہے کہ ابو حنیفہ ایسی چیزوں سے ورع اور پرہیزگاری کرتے تھے جنکے حلال ہونے میں شک نہیں تو خیال کیا جائے کہ حرام سے ان کو کس قدر احتراز ہو گا۔

م ص ک ح ت ۔ تاریخ بغداد میں خطیب رح نے لکھا ہے کہ

حفص بن عبدالرحمٰن جو تجارت میں امام صاحب کے شریک تھے اُنکے پاس آپ نے پارچہ بھیجا اور یہ اطلاع دی کہ فلاں تھان میں عیب ہے بیچتے وقت مشتری کو اُسپر مطلع کر دینا۔ مگر اتفاقاً حفص بھول گئے جب حساب پیش ہوا امام صاحب نے اُس تھان کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ میں بھول گیا سب تھانوں کے ساتھ اُسکو بھی بیچ ڈالا یہ سنتے ہی امام صاحب اپنے حصے کے پورے روپے فقیروں کو دیدیئے کہ جب کہ میرے اور روپے جو اُس تھان کی قیمت اُن میں مخلوط ہو گئی تھی تہذیب الکمال میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

عہدہ قضا۔ جب منصور نے امام صاحب کو خدمت قضا کے لئے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ مجھ میں اس خدمت کی صلاحیت نہیں یہ تو میں جانتا ہوں کہ میری شخصی کنارہ کشی کے تو سبب اور منکر قبول ہے۔ لیکن اس خدمت کے لئے ایسا شخص چاہیے کہ آپ پر اور آپ کی اولاد اور عہدہ داران پر بھی حکم کر سکے اور میرے نفس کی یہ حالت ہے کہ جب آپ مجھ کو بلاتے ہیں تو وہ میرے اختیار میں نہیں رہتا جبتک آپ سے جدا نہ ہوں۔ منصور نے کہا ہم جو صلے اور عطیات دیتے ہیں وہ کیوں نہیں قبول کرتے۔ کیا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے مال سے مجھ کو کچھ دیا ہو اور میں نے قبول نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا میں ضرور قبول کرتا آپ نے بیت المال کا روپیہ مجھے دیا جس میں میرا کوئی حق نہیں نہ میں سپاہی ہوں کہ جنگ پر جاؤں نہ اُن کی اولاد میں ہوں کہ

گھر بیٹھے کھاؤں اور نہ فقیروں میں ہوں۔ غرضکہ آپ نے نہ خدمت قبول کی

نہ خزانہ شاہی کا روپیہ لیا۔

ص ک ۔ تاریخ خطیب بغدادی میں یوسف ابن خالد السمتی سے مروی

ہے کہ ایک بار ابوجعفر منصور نے تیس ہزار درہم ابوحنیفہ رح کو بطور ہدیہ

بھیجے آپ نے کہا اے امیرالمومنین میں بغداد میں مسافر ہوں کوئی جگہ

ایسی نہیں جہاں اُن کی حفاظت کروں اسلئے بیت المال ہی میں رکھنے کا

حکم دیا جائے چنانچہ امام صاحب کے انتقال تک وہ بیت المال کے

امانت میں رہے اُسکے بعد جب منصور کو اطلاع ہوئی تو کہا ابوحنیفہ

نے ہمیں دھوکا دیا غور کیجیے کہ اس زمانہ میں جس طرح ناجائز طور پر روپیہ

حاصل کرنے کی غرض سے حیلے اور تدبیریں کی جاتی ہیں امام صاحب

جائز طور پر اشتباہی روپیہ نہ لینے کی تدبیریں کرتے تھے آخری زمانہ کے لوگوں

کو اُس نفس قدسی کے ساتھ کیا مناسبت مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو

شرم نہیں آتی کہ باوجود ایسی ناگفتہ بہ حالت کے اپنے نفوس پر قیاس

کرکے امام صاحب کی توہین کرتے ہیں کیا عقل سلیم یہ بات قبول کرسکتی

ہے کہ ایسا محتاط خائف شخص جس کو دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو دین میں

فساد ڈالے اور خلاف مرضی خدا و رسول اپنے دل سے مسئلے گھڑ کر اپنی

آخرت تباہ کرے۔

اگر فقہ کے ایجاد سے اُن کو دنیا طلبی مقصود ہوتی تو بجائے اسکے کہ سلاطین

کے طرف سے خدمت قبول کرنیکی درخواست اور اصرار ہوتا خود درخواست

کرتے اور سفارشیں پہونچاتے اور کسی کسی حیلے سے خدمت حاصل کرکے امیرانہ گزران کرتے۔ برخلاف اسکے وہاں تو ان چیزوں کا ذکرہی نہ تھا

م ص ح۔ سہل ابن مزاحم کہتے ہیں کہ ہم ابوحنیفہ رح کے گھر میں جایا کرتے تھے سوائے بوریوں کے کوئی چیز وہاں نظر نہ آتی۔

م۔ ابوالنجیب مروزی کہتے ہیں کہ امام صاحب کا قوت مہینے میں دو درہم تھا

م ح ص ک۔ جب قضا کے بارہ میں آپ بغداد میں قید کیگئے تو اپنے فرزند کو کہلایا کہ تم جانتے ہو کہ مہینے میں میرا قوت دو درہم ہے اسکو بھی تم نے روک دیا جلد بھیجو۔

یہ تو آپکی ذاتی حالت تھی جس سے کمال زہد ظاہر ہے۔ اب آپکے تمول کا حال بھی سُن لیجئے۔

م ک۔ عبدالحکیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رح کے کئی غلام تجارت پر مامور تھے ایک بار وہ ستّر ہزار درہم لے آئے جن میں تیس ہزار درہم نفع کے تھے امام صاحب نے اُنسے تجارت کے طریقے دریافت کیے بعضوں نے اپنا طریقہ ایسا بھی بیان کیا کہ اس میں غلطی تھی امام صاحب نے پوچھا کیا وہ نفع علیحدہ رکھا گیا یا خلط کر دیا گیا۔ کہا خلط کر دیا گیا آپنے فرمایا تم نے کل مال کو فاسد کر دیا۔ پھر علمائے کوفہ سے سات شخصوں کو بلا کر ہر ایک کو دس دس ہزار درہم دئے کہ مساکین پر تقسیم کردیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ ستّر ہزار درہم جو راس المال اور نفع کا مجموعہ یعنی کل اثاثہ تھا سب کو ایک ادنی شبہ سے لٹا دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اس زمانہ میں

حافظہ - دینار سے جو خردرگل باند. کا مضمون پورے طور پر صادق ہے مگر تقوی کا وہ دعوے کر ابو حنیفہ نے عمر بھر میں کبھی نہ کیا ہوگا کیونکہ ان کو اگر تقوی کا دعوے ہوتا تو رات دن خوف خدا سے رونے کی کیا ضرورت تھی۔

قرائن سے بخوبی ظاہر ہے کہ آپ کا تجارت کرنا بھی دینی مصلحتوں کے لئے تھا پہلے تو تقوے کا امتحان دینا آپ کو مقصود تھا. کیونکہ تقوے کی آزمائش انہی معاملات سے ہوتی ہے جو مال سے متعلق ہیں سو بفضلہ تعالی آپ کا اس امتحان میں کامیاب ہونا اُن حیرت انگیز وقائع سے ظاہر ہے جو کتابوں میں کثرت سے مروی ہیں مگر چونکہ اس رسالہ کی غرض اُنسے چنداں متعلق نہیں اِسلئے اُن کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا. پھر مال حاصل ہونیکے بعد بخل اور اسراف سے. بچنا بھی ایک مشکل کام ہے سو امام صاحب اُسمیں بھی قابل تحسین رہے چنانچہ آپ کی سخاوت اس درجہ تک پہونچگئی تھی کہ اپنے زمانہ میں آپ سخی مشہور تھے چنانچہ کردری رح اور امام سیوطی رح نے فضیل ابن عیاض کا قول نقل کیا ہے کان ابو حنیفۃ معروفا بکثرۃ الافضال و اکرام العلم والمد۔

م ک - مسعر رح کہتے ہیں کہ جب ابو حنیفہ رح کوئی چیز اپنے عیال کیواسطے خرید کرتے تھے یا لباس ہوتے یا فواکہ خرید کرتے تو بیشتر اُن اشیار کی قیمت سے زیادہ قیمتی اشیا شیوخ علما کے لئے خرید کرتے اور یہ اُن کی عادت تھی کہ جب کوئی چیز صدقہ یا ہدیہ کے لئے خرید کرتے تو عمدہ اور بیش قیمت خرید کرتے. اور اپنے عیال کے لئے خرید کرتے تو اس میں یہ اہتمام نہ کرتے۔

مرک۔ بیہقی یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں ابو حنیفہ کے ساتھ کسی کی عیادت
کو جا رہا تھا راستہ میں ایک شخص آپ کو دیکھ کر چھپ گیا اور دوسرے
راستے سے نکل جانا چاہا۔ آپ نے اس کو پکار کر کہا دوسرے راستے کو چلے
جاتے ہوئے دیکھا کہ امام صاحب پہچان گئے شرمندہ ہو کر کھڑا ہو گیا
آپ نے چھپ کر سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ آپ کے دس ہزار درہم
میرے ذمہ ہیں [illegible] ادا کرنے کی [illegible] اس واسطے [illegible]
[illegible] سے بچنے کی [illegible]
[illegible]
[illegible] صاف کر دو۔
مرک۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کا [illegible] تھا [illegible] ہو سکتا ہے کہ [illegible]
[illegible] آپ کا [illegible] تھا [illegible] معلوم ہوا [illegible]
[illegible] کے [illegible] آپ کی [illegible] تھی کہ کسی [illegible]
مرمس ک۔ اسمٰعیل حماد کہتے ہیں کہ کسی نے [illegible]
[illegible] کر [illegible] حلال ہوتا ہے فرمایا کہ جب ابو حنیفہ [illegible]

جیسا ہو۔ اُسنے کہا حضرت آپ ایسی بات کہتے ہو کہا ہاں اس سے زیادہ
کہوں گا میں نے اُنسے اتقا اور اورع نہیں دیکھا۔ ایک روز وہ کسی شخص کے
دروازہ کے روبرو دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے میں نے کہا سایہ میں اگر
آپ بیٹھ جاتے تو اچھا تھا کہا اس مکان والے پر میرا کچھ قرض ہے میں اچھا
نہیں سمجھتا کہ اُسکے گھر کے سایہ میں بیٹھوں اب کہو کہ اس سے زیادہ کیا ورع
ہوگا۔ اور یحییٰ ابن زائدہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابو حنیفہ کو دیکھا کہ دھوپ
میں بیٹھے ہیں تو اُن کو قسم دیکر پوچھا کہ سایہ چھوڑ کر دھوپ میں بیٹھنے کا کیا
سبب ہے کہا اس مکان والے پر میرا کچھ قرض ہے میں اُنکے گھر کے
سایہ کو اسوجہ سے مکروہ سمجھتا ہوں کہ کہیں وہ نفع نہ ہو جاوے کیونکہ حدیث
شریف میں وارد ہے جس قرض سے کوئی نفع حاصل کیا جاوے وہ ربوا ہے
پھر فرمایا اس قسم کی احتیاط اوروں کو ضرور واجب نہیں۔ عالم کو ضرور ہے
کہ جن امور کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اُن میں خود زیادہ احتیاط اور عمل کرے
الخیرات الحسان میں بھی یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے۔ نقل کیا ہے یزید
بن ہارون نے جو فتوے کے لئے ورع اور تقوے کی ضرورت کہی اسکی
وجہ یہ ہے کہ جسکو خوف خدا ہوگا وہی سچے مسئلے دین کے بتائے گا۔ ورنہ
اپنی خواہش نفسانی کے مطابق فتوے دیگا۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے۔
م ص ک ۔ مالک ابن سلیمان سے روایت ہے کہ حسن بن عمارہ ابو حنیفہ
کی شان میں بدگوئی کیا کرتے تھے ایک بار کسی مسئلہ کی تحقیق کیلئے ایکروز
نے کل علماء کوفہ کو جمع کیا مناظرہ کے بعد سب کا اتفاق ابو حنیفہ کے جواب

جب امیر نے لکھنے کو کہا تو ابو حنیفہ نے تامل کر کے کہا کہ اس مسئلہ میں ہم سب خطا پر تھے اور صواب وہی ہے جو حسن ابن عمارہ کہتے ہیں چنانچہ وہی لکھا گیا۔ اسکے بعد حسن ابن عمارہ امام صاحب کی نہایت مدح کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اگر ابو حنیفہ چاہتے تو میرا قول رد کر دیتے اور باوجودیکہ وہ مجلس مخالفت کی تھی مگر انہوں نے خطا کا الزام اپنے ذمہ لینے میں کچھ تامل نہ کیا اس روز سے مجھے یقین ہوا کہ وہ ورع میں سب سے زیادہ ہیں۔

م ص - فضل بن محمد کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور بادشاہ نے ابو حنیفہ رح کو فتوی دینے سے منع کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں اگر انکے فرزند حماد بھی کوئی بات پوچھتے تو آپ حکم شاہی کا عذر کر کے جواب نہ دیتے۔ ایک بار حماد نے کہا حضرت یہاں تو آپ ہیں اور میں تیسرا کوئی شخص نہیں آپ نے فرمایا اے لڑکے اللہ کہاں ہے یعنی اللہ تعالیٰ تو موجود ہے۔

م ص - ابو حاتم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح ایسے شخص تھے کہ جب فتوی دینے کو بیٹھے ایک مسئلہ پیش ہوا جس کا جواب وہ نہ دے سکے اسکے بعد سال تک فتوی اور مجلس کو ترک کر دیا پھر جب تکمیل کی اور معلوم ہوا کہ لوگوں کو انکے فتووں کی طرف احتیاج ہے اسوقت فتوے دینا شروع کیا۔

م ک - جب امام صاحب کے استاد حماد رح کا انتقال ہوا اور ان کی خدمت کو جس طرح چاہئے کوئی انجام نہ دیسکا۔ تو اصحاب حماد رح نے بالاتفاق امام صاحب سے درخواست کی کہ مسند افتا کو اپنے افادات سے آپ زینت دیں ورنہ علم ضائع ہونیکا خوف ہے امام صاحب نے کہا

اس شرط پر میں یہ کام قبول کرتا ہوں کہ آپ حضرات میں سے دس صاحب ضامن ہو جائیں کہ ایک سال تک میرے ساتھ رہیں چنانچہ انہوں نے قبول کیا ہر چند یہ مسلم تھا کہ اصحاب حماد رح میں امام صاحب ہی اس خدمت کے مستحق ہیں لیکن امام صاحب کے تقوی نے یہ اجازت نہ دی کہ خود رائی سے آپ مسند نشین ہو جائیں۔ اسلئے آپنے دس صاحبوں کو منتخب کیا کہ ہر مسئلہ اُنکے شوریٰ سے قرار پاتا تھا باوجود احتیاط کے بمقتضائے خوف الٰہی پھر بھی کھٹکا رہتا تھا چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے۔

م ص ک۔ یزید طحان کہتے ہیں کہ جب ابو حنیفہ رح کسی مسئلہ میں فتویٰ دیتے تو دیر تک سکوت کرتے پھر ایک لمبی سانس کھینچ کر کہتے اللھم لا تواخذنا۔

م ص ک۔ ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام صاحب کے مکان کو گیا دیکھا کہ اس قدر مغموم ہیں کہ اُنکا سبب دریافت کرنے کی کسی سے مجھے جرأت نہ ہوئی تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا اے ابو یوسف ہم جو کام کر رہے ہیں کیا خدائے تعالیٰ اسکا سوال ہم سے کریگا میں نے عرض کی حضرت خدائے تعالیٰ آپ پر رحم کرے مجتہد کے ذمہ اسی قدر ہے کہ اجتہاد اور کوشش میں کمی نہ کرے پھر کہا اللھم اغفر پھر تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا اللھم لا تواخذنا۔

م ص۔ مالک ابن مغول رح کہتے ہیں کہ ایک روز میں ابو حنیفہ رح کے

پاس گیا اُسوقت ایک مسئلہ اُنسے پوچھا گیا انہوں نے اپنے اصحاب میں اسکو
پیش کیا جب سب نے غور و فکر کرکے اُس کا حکم بیان کیا تو انہوں نے
سب کے آخر میں ایک تقریر کی اُسکے بعد بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھے
رہے پھر سر اٹھا کر کہا اللّٰھم انک تعلم انی انما اردت بہ وجھک یعنی یا اللہ تو
جانتا ہے کہ مجھے اس سے مقصود صرف تیری ذات ہے یہ کہہ رہے
تھے اور اُن کی آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ ان حالات سے
معلوم ہوئیگے اور ہر شخص کی طبیعت اسی بات پر گواہی دے گی کہ
امام صاحب نے جو مذہب کا کام اپنے ذمہ لیا تھا اُس میں اُن کی کوئی غرض
نفسی نہ تھی اور انشاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوا اللہ نہایت دیانتداری سے اُس کو
انجام دیا بات یہ ہے کہ جس دل میں خوف خدا ہوتا ہے اُس سے
جو کچھ صادر ہوگا خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق ہوگا کیونکہ بات بات
اسکو ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی ایسا فعل یا کوئی نقصانی ایسی صادر ہو
جو باعث غضب الٰہی ہو اسیوجہ سے فقہا اور محدثین کو ورع
حاصل کرنے کی ہدایت کیا کرتے تھے چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں امام
ذہبی نے یوسف بن ابن مغیرہ کے ترجمہ میں لکھا ہے الامام المحدث الصادق
العابد ابو عبد الملک المصری کان طویل الحزن خازنا للسانہ یعنی اکثر اوقات
اُن پر حزن طاری رہتا اور خاموش رہا کرتے تھے۔ انکے فضائل ذاتی
بیان کرکے لکھا ہے کہ جب محدثین اُن کے پاس آتے تو اکثر اوقات
کہا کرتے تعلموا الورع یعنی احادیث کے ساتھ ورع بھی سیکھو

اب غور کیجئے کہ اس قدر خوف الہٰی کے بعد کیا ممکن ہے کہ کوئی بات دین
میں انہوں نے ایسی ایجاد کی ہوگی یا کوئی مسئلہ ایسا دل سے گھڑ لیا ہوگا
جو خلاف حکم خدا و رسول ہو عقل سلیم تو اسکو ہرگز قبول نہیں کر سکتی انکے
کمال تدین ہی کی وجہ سے اکابر محدثین نے اُنکے اتباع کی ترغیبیں دیں
اور بتصریح کہدیا کہ جس نے ابوحنیفہ کو اپنا پیشوا بنا لیا اُسنے احتیاط میں
کمی نہ کی وغیر ذلک۔

اب امام صاحب کی تقریر کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے

چونکہ قوت تقریر کا مدار کثرت معلومات اور استحضار مضامین اور طبیعت نکتہ رس پر
ہے اور ابھی معلوم ہوا کہ امام صاحب اُسوقت کے علماء میں سب سے
علم میں فائق اور قوت حافظہ میں ممتاز اور طبیعت نکتہ رس کے لحاظ سے
بینظیر تھے ان وجوہ سے آپ کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ موافق تو موافق مخالف
بھی دم نہیں مار سکتے تھے اور سب کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔

م ک۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ جب ابوحنیفہ رح کلام کرتے تو کل
حاضرین کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔

م ص ک۔ کنانہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کا کل علم مفہوم اور مستعمل ہے۔
اور دوسروں کے علم میں حشو و زوائد بہت ہیں۔ میں اُن کی صحبت میں
ایک مدت تک رہا۔ مگر ایک بات بھی اُنسے ایسی نہیں سنی جو قابل مواخذہ
ہو یا اُسپر عیب لگایا جائے۔

م۔ ابومعاویہ کہتے ہیں کہ شریک رح جاہل اور حسد کی وجہ سے ابوحنیفہ

کے ساتھ دشمنی تو رکھتے تھے مگر جب اُن کا قول سنتے تو بیچارے سر نہ اٹھا سکتے۔

ک۔ عبدالصمد بن حسان کہتے ہیں کہ میں ایک بار سفیان کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص نے کہا ابو حنیفہ کو جدل اور جھگڑے کا علم دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا اگر تم انکے پاس بیٹھو تو معلوم ہوگا کہ اُن کا مثل تم نے دیکھا نہیں جب وہ شخص امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس بات کا قائل ہو گیا کہ جو شخص انکے پاس بیٹھے اُن کی فقہ اور علم اور ورع کی وجہ سے خاضع ہو کر انکے روبرو سر نہ اٹھا سکیگا۔ پھر وہ شخص ہمیشہ امام صاحب کے فضائل بیان کرکے بدگویوں کو جواب دیا کرتا تھا۔

الحاصل امام صاحب کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ کوئی سر نہ اٹھا سکتا۔ اب غور کیجئے کہ اُس زمانہ میں امام صاحب کے مخالف محدثین کثرت سے تھے جنکی مخالفت کا اثر اب تک جاری ہے اور محدثین کی عادت تھی کہ جو بات مخالف حدیث پاتے اُس میں مناظرے کرتے یہاں تک کہ جان دینے کو مستعد ہو جاتے تھے جیسا کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں آپنے دیکھ لیا۔ اور امام صاحب حاکم یا صاحب احتشام شخص نہیں تھے کہ اُن کے دروازہ پر روک ٹوک ہو وہ تو ہمیشہ مسجد میں بیٹھے رہتے تھے جسکا جی چاہتا مسئلہ پوچھ لیتا یا مناظرہ کرلیتا غرضکہ محدثین کی تصریحات اور عقل کی رو سے ثابت ہے کہ اُس زمانہ کے محدثین امام صاحب سے بکثرت مناظرہ کیا کرتے تھے مگر امام صاحب کی تقریر سنکر بجز انقیاد اور گردن جھکانے کے گریز نہ تھا۔ اس سے یہ بات

بآسانی معلوم ہو سکتی ہے کہ جتنے مسائل میں محدثین کو امام صاحب سے خلاف تھا
اُن میں اکثر مباحثے ہوئے اور بکرات ومرات محدثین کو امام صاحب نے ساکت کر
چھوڑا پھر جو حضرات متدین اور منصف مزاج تھے وہ تو امام صاحب کی تعریفیں
کیا کرتے اور جو خود سر اور حاسد تھے روبرو کچھ نہ کہہ سکتے البتہ غائبانہ بدگوئی
کیا کرتے تھے جیسا کہ دنیا داروں کی عادت ہے مگر دینداروں کے نزدیک
ایسے لوگوں کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔

م ص ک یحیی ابن آدم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحہ کا کلام خالصۃً للہ تھا
اگر اُس میں دنیوی امور کی آمیزش ہوتی تو اُن کا کلام آفاق میں ہرگز نافذ نہ ہوسکتا
کیونکہ اُنکے حاسد اور کسر شان کرنے والے لوگ بہت سارے تھے۔
اب غور کیجئے کہ امام صاحب کے کلام کو آفاق میں پہونچانے والے کیسے متدین
اور باوجاہت حضرات ہونگے کہ حاسدوں اور مخالفوں کو ساکت کر کے اُنکو
آفاق میں نافذ کر دیا اور کس زمانہ میں کہ جدھر دیکھئے حدیث ہی حدیث ہے
فقہ کی ایک کتاب بھی دنیا میں نظر نہیں آتی تھی یہ امام صاحب کی للہیت اور حسن
کلام کا اثر تھا۔

م ص ک - ایکبار کسی نے مسعر رحہ سے کہا کہ ابو حنیفہ کے دشمن کس قدر
کثرت سے ہیں یہ سنکر مسعر رحہ سیدھے ہو بیٹھے اور کہا واللہ میں نے
جب کسی کو اُنکے ساتھ مباحثہ کرتے دیکھا تو انہی کو غالب دیکھا۔

م مطلب ابن زیاد کہتے ہیں کہ جب کبھی ابو حنیفہ رحہ نے کسی مسئلہ میں
ک کسی کے ساتھ گفتگو کی تو وہ شخص ذلیل اور اُن کا معتقد ہو گیا۔

مرک . ابو معاویہ ضریر رح کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے اعلم نہیں دیکھا
کبھی یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ کوئی شخص تقریر میں اُن پر غالب ہوگا . مباحثہ
میں نہ اُن کا سا حلیم دیکھا نہ کبھی اُن کو مغلوب ہوتے دیکھا .

ک . ابوسعد الصغانی کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ کسی مسئلہ
میں ابوحنیفہ رح پر غالب ہوا ہو .

خ . سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ رح کی مخالفت ایسا شخص کرسکتا
ہے جو اُن سے قدر اور علم میں بڑھا ہوا ہو اور ایسا شخص کہاں ہے .

انصاف اسے کہتے ہیں باوجود اس تبحر کے کہ امیر المومنین فی الحدیث
کہے جاتے تھے انصاف سے کہدیا کہ ابوحنیفہ سے مخالفت کوئی نہیں
کر سکتا

م . واقدی رح کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رح سے پوچھا کہ اہل عراق
جو آپ کے یہاں آئے ہیں اُن میں افقہ کون ہیں فرمایا اہل عراق سے ہمارے
یہاں کون آئے میں نے کہا ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ سفیان ثوری اور ابوحنیفہ
فرمایا جس نے ابوحنیفہ کا نام آخر میں لیا میں نے تو دیکھا کہ ہمارے یہاں کے
کسی فقیہ کے ساتھ انہوں نے مناظرہ کیا اور تین بار اُس کو اپنی رائے
کی طرف رجوع کرا کے آخر میں کہدیا کہ یہ بھی خطا ہے . مطلب یہ کہ جس مسئلہ میں
مناظرہ ہوا تھا اُس میں امام صاحب کے تین قول یکے بعد دیگرے ہوئے
اور جس قول کے اثبات میں امام صاحب نے تقریر کی اُس فقیہ کو تسلیم کرنا پڑا
اور آخری قول کو کسی قابل تو ہی نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اس میں بھی خطا ہے

اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے استدلال میں وہ قوت ہوتی تھی کہ کسی کو کلام کرنے کی گنجایش نہیں ملتی تھی اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ امام مالک رحمہ اس مناظرہ کو دیکھ رہے تھے اور ہر قول کی تقریر اور استدلال کو سُن رہے تھے مگر یہ نہ ہو سکا کہ کسی استدلال میں جرح کریں حالانکہ مناظرہ صرف احقاق حق کی غرض سے ہوا کرتا ہے۔ اور ہر عالم کو حق ہے کہ اُس میں دخل دیکر احقاق حق کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب جس قول پر دلیل پیش کرتے وہ ایسی قوی ہوتی تھی کہ امام مالک جیسے افراد بھی اُس میں جرح و قدح نہ کر سکتے تھے تا بہ دیگرے چہ رسد آخر امام صاحب ہی کو معلوم ہوتا کہ وہ دلیل مخدوش ہے اور رائے سے رجوع کرکے دوسرا قول اختیار کرتے اب غور کیجئے کہ جب امام صاحب کے مقابلہ میں امام مالک رحمہ کا یہ حال ہو جو اُس زمانہ میں امام مسلم ہو چکے تھے تو دوسرے کس قطار و شمار میں۔

ک ت ح - امام شافعی رحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ سے کسی نے پوچھا کیا آپ نے ابو حنیفہ کو دیکھا ہے کہا نعم لو کلمک فی ہذہ الساریۃ ان یجعلہا ذہبا لقام بحجتہ یعنی ہاں دیکھا ہے وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے کہدیتے کہ اس ستون کو سونے کا ثابت کر دینگے تو اُس پر حجت قائم کر دیتے۔

م ک ح ص - عبداللہ ابن مبارک رحمہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام مالک کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک صاحب آئے امام مالک رحمہ نے اُن کی بڑی تعظیم و تکریم کی جب وہ چلے گئے تو کہا تم جانتے ہو یہ کون ہیں یہ ابو حنیفہ ہیں اگر یہ کہدیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو اُسکی دلیل قائم کر دیں کے ویسا ہی

نے اُن کو فقہ کی توفیق دی ہے جس سے اُس کا مار اُنپر نہیں رہا اُسکے بعد سفیان ثوری آئے اُن کو امام صاحب سے کم درجہ میں جگہ دی اور اُنکے چلے جانے کے بعد کہا کہ یہ سفیان ہیں اور اُن کی فقہ اور ورع کا بھی ذکر کیا۔ کردری رح نے لکھا ہے کہ امام مالک رح نے امام صاحب کی نسبت جو کہا ہے لو کلمک فی ہذہ السارية الخ اس سے جملہ محدثین کے زعم میں امام مالک رح کی عدالت ساقط ہوگئی عجیب بات یہ ہے یہ سب جانتے ہیں کہ لو کا دخول محال پر ہوا کرتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لو کان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا یعنے آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ان میں فساد ہو جاتا مگر چونکہ محال ہے اور اگر بفرض محال ہو جاوے تو فساد لازم ہے اسیطرح امام مالک رح نے فرمایا لو کلمک فی ہذہ السارية ان یجعلہا ذہبا۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام مالک کو یقین تھا کہ امام صاحب کا ایسا دعوی کرنا کہ یہ ستون سونے کا ہے محال ہے۔ اسیوجہ سے کلمہ لو کو استعمال کیا اور فرمایا کہ اگر بفرض محال یہ دعوے کرتے تو اُسپر بھی دلیل قائم کر دیتے چونکہ اس قسم کے کلام میں صرف مبالغہ مقصود ہوتا ہے اسلئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام مالک یہ خبر دے رہے ہیں کہ امام صاحب لکڑی کے ستون کو سچ سچ سونیکا ستون ثابت کر سکتے ہیں بلکہ اُن کو امام صاحب کا کمال تدین بیان کرکے مبالغہ کیساتھ یہ تبلانا منظور تھا کہ استدلال میں اُن کو اعلیٰ درجہ کی قوت اور اقتدار حاصل تھا اسیوجہ سے امام صاحب کے حاسدوں کو غصہ آگیا۔ اور اس کلام سے امام مالک جیسے جلیل القدر امام المحدثین کی عدالت ہی ساقط کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون حالانکہ اسی قسم کی بات محدثین نے

امام شافعی رح کی نسبت بھی کہی ہے چنانچہ توالی التاسیس میں ابن حجر عسقلانی رح نے

لکھا ہے قال ذکریا الساجی حدثنی ابوبکر ابن سعدان قال سمعت ہارون بن سعید

یقول لو ان الشافعی ناظر علی ہذا العمود الذی من حجارۃ بانہ من خشب لغلب

لاقتدارہ علی المناظرۃ یعنی امام شافعی رح اگر اس ستون کے باب میں جو پتھر کا

ہے مناظرہ کرتے اور اُس کو لکڑی کا ثابت کرنا چاہتے تو اس وجہ سے کہ

اُن کو مناظرہ پر اقتدار حاصل تھا غالب آجاتے۔ غرضکہ اس قسم کی بات

سے نہ امام شافعی رح اور امام صاحب کی توہین مقصود تھی نہ اُسکے قائل پر

کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے۔

عد ص ک - محمد ابن اسمعیل ابن ابی فدیک کہتے ہیں کہ میں نے مالک

ابن انس رح کو دیکھا کہ ابو حنیفہ رح کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلے جارہے ہیں

جب مسجد نبوی کے دروازہ پر پہونچے تو ابو حنیفہ کو آگے بڑھا کر آپ اُنکے

پیچھے چلنے لگے۔

اس سے ظاہر ہے کہ امام مالک رح کا خیال امام صاحب کی نسبت یہ تھا

کہ جو رائے مسئلے تراشتے ہیں بلکہ اُن کو معظم و محترم سمجھتے تھے۔

ت م ک جعفر ابن الربیع کہتے ہیں کہ میں پانچ سال ابو حنیفہ رح کی خدمت

میں رہا اُنسے زیادہ خاموش شخص نہیں دیکھا مگر جب فقہ کی کوئی بات پوچھی

جاتی تو سیل کی طرح اُن کا کلام پر زور ہوتا۔

خ ک یحیی ابن آدم کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ابو حنیفہ رح ہوتے تو

علم کا مدار اُنہی پر ہوتا اور جبتک وہ وہاں رہتے کوئی دوسرا بات نہ کر سکتا

تس عمر ابن حماد بن طلحہ کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ابو حنیفہ ہوتے تو کلام کا مدار انہی پر ہوتا اور جب تک وہ وہاں رہتے کوئی دوسرا بات نہ کر سکتا۔ مطلب یہ کہ امام صاحب کے روبرو مسائل شرعیہ میں بات کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی اس وجہ سے مجبوراً امام صاحب کو کلام کرنے کی ضرورت ہوتی

مک۔ عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ فقہا امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھتے تو آپ کے شاگرد سمجھے جاتے۔ اور جب امام صاحب کلام کرتے تو اُن کے کلام کی تہ تک بڑی قوت والے یعنی اعلیٰ درجے کے ذکی علما پہونچتے تھے۔

جب فقہا (جو اعلیٰ درجہ کے محدث ہوا کرتے تھے) اُن کا یہ حال ہو تو غور کیجیے کہ معمولی محدثین کا کیا حال ہوگا۔ آدمی شاگردی کی ذلت گوارا کر سکتا ہے مگر باوجود اسکے اگرچہ سمجھ میں نہ آئے تو مفت کی ذلت اٹھانے سے کیا فائدہ اسلئے اکثر محدثین امام صاحب کے تلمذ اور صحبت سے محروم رہ گئے۔

مک۔ یحیی ابن آدم کہتے ہیں کہ شریک اور اُن کے رفقا ابو حنیفہ کے مقابلہ میں ایسے تھے جیسے کم عمر لڑکے کاش وہ ابو حنیفہ کے اقوال سمجھ ہی سے لیتے۔

اسی سے معلوم ہوا کہ شریک جب امام صاحب کا قول سنتے تو سر نہ اٹھا سکتے اور یحیی ابن آدم رح کے قول سے ثابت ہے کہ اُن کی لیاقت اتنی بھی نہ تھی کہ امام صاحب کی تقریر ہی سمجھ سکتے مگر بیچارے حسد کے مارے دشمنی پر مجبور رہتے تھے یہی حال اُن تمام محدثین کا تھا جو امام صاحب کی شان میں بدگوئیاں کیا کرتے تھے جنکے کاسہ لیس آج تک موجود ہیں۔

ح ابوسلیمان کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ عجب شخص تھے اُنکے کلام سے وہی منہ پھیرتا ہے جو اُس کے سمجھنے پر قادر نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فقہ سے اُن لوگوں نے منہ پھیرا کہ جنکی سمجھ میں اُسکے مضامین نہیں آئے کیونکہ ایسا آدمی تو عامی اور جاہل ہے اُس کا ذکر ہی کیا یہاں کلام محدثین میں ہے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ احادیث تو وہ سمجھے بھی مرفعۃ کو نہیں سمجھ سکتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے بعض محدثین یہ نہ سمجھ سکے کہ امام صاحب کے اقوال احادیث کے خلاصہ ہیں اور کوئی بات خلاف حدیث نہیں اور ناسمجھی سے یہ خیال کرلیا کہ وہ امام صاحب کی صرف رائیں ہیں۔ اسلئے اُس سے منہ پھیرا۔ غرضکہ مقصود ابوسلیمان رح کا یہ ہے کہ امام صاحب کا کوئی قول مخالف حدیث نہیں۔ مگر یہ بات ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ اِسکے لیے طبیعت نکتہ رس اور استحضار احادیث کی ضرورت ہے۔

ح۔ شعبہ رح قسم کہا کر کہتے تھے کہ ابوحنیفہ کا فہم درست اور حافظہ جیّد تھا لوگوں نے اُن کی تشنیع ایسے مسائل میں کی جو اُن کے سمجھ میں نہ آئے اور ابوحنیفہ اُنسے زیادہ اُن مسائل کو جانتے تھے۔

اب دیکھئے کہ قصور تو اپنی سمجھ کا اور طعن و تشنیع امام صاحب پر کس قدر زیادتی ہے۔ حق تعالیٰ اہل انصاف محدثین کو جزاے خیر دیوے کہ انہوں نے فقہ کی توثیق کرکے ناسمجھوں کا قصور ثابت کردیا۔

ح۔ اعمش رح سے پوچھا گیا کہ آپ اُن لوگوں کے باب میں کیا فرماتے ہو جو ابوحنیفہ کی بُرائیاں بیان کرتے ہیں فرمایا بات یہ ہے کہ جو مسائل

انہوں نے بیان کئے کچھ تو لوگوں نے سمجھے اور کچھ نہ سمجھے اس لئے اُنکے دشمن ہوگئے اور حسد کرنے لگے۔

یہ بات اوپر معلوم ہوئی کہ اعمش رح سے چند مسئلے کسی مجلس میں پوچھے گئے جس میں امام صاحب بھی موجود تھے انہوں نے امام صاحب سے پوچھا کہ اُن میں تمہارے کیا اقوال ہیں۔ امام صاحب نے بیان کیا اعمش رح کو تسکین نہ ہوئی اور دلیل طلب فرمائی۔ امام صاحب نے استدلال میں وہی حدیثیں پیش کیں جو اعمش رح سے ان کو پہونچی تھیں اور ہر ایک سے استخراج کس طرح کیا گیا۔ اُس کا طریقہ بھی بتلا دیا۔ اعمش رح نے امام صاحب کی تحسین کرکے فرمایا کہ تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں۔ اور جب حج کو گئے تو مناسک حج امام صاحب ہی سے لکھوائے اور اسپر عمل کیا اور شاگردوں سے بھی لکھ لینے کو کہا۔

دیکھئے اعمش رح نے جو لوگوں کے نہ سمجھنے کا حال بیان کیا وہ اُن کا ذاتی تجربہ تھا اسلئے کہ جن روایتوں سے امام صاحب نے استدلال کیا وہ اعمش رح ہی سے آپ کو پہونچی تھیں اور مدتوں وہ اُنکے خزانۂ حافظہ میں محفوظ اور ہمیشہ اُن کے پڑھنے پڑھانے میں پیش نظر رہیں۔ مگر کبھی یہ نہ معلوم ہوا کہ اُنسے کچھ مسائل بھی نکلتے ہیں۔ پھر اعمش رح آخر امام صاحب کے استاذ ہی تھے اُن کے نازک استدلال کو فوراً سمجھ گئے اور اسکی داد دی بھلا ہر کس و ناکس میں وہ صلاحیت کہاں اور قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی نازک بات آدمی کی سمجھ میں نہیں آتی تو جھنجھلا کر کج بحثی شروع

کرتا ہے چنانچہ اکثر غبی طلبہ کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ جب کوئی نازک مضمون استاد بیان کرتا ہے جس کو اُسکے ہمدرس اذکیا سمجھ جاتے ہیں تو وہ لوگ ناسمجھی کے عار کو دفع کرنے کی غرض سے کج بحثی شروع کرتے ہیں جس کی انتہا دشمنی اور حسد پر ہوتی ہے یہی بات تھی جو اعمش رح نے کہی کہ امام صاحب کی باتوں کو نہ سمجھ کر بعضے دشمن ہو گئے اور حسد کرنے لگے۔

م ص ا خ۔ حافظ ابو حمزہ محمد ابن میمون قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی تقریر سننے سے مجھے جس قدر خوشی ہوئی وہ لاکھ اشرفی کے ملنے سے بھی نہیں ہو سکتی۔

علاحضرۃ ان میں وہ اذکیا جن کی طبیعتوں میں اعلیٰ درجہ کا مذاق علمی ہے اس خوشی کا سبب سمجھ سکتے ہیں اُن کو معلوم ہے کہ جب کوئی نازک اور دقیق بات سمجھ میں آجاتی ہے تو کس قدر خوشی ہوتی ہے کبھی تو وجد کی سی حالت طاری ہوتی ہے اور بعضے تو شادی مرگ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ حکمائے یونان میں لکھا ہے کہ فیثا غورس نیلوونس کی طبیعت نکتہ رس نے جب شکل عروس کی ایجاد میں کام دیا اور اُس کی سمجھ میں بات آگئی تو اُسے اس قدر خوشی ہوئی کہ بقول بعض وہ اُسی سے ہلاک ہو گیا۔ غرض اغبیاپر جس قدر نہ سمجھنے کا بُرا اثر پڑتا ہے اُسیقدر اذکیا کو سمجھنے سے خوشی پیدا ہوتی ہے یہی بات تھی کہ حافظ محمد ابن میمون رح کو امام صاحب کی تقریر سمجھنے کی اس قدر خوشی ہوئی کہ لاکھ اشرفیوں پر اُسکو ترجیح دی۔ کردری رح وغیرہ نے زید بن ہارون کا قول نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ رح کے اقوال کو

وہی لوگ دوست رکھتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے علما میں اذکیا ہیں۔ اور وہی لوگ ان کو منہا کرتے ہیں جو ان میں اہل فہم ہیں۔

ک۔ یوسف بن خالد سمتی کہتے ہیں کہ جب میں علم حاصل کر کے ابوحنیفہ رح کے حلقہ میں گیا اور ان کی تقریریں سنیں تو معلوم ہوا کہ علم کے چہرہ پر نقاب تھا جو انکی تقریروں سے اٹھ گیا۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کونسا نقاب تھا جسکو محدثین نہ اٹھا سکے ادنیٰ تامل سے یہی ثابت ہوگا کہ ظاہری تعارض احادیث اور مضامین کا اشکال تھا جس سے طالب علم کو یقینی طور پر نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ جو وقائع پیش ہوتے ہیں ان میں عمل کس طرح کیا جاوے۔ امام صاحب نے تمام آیات و احادیث واقوال صحابہ وغیرہم کو پیش نظر رکھ کر اپنی طبیعت خداداد سے مدد لی۔ اور تعارض احادیث کو اٹھا کر اشکالوں کو ایسا حل کر دیا کہ شارع کی مراد منکشف ہوگئی۔

خ۔ عبداللہ بن مبارک رح فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رح نے علم کو ایسا منکشف کر دیا کہ کسی نے کیا ہی نہ تھا۔

جب امیر المومنین فی الحدیث یہ گواہی دے رہے ہیں تو غور کیجئے کہ امام صاحب کا کس قدر شکریہ کرنا چاہئیے۔ بات یہ ہے کہ ابہام اور اشکال کا معلوم کرنا بھی ہر کسی کا کام نہیں چنانچہ یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی معمولی طالب علم نے کسی فاضل کے روبرو کہا کہ میں شرح جامی پڑھ چکا ہوں انہوں نے کہا اس میں تو بڑے بڑے شیر بیٹھے ہیں اسنے کہا کہ حضرت

بندہ بھی پاؤں دبا کر ایسا نکل گیا کہ کسی شیر کو خبر ہی نہ ہوئی۔ غرضکہ امیر المؤمنین فی الحدیث کی سی طبیعت کسی کی ہو تو وہ امام صاحب کی قدر جانے اور جس کی طبیعت میں اشکال وغیرہ کا احساس ہی نہ ہو وہ کیا جانے اسی وجہ سے عبداللہ بن یزید مقری رحمہ نے کہا ہے کہ جو لوگ ابو حنیفہ رحمہ کے فضل و تقدم کو نہیں جانتے وہ زندے نہیں مردے ہیں۔ ذکرہ فی الانتصار وغیرہ اور عبداللہ بن مبارک رحمہ نے ایسے لوگوں کو سفہا کہا ہے پھر جو عالم عاقل ہو امام صاحب کے فضل کا ضرور اعتراف کریگا۔

م ک - ابو سفیان حمیری کہتے ہیں کہ سخت مسائل کا کشف اور احادیث مبہمہ کی تفسیر جو ابو حنیفہ رحمہ نے کی وہ کسی سے نہ ہو سکی۔

م ص - سعدان ابن سعید ختلی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمہ اس امت کے طبیب ہیں۔ اسلئے کہ جہل ایسی بیماری ہے کہ اُسکی حد نہیں اور علم ایسی دوا ہے کہ اُس کی نظیر نہیں اور ابو حنیفہ رحمہ نے علم کی ایسی شافی تفسیر کی کہ جہل جاتا رہا۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس تفسیر سے پہلے کس قسم کا جہل تھا اور وہ جہل کس تفسیر سے دفع ہوا۔ ادنیٰ تامل سے یہی ثابت ہوگا کہ مختلف احادیث و آثار سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ ہر مسئلہ میں کس طرح سے عمل کیا جائے اور امام صاحب نے علم کی تفسیر جو کی وہ یہی فقہ حنفیہ ہے جس سے وہ جہل جاتا رہا۔

م ص ت - عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں ایک بار معمر رحمہ کے پاس

بیٹا تھا کہ عبد اللہ بن مبارک رح آئے معمر رح نے کہا کہ سوائے ابوحنیفہ رح کے میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو فقہ میں عمدگی سے کلام کرے۔

ک ۔ عبد اللہ بن مبارک رح کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ فقہ میں ابوحنیفہ رح سے بہتر کلام کرتا ہو۔

م ک ص ۔ خلف ابن ایوب کہا کرتے تھے کہ میں علما کے حلقوں میں جایا کرتا تھا مگر جو بات اُن کی تقریروں سے سمجھ میں نہ آتی تو مجھے بہت غم ہوتا اور ابوحنیفہ رح سے پوچھتا اُن کی تقریر سے وہ ایسی حل ہو جاتی کہ دل میں نور پیدا ہوتا تھا۔

م ص ک ۔ ابوسعد صغانی رح کہتے ہیں کہ جو مسئلہ میں ابوحنیفہ رح سے پوچھتا تھا۔ اُس کی شرح اور توضیح انتہا درجہ کی کرتے تھے۔

ک ۔ عامر فرات کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بات تھی کہ میں علم میں خوب کلام کر چکا ہوں (یعنی اپنی تقریر اور علم پر ناز تھا) مگر جب ابوحنیفہ رح کی تقریر سنی تو مجھے اپنا نفس صغیر اور حقیر معلوم ہونے لگا

م ص ۔ عبد اللہ ابن مبارک رح فرماتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ رح کی مجلس میں صبح وشام جایا کرتا تھا ایک بار حیض کے مسئلہ میں گفتگو شروع ہوئی اور تین روز تک صبح وشام ہوا کی مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا آخر تیسرے روز قریب شام اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا جس سے میں نے یہ سمجھا کہ وہ مسئلہ حل ہو گیا اور یہ خوشی کا نعرہ ہے جو بے اختیار سب کی زبان سے اللہ اکبر نکل آیا۔

لت

یہ حال عبد اللہ ابن مبارک رح کی تھی جو امیر المومنین فی الحدیث ہو چکے تھے کیونکہ

حدیث کی تکمیل کے بعد امام صاحب کے حلقہ میں وہ شریک ہوئے وہ فرماتے ہیں بکنت لا افہم من مسائلہم قلیلاً ولا کثیراً یعنی تین دن تک جو تقریر اس میں مسئلہ میں ہوتی رہی وہ میری سمجھ میں کچھ نہ آئی۔ نہ تھوڑی نہ بہت۔ چونکہ وہ مستقل مزاج تھے یہ خیال کر لیا کہ ابتدائی حالت ہر فن میں ایسی ہی ہوا کرتی ہے رفتہ رفتہ اس میں بھی تبحر ہو جائیگا مگر ان کی حق پسندی اور حق طلبی دیکھنے کے قابل ہے کہ تین دن تک تضییع اوقات کر کے تبرکاً سنتے ہی رہے اور یہ نہ کہا کہ اس جھگڑے سے کیا فائدہ اور جس طرح دوسرے طالب علم فقہ سے محروم رہ جاتے تھے آپ نہ رہے بلکہ جزم کر لیا کہ عمر بھر امام صاحب ہی کی صحبت میں رہینگے چنانچہ ایسا ہی کیا کہ امام صاحب کے انتقال تک ملازم حلقہ رہے اور کمال حاصل کیا۔ بات یہ ہے کہ جو مردانہ ہمت امیر المومنین کو حاصل تھی وہ ہر کسی کو کہاں نصیب۔ اُن لوگوں نے جب دیکھا کہ طبیعت میں صلاحیت نہیں کہ یہ وادی طے کر سکے تو جاتے جاتے امام پر کچھ الزام دھر دیا جیسے نقل مشہور ہے کہ انگور کھٹے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ تقریر جس کی خبر ابن مبارک رح نے دی ہے عام فہم تھی جو مجمع میں کی گئی تھی ورنہ خاص خاص تقریریں جن میں باریک اور نازک استدلال ہوتے وہ تو تنہائی میں ہوا کرتی تھیں جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔

م ک ص - ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ جب امام صاحب کو کوئی نازک تقریر کرنی منظور ہوتی تو خلوت میں بیٹھتے اور مسعر اور عمر ابن ذر اور ذر رحمہم اللہ کو

بلاتے پھر ذکر رحمۃ اللہ علیہ چند آیات قرآنی پڑھتے اور مناظرہ ہوتا۔

الغرض امام صاحب کی تقریر کی قوت اور متانت اور پختگی اور اس میں دقائق وحقائق کا اظہار اور استدلال کی عمدگی اور نزاکت اور بہا کا کشف اور مشکلات کا حل وغیرہ امور نے آپ کو شہرۂ آفاق بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے امام صاحب کا حلقۂ درس اسلامی دنیا کے اہل فضل وکمال کا مجمع اور طالبین حق کا مرجع بنا ہوا تھا۔ اب اُس مرکز فیض بابرکت حلقہ کا بھی تھوڑا سا حال سُن لیجئے۔

م ص ک حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ مفتی کوفہ ابراہیم نخعی رہا انکے بعد حماد ابن ابی سلیمان ہوئے جن کی وجہ سے لوگ مستغنی تھے جب اُن کا بھی انتقال ہوا تو لوگوں کو ایسے شخص کی احتیاج ہوئی کہ اُن کا جانشین ہو سکے ہر چند اُنکے فرزند ذی علم تھے اور ابو بکر نہشلی وغیرہ شاگرداں حماد رح نے اُنسے درخواست کی مگر اُن کو نحو اور کلام عرب کا مذاق زیادہ تھا اسلئے وہ فقہ کی خدمت نہ کر سکے۔ پھر ابو بکر نہشلی سے کہا گیا انہوں نے بھی انکار کیا۔ آخر ابو حنیفہ رح سے کہا گیا آپنے کہا علم کا تلف ہونا میں گوارا نہیں کرتا۔ اسلئے قبول تو کرتا ہوں مگر اس شرط پر کہ آپ حضرات میں سے دس علما میری رفاقت دیں۔ چنانچہ آپنے وہ کام شروع کر دیا ابتدا میں حماد رح کے شاگرد آپکے یہاں آتے رہے اُسکے بعد ابو یوسف اور زفر رح وغیرہ علمائے کوفہ شریک حلقہ ہوئے اور رفتہ رفتہ یہاں تک شہرت ہوئی کہ دور دور کے علما آکر شریک حلقہ ہونے لگے۔ اور امرا اور حکام کو آپ کی طرف

احتیاج ہوئی انتہی ملخصاً۔

چونکہ امام صاحب کو فن حدیث میں کمال تھا اور رائے ایسی صائب تھی کہ بسا وقت آپ کے استاد حماد رح اپنی رائے سے رجوع کرکے آپکی رائے اختیار کرتے تھے۔ حالانکہ وہ زمانہ آپ کی طالب علمی کا تھا اور استخراج مسائل میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا جسکو اکابر محدثین نے تسلیم کرلیا ہے اور استدلال آپ کا ایسا قوی ہوتا تھا کہ کوئی اُس میں کلام نہیں کرسکتا تھا اور دقیق اور مشکل مضامین کے حل کرنے میں آپ کی طبیعت وہ کام کرتی تھی جو کسی سے نہ ہوسکے۔ غرضکہ جو اسباب یگانہ روزگار بنانے والے ہیں بفضلہ تعالیٰ آپ میں جمع تھے اسوجہ سے چندہی روز میں آپ ایسے مشہور آفاق ہوگئے کہ بڑے بڑے محدثین آپ کے حلقہ میں آنے لگے۔

مرکص ت۔ عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ اگر تم لوگ آثار اور دیگر چاہتے ہو تو سفیان رح کے پاس جاؤ اور اگر دقائق چاہتے ہو تو اس کام کے لئے ابوحنیفہ ہیں۔

چونکہ فن حدیث کے جاننے اور روایت کرنے والے اُس زمانہ میں بکثرت تھے اور دقائق علمیہ بیان کرنا ہر کسی کا کام نہیں اسکے لئے اعلیٰ درجہ کی طبیعت درکار ہے اور امام صاحب کو طالب علمی کے زمانہ سے اپنی طبیعت خداداد پر وثوق ہوگیا تھا اس لئے روایت حدیث کا کام محدثین پر محول کرکے آپ دقائق علمیہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور اُسمیں وہ کمال حاصل کیا

کہ شہرۂ آفاق ہوئے چنانچہ محدثین سے جب دقائق احادیث پوشیدہ رہ جاتے
تو آپ پر محول کرتے جیسا کہ عبداللہ ابن داؤد نے کیا۔

مرک۔ مقاتل بن حیان جو فن تفسیر کے امام ہیں کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ
کے پاس بیٹھا ایسا شخص جسکو غوامض کے ادراک میں بصیرت تامہ ہو
اُنسے بہتر نہیں دیکھا۔

ک۔ ابومعاویہ ضریر رح کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رح نے علم کے طریقہ کی بنیاد
ڈالی اور اُسکے معانی بیان کئے اور مشکلات حل کئے۔ ایسا کون شخص ہے
جو اُن کے مبلغ علم تک پہونچا ہو اور کس کو وہ راہ ملی جو اُن کو ملی تھی اُنپر
خدائے تعالیٰ کی بڑی منت تھی اُن کی سعی مشکور ہوئی۔

ابومعاویہ نابینا کوفہ میں معزز عالم مانے جاتے تھے ایک بار ہارون رشید
نے اُن کی دعوت کی اور اپنے ہاتھ سے اُن کے ہاتھ دھلائے اور
پوچھا آپ جانتے ہو کہ آپ کے ہاتھ پر پانی کون ڈال رہا ہے کہا نہیں
کہا امیر المومنین یہ سنکر انہوں نے دعا دی کہ جس طرح آپنے علم کا
اکرام کیا حق تعالیٰ آپ کا اکرام کرے اور آپ کے درجہ آخرت میں
بلند فرمادے۔ ہارون نے کہا میری غرض یہی تھی کہ آپ کی زبان کو
یہ دعا سنوں۔ ابومعاویہ رح نے جو امام صاحب کے خصوصیات بیان کر
کہ علم کی بنیاد ڈالی اور مشکلات حل کئے۔ اور جو راہ اُن کو ملی وہ کسی کو
نہ ملی۔ اہل علم پر بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اُس سے یہی فقہ مراد ہے جسکو
اُس زمانہ کے علما خدائے تعالیٰ کی منت سمجھتے اور امام صاحب کے ممنون ہوتے تھے

اور یہی امام صاحب کے حلقہ میں شریک ہونے کا باعث تھا۔

مرکس - یوسف ابن خالد سمتی روایت کرتے ہیں کہ میں بصرہ میں عثمان بتی

کے پاس بیٹھا کرتا تھا ایک روز میرے خیال میں یہ بات آئی کہ میرا

مبلغ علم اعلیٰ درجہ تک پہونچ گیا اور فن سے بہرہ کافی مجھے حاصل ہو گیا

ہے کیونکہ ان دنوں ابو حنیفہ رحمہ کے علم اور فقہ کی شہرت کی جاتی تھی

میں نے ان کا قصد کیا جب ان کے حلقہ میں پہنچا امام ابو حنیفہ کی

تقریریں سنیں تو معلوم ہوا کہ اپنے علم کی حقیقت معلوم ہو گئی اور

دوسرے ہی دن اپنے نفس کو حقیر سمجھنے لگا اور معلوم ہوا کہ اب تک علم اعلیٰ

سے میں نے سمجھا تھا وہ محض ایک خواب و خیال تھا

مجھے اہل ضلالت کا یہ حال تھا کہ اپنی ذات کی بات حتی کہ اپنی

ساتھ کہہ جاتے ہیں حدیث کیا کرتا تھا کہ امام صاحب سے

کتاب حدیث کے ... اور ... معلوم ہوا

بلکہ کامل حدیث تو ... ہے جس سے علم

کافی حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی ارشادات سے تنافی حدیث کا

کا مستحضر ہونا ہے۔ اور جب تک خبر اپنی رائے اور اجتہاد سے

ایک بات کا ایک بات بتلائے آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ کس حدیث پر عمل

کیا جائے اور کونسی حدیث ترک کی جائے۔ یہی بات حدیث کے قول

سے معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے فخر کیا کہ اپنے شاگردوں سے

کہ میرے پاس ایک مہینہ بیٹھنے سے ابو حنیفہ رحمہ کے پاس ایک روز

ہیشتا بہتر ہے حالانکہ زبیر رحہ کے حلقہ میں حدیث ہوتی تھی اور امام حماد کے حلقہ میں فقہ۔

م۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحہ کے حلقہ میں اکابر کو دیکھا کہ صغار اور کم وقعت معلوم ہوتے تھے۔

م ک حص۔ فضل ابن موسیٰ رازی رحہ کہتے ہیں کہ ہم مشایخ حجاز و عراق کی خدمت میں جایا کرتے تھے مگر جو برکت اور نفع ابو حنیفہ رحہ کے مجلس میں تھا وہ کسی مجلس میں نہ تھا۔

امام صاحب کے حلقہ میں برکت اور نفع ہونے کے کئی سبب تھے ایک تو خود امام صاحب کا وجود با جود جن کی ذات سے وہ تمام برکتیں وابستہ تھیں۔ دوسرا یہ کہ اہل حلقہ تقریباً کل علما اور محدثین ہوتے تھے کیونکہ معمولی علما ان کی باہمی تقریریں جو تحقیق مسائل میں ہوتی تہیں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور ظاہر ہے کہ متبحر محدثین کا مجمع کس قدر بابرکت ہو سکتا ہے تیسرا حل مشکلات و کشف مبہمات اور معلوم نہیں ان کے سوا اور کیا کیا معنوی برکات و فیوض اُن کے قلوب پر فایض ہوتے تھے۔

م ک۔ خلف ابن ایوب رحہ کہتے ہیں کہ میں محدثین کی مجلسوں میں جایا کرتا تھا مگر جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو مجھے غم ہوتا۔ پھر جب ابو حنیفہ رحہ کے حلقہ میں آکر اُن سے دریافت کرتا تو وہ اس خوبی سے اشکال کو حل کرتے کہ میرے دل میں ایک نورانی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُس متبرک حلقہ کے ضروری مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی
تھا کہ طالبین حق کے شبہات حل کئے جائیں۔

ت ک۔ قاسم بن معین رح سے کسی محدث نے کہا کیا آپ پسند کرتے ہو
کہ ابوحنیفہ رح کے لڑکوں یعنی کم درجہ کے شاگردوں میں شامل رہو۔ کہا ابوحنیفہ
کی مجلس سے زیادہ کسی مجلس میں نفع نہیں ہو سکتا اگر تم خود چلکر دیکھ لو۔ کے
تو یہ معلوم ہو جائیگا۔ چنانچہ وہ اُن کے ساتھ گئے اور قائل ہو گئے کہ فی الحقیقت
اُن کا مثل نہیں اور پھر انہوں نے امام صاحب کے حلقہ کو کبھی نہ چھوڑا۔ یہ
واقعہ تہذیب الکمال میں بھی لکھا ہے۔ قاسم ابن معن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
کے پوتے ہیں اور امام صاحب کا انتساب فقہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف
ہے اس وجہ سے اُن محدث صاحب نے اُن کو عار دلایا کہ آپ ایسے نامی
وگرامی خاندان کے شخص ہو پھر اس ذلت کو کیوں پسند کرتے ہو
مگر طالبین حق پر ایسے افسون کب اثر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے قائل کرنے کی
یہ تدبیر نکالی کہ انہی کو منصف قرار دیدیا اور فی الحقیقت وہ تحقیق کے بعد منصف
قائل ہو گئے۔ دراصل یہ قاسم رح کے صدق کا اثر تھا کہ مخالف کو گرویدہ بنا
دیا۔

م ک ص۔ ابو معاذ بلخی رح کہتے ہیں جو شخص ابوحنیفہ کے حلقہ میں نہیں
بیٹھتا مفلس رہگیا جس میں کوئی خیر نہیں۔
لکھا ہے ابو معاذ وہ شخص ہیں کہ امام مالک رح اُن کی نسبت اپنی آرزو ظاہر
کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہارے یہاں تین شخص جو خراسان میں ہیں

ایسے ہیں کہ خالصاً لوجہ اللہ مقام کریم میں قائم ہیں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں اُن کو کسی کا خوف نہیں کاش وہ ہمارے یہاں ہوتے وہ تین شخص یہ ہیں تو ابن سعد۔ ابن متوکل اور ابو معاذ۔ اُنکے خلوص اور بے خوفی ہی کا اثر تھا کہ امام صاحب کے مخالفوں کی نسبت صاف صاف کہدیا کہ مجلس میں ان میں کوئی خیر نہیں۔ اور ذرا بھی خیال نہ کیا کہ محدثین زمرۂ اہلحدیث سے اُن کو خارج کر دیں گے۔ لاخیر فیہ کہنے کی یہی وجہ ہوگی کہ حدیث کے الفاظ یاد کر لینے سے مسلمانوں کو کیا نفع نہ کسی معاملہ میں فتویٰ دے سکتے ہیں نہ خود اُنپر عمل کر سکتے ہیں۔

ک۔ عبداللہ بن مبارک رح فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ابو حنیفہ رح کو اس امت کے لئے رحمت پیدا کیا۔ جو شخص اُنکے حلقہ میں نہیں بیٹھا یا اُن کے علم میں نظر نہیں کیا وہ محروم اور ناقص رہا۔

چونکہ ابن مبارک رح امیر المومنین فی الحدیث مسلّم ہو چکے تھے اسلئے انکو حق تھا محدثین کو اُن کے نقص اور محرومی پر مطلع کر دیں۔ مگر افسوس ہے کہ بعض خود سروں نے اُن کی بھی نہ مانی۔

م ک ص۔ جریر بن عبدالحمید کہتے ہیں۔ مغیرہ رح نے مجھسے کہا کہ ابو حنیفہ رح کے حلقہ کو اگر لازم پکڑو گے تو فقیہ ہو جاؤ گے اور اگر احیاناً میں جانے میں قصور کرتا تو خفا ہو کر فرماتے کہ بلا ناغہ جایا کرو۔ ہم اور ابو حنیفہ رح حماد رح کے ہاں جایا کرتے تھے مگر جو علم کا فتح باب ابو حنیفہ رح کے لئے ہوا وہ ہمارے لئے نہیں ہوا۔

خفگی کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جریر رح طالب علمی کے زمانہ میں امام صاحب کی قدر کیا جان سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ ابتدائی نظر میں طلب حدیث سے بہتر کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی پھر اُسپر علاوہ امام صاحب کے حاسدوں کا روکنا مگر چونکہ استاد بالغ النظر تھے کمال شفقت سے اُن کو ایسی بات پر مجبور کرتے تھے جو اُن کے حق میں نافع تھی۔

م خلاد سکونی رح کہتے ہیں کہ ایک روز میں زہیر ابن معاویہ کے یہاں گیا انہوں نے پوچھا کہاں سے آتے ہو میں نے کہا ابوحنیفہ کے یہاں سے فرمایا خدا کی قسم اُن کے پاس ایک روز بیٹھنا میرے یہاں ایک مہینہ بیٹھنے سے تمہارے لئے انفع ہے کما مر سالفا۔

م ک ص جریر ابن عبد الحمید کہتے ہیں کہ مغیرہ بن قاسم کہا کرتے تھے کہ اگر ابراہیم نخعی رح زندہ ہوتے تو وہ بھی ابوحنیفہ کے حلقہ کے محتاج ہوتے خدا کی قسم ابوحنیفہ حلال و حرام میں نہایت عمدگی سے کلام کرتے ہیں۔ ابراہیم نخعی رح امام صاحب کے استاد اور بڑے فقیہ تھے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ رح اُنکے مقلد تھے وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اکثر امام صاحب کے اجتہاد امام نخعی رح کے اجتہادوں کے مطابق تھے۔ اس قرینہ سے شاہ صاحب نے یہ لکھدیا دراصل یہ توارد ہی تھا تقلید پر قرینہ نہیں ہوسکتا۔ دیکھ لیجیے امام صاحب کے اجتہاد اکثر امام مالک رح کے اجتہادوں کے ہی مطابق ہوا کرتے ہیں جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ پھر جب اُسی زمانہ کے علما اپنی ذاتی امتیاز

سے یہ تصریح کر رہے ہیں کہ ابراہیم رح بھی زندہ ہوتے تو ابو حنیفہ رح کے محتاج ہوتے تو اس گواہی کے مقابلہ میں اجمالی قرینہ قابل اعتبار نہیں اور اُسی کے مؤید وہ روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ عثمان مدنی رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رح حماد اور ابراہیم اور علقمہ اور ابن اسود رح سے افضل تھے اور نیز ابن مبارک رح کا وہ قول ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ ابو حنیفہ رح اگر تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو وہ بھی انکی طرف محتاج ہوتے۔

م ک ص۔ وہب ابن جریر ابن حازم رح کہتے ہیں کہ میرے والد ابو حنیفہ کے حلقہ میں بہت بیٹھے ہیں وہ ہمیشہ ابو حنیفہ کی کتابیں دیکھنے کی مجھے ترغیب دیا کرتے تھے۔

ک۔ جریر رح کہتے ہیں کہ جب اعمش رح سے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا تو اکثر فرماتے کہ ابو حنیفہ کے حلقہ میں جاؤ۔ اُنکے یہاں جو مسئلہ پیش ہوتا ہے وہ لوگ مباحثہ کر کے اُس کو نہایت روشن کر دیتے ہیں۔ غور کیجئے کیسا مُستند حلقہ تھا کہ اعمش رح جیسے جلیل القدر استاد المحدثین اُسکی توثیق کر کے طالبین حق کو وہاں جانے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ ایسے اکابر محدثین کی گواہیوں کے مقابلہ میں یہ کہنا کہ ابو حنیفہ نے حدیثوں کی مخالفت کی اُن محدثین پر یہ الزام لگانا ہے کہ انہوں نے بھی اس مخالفت سے حصہ لیا اور اُس کی تائید کی۔

م ص ک ت۔ عبداللہ ابن مبارک رح فرماتے ہیں کہ مسعر رح جب ابو حنیفہ رح کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے اور جب بیٹھتے تو رو برو بیٹھتے

امثال شاگردوں کے سوال اور استفادہ کرتے امام موفق اور سبط ابن جوزی رحمہ نے لکھا ہے کہ مسعر وہ شخص تھے کہ حفظ اور زہد میں اہل کوفہ کو اُن پر فخر تھا اور اکابر محدثین اور خود امام صاحب کے بھی استاد تھے غور کیجئے کہ جب ایسے جلیل القدر استاد المحدثین امام صاحب کے حلقہ میں شاگردوں کی طرح بیٹھتے ہونگے تو اُس حلقہ کی کس قدر وقعت طالبین حق کے دل میں متمکن ہوتی ہوگی۔

مدعاک ابن سماک رحمہ کہتے ہیں کہ کوفہ کے استاد چار ہیں سفیان ثوری اور مالک ابن مغول اور داؤد طائی اور ابو بکر نہشلی اور یہ سب ابو حنیفہ رحمہ کے حلقہ میں بیٹھے ہیں۔

مم کسی نے یحیٰی ابن معین سے پوچھا کیا سفیان ثوری نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہا ہاں ابو حنیفہ حدیث اور فقہ میں ثقہ اور صدوق تھے اور دین الہی پر امین تھے۔

اگرچہ سفیان ثوری رحمہ سے مختلف روایتیں وارد ہیں لیکن انہی روایتوں سے صفائی ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اوائل یا اواخر میں حلقہ میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو۔ اور یہ کوئی مستبعد اور قابل تعجب بات نہیں اس لئے کہ ابن مبارک رحمہ وغیرہ کی شہادتوں سے خود مسعر رحمہ کا امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھنا ثابت ہے جو سفیان ثوری رحمہ کے استاد ہیں۔

ک یحیٰی ابن معین رحمہ کہتے ہیں کہ ہم ابو حنیفہ رحمہ کے حلقہ میں بیٹھے۔

اور اُن سے سُنے اور لکھے ہیں جب میں اُن کی طرف دیکھتا تو اُن کے چہرہ سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ خدا کا اُن کو بہت خوف ہے۔

کہ عن حارث بن عمیر کہتے ہیں کہ جب ابو حنیفہ رح مکہ معظمہ جاتے تو ابن جریج اور عبد العزیز ابن رواد اُن کے ساتھ بیٹھتے اور ابن جریج اُن کی نہایت مدح کرتے اور عبد المجید بن عبد العزیز ابن رواد سے روایت ہے کہ جب ابو حنیفہ رح مکہ معظمہ کو آتے تو میرے والد ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتے اور تمام موسم میں اُن کی اقتدا کرتے اور جب کوئی مسئلہ اُن پر مشتبہ ہوتا تو اُن سے دریافت کرتے۔

مرص ک ابو سعد صاغانی کہتے ہیں کہ حسن بن عمارہ امام صاحب کے حلقہ میں اکثر بیٹھتے اور اثنا ئے تحقیق مسائل میں اپنا حدیث پیش کرتے تھے چنانچہ اکثر روایتیں جو ہم اُن سے کرتے ہیں وہی ہیں جنکو امام صاحب کے حلقہ میں ہم نے اُن سے سنا ہے۔ اور امام صاحب کے کہنے سے لکھ لیا ہے۔

ک مسعر بن کدام امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھا کرتے اور اُن کے علم سے استفادہ حاصل کرتے اور فتویٰ میں اُن کے قول کے خلاف نہ کرتے۔ اور کہا کرتے تھے کہ وہ میرے اور میرے رب کے درمیان ہیں یعنی میں اُن کی پیروی کرتا ہوں اس وجہ سے کہ وہ اُن خصائل کے جامع ہیں جن کے باعث اقتدا کیجاتی ہے یعنی فقاہت ورع تقویٰ اور اصول کی معرفت۔ ان تمام امور میں وہ ضرب المثل ہیں

WWW.NAFSEISLAM.COM

کردری نے لکھا ہے کہ تو بہ اہل مرو کے امام اور دین کے معاملہ میں سخت تھے
چنانچہ ابن مبارک رحہ نے اُن کی نسبت کہا ہے کہ وہ مومن قوی القلب تھے
اور نضر ابن زیاد کہتے ہیں کہ ایک بار امام مالک رحہ کے پاس میں بیٹھا تھا
تو بہ ابن سعد کا ذکر آیا انہوں نے فرمایا مجھے آرزو آتی ہے کہ اُن کے
جیسا ایک شخص ہمارے یہاں ہوتا۔ دیکھئے ایسے اشخاص کا ملازم حلقہ رہنا
اور یہ کہنا کہ ابو حنیفہ میرے اور خدا کے درمیان ہیں۔ کوئی معمولی بات نہیں
ک - نوح ابن مریم کہتے ہیں کہ میں ابو حنیفہ کی صحبت اور حلقہ میں رہا ہوں
انکے بعد اُن کا مثل نہیں دیکھا۔
م ص ک - وزیر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک کثیر جماعت
یاسین بن معاذ زیات رحہ کے پاس تھی۔ انہوں نے نہایت بلند آواز کی
جس طرح اذان کہی جاتی ہے پکار کے کہا اے لوگو ابو حنیفہ کو غنیمت
سمجھو اور اُن کے حلقہ کو غنیمت جانو اُنسے علم حاصل کر و اُنکے جیسے عالم
کے ساتھ بیٹھنا تمہیں نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ تم اُنسے زیادہ حلال وحرام
جاننے والے کو پاؤ گے۔ یاد رہے کہ اگر تم اسکو کھو دو گے تو علم کثیر
تم سے فوت ہو جائے گا۔
یاسین زیات بڑے نامی فقیہ تھے جیسا کہ ذہبی رحہ نے میزان میں لکھا ہے
کہ وہ کبار فقہاے کوفہ سے تھے اور مفتی کوفہ بھی تھے۔ جب ایسے شخص
مکہ معظمہ جیسے شہر میں جہاں روے زمین کے مسلمانوں کا مجمع سالہا سال ہوا کرتا ہے
امام صاحب کے فضائل اور اُن کے حلقہ کے فوائد کی منادی کرتے ہوں

توخیال کیا جاے کہ کس قدر علماء دور دراز سے اُس متبرک حلقہ میں شریک رہتے ہونگے۔

ک م ص۔ ابراہیم ابن فیروز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رحمہ کو دیکھا کہ مسجد میں بیٹھے ہیں اور اہل مشرق و مغرب آکر ہم سے وہ مسائل پوچھتے جاتے ہیں اور آپ جواب دیئے جاتے ہیں اور پوچھنے والے معمولی لوگ نہیں بلکہ فقہا اور خیار الناس تھے۔

اگرچہ فتویٰ طلب کرنے والے عوام الناس بھی ہوں گے مگر اس میں شبہ نہیں کہ محدثین کو بھی اُس کی سخت ضرورت تھی کیونکہ اختلاف احادیث و آثار جس مسئلہ میں ہوتا ہے مفتی کو یہ قول معلوم نہ ہو تو اہل علم کو سخت پریشانی ہوتی ہے۔ اور امام صاحب کی تحقیق شہرۂ آفاق ہو گئی تھی۔ اسلئے ہر ملک کے اہل حدیث کا مجمع امام صاحب کے یہاں رہا کرتا تھا

ک۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ لوگ طوعاً و کرہاً امام صاحب کے منقاد ہوے جاتے تھے آپ کے یہاں جو ہجوم رہتا تھا دن بھر اور رات کے کچھ حصہ میں منقطع نہیں ہوتا تھا خواہ آپ مسجد میں ہوں یا مکان میں۔

م ص ک۔ خالد بن صبیح کہتے ہیں کہ ایک رات امام صاحب عشا کی نماز پڑھ کر جا رہے تھے۔ کہ زفر رحمہ نے کوئی مسئلہ پوچھا امام صاحب نے جواب دیا مگر اُن کو تسکین نہ ہوئی اور صبح تک مناظرہ ہوتا رہا پھر نماز صبح کے بعد بھی گفتگو رہی یہاں تک کہ زفر رحمہ کو تسکین ہوئی۔

چونکہ دینی مسئلہ کی تحقیق کی فضیلت اور ثواب بھی نوافل کے ثواب سے

کم نہیں اسلئے امام صاحب نے اُس رات خدمت علمی کو تہجد پر ترجیح دی
شاید یہاں یہ نکتہ چینی کی جائیگی۔ کہ دوسری روایتوں میں بیان کیا گیا ہے
کہ چالیس سال تک امام صاحب نے عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی
یعنی رات بھر تہجد پڑھا کرتے تھے اور اس روایت میں ہے کہ اُس رات
نماز تہجد بھی نہیں پڑھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے ناغے اُس
روایت کے منافی نہیں ممکن ہے کہ بیماری وغیرہ میں اور بھی ناغے ہوئے
ہوں مقصود اُس روایت سے یہ ہے کہ اُس مدت میں بلا وجہ کبھی آپنے ناغہ
نہیں کیا۔

م ص۔ مسعر رح کہتے ہیں کہ امام صاحب کے حلقہ میں لوگوں کا ایک ہجوم
اور ہنگامہ رہتا تھا کوئی سوال کر رہا ہے اور کوئی مناظرہ کر رہا ہے مگر اس
گڑبڑ میں امام صاحب جب تقریر کرتے تو سب ساکت ہو جاتے لکھا ہے
کہ اسوقت مسعر رح کہا کرتے کہ اتنے بلند آوازوں کو جس شخص کی تقریر
سے اللہ تعالیٰ ساکت کر دیتا ہے وہ اسلام میں ایک عظیم الشان شخص ہے

ک۔ شقیق بلخی رح کہتے ہیں کہ ایک روز ہم ابو حنیفہ رح کے پاس بیٹھے تھے
اور مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی کہ یکایک مسجد کے سقف سے ایک
سانپ امام صاحب کے سر کے محاذی نظر آیا یہ دیکھتے ہی لوگ بھاگے
اور میں بھی اُن کے ساتھ بھاگا گر امام صاحب کو جنبش نہ ہوئی یہاں تک
کہ وہ سانپ امام صاحب کے گود میں گرا آپنے اُس کو ہاتھ سے جھٹک دیا
اور اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔ اور یہی روایت مالک ابن دینار رح سے

بھی مروی ہے۔

اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ مسجد امام صاحب کے حلقہ سے بھری رہا کرتی تھی ان شہادتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ امام صاحب کا حلقہ طالبین کمال سے مالامال رہتا تھا۔ اور تقریر بالا سے یہ بھی مستفاد ہے کہ اکثر محدثین بھی کا مجمع اس میں رہا کرتا تھا اس کا ثبوت کئی دلائل و قرائن سے ہو سکتا ہے جن میں سے چند یہاں لکھے جاتے ہیں۔

متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ اکابر دین جیسے مسعر، عبداللہ بن مبارک رحمہ، یحییٰ ابن سعید، مکی ابن ابراہیم، مقاتل ابن حیان، فضل ابن یحییٰ، جریر ابن حازم، جریر ابن عبدالحمید، قاسم بن معن، ابو یوسف، محمد ابن حسن زفر، داؤد طائی، شفیق بلخی، مالک ابن دینار وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ استفادہ امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھا کرتے تھے اور جہاں یہ حلقہ ہوتا تھا کوئی خالی جگہ کا مقام نہ تھا بلکہ اکثر مسجد میں نشست تھی جہاں اہل شہر اور مسافرین اور بیرونی بھی خاص کر ذی علم لوگ بے روک ٹوک چلے جاتے ہیں پھر حدیث بھی کس قسم کی جس میں محدثین کا آنا ضروریات سے تھا چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ دوسرے شہروں میں میں ایک ایک دو دو بار گیا اور کوفہ کو محدثین کے ساتھ اتنے بار گیا کہ اس کا شمار نہیں۔ اگر اوروں کو امام بخاری کا سا شوق نہ بھی ہو تو کم از کم ایک دو بار تو جانا ضروری ہی سمجھا جاتا تھا۔

پھر یہ حلقہ نشین حضرات ایسے نہ تھے کہ طالبین فن حدیث پر مخفی رہیں خزانہ حدیث کا ایک بڑا حصہ انہی حضرات کے یہاں تھا جن کی طلب میں محدثین کو ق

جاتے تھے۔ اب غور کیجئے کہ جوق جوق بلاد اسلامیہ کے مختلف حصوں سے
کوفہ میں آتے اور اس حلقۂ درس کی کیفیت بچشم خود دیکھتے ہوں گے
کہ اکابر دین زانوئے ادب تہ کئے ہوئے امام صاحب کے گرد
بیٹھے ہیں اور امام صاحب کی پُر زور تقریر دریا کی طرح امڈی چلی آتی ہے
اور موافق و مخالف کو مجال نہیں کہ دم مار سکے۔ اگر کسی نے کوئی مسئلہ پیش کیا
[illegible] تو اس قدر کہتے ہوں گے کہ ایک استاد صاحب شاگردوں کو
پڑھا رہے ہیں۔ مگر جب حلقہ سے [illegible] دیکھتے [illegible] اور قرب و جوار
تھی کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں۔ پھر کیا ممکن ہے کہ ایسی حیرت انگیز بات
وہ بھول جاتے ہوں گے نہیں جہاں جہاں سے وہ آئے تھے اگر واپس [illegible] تو
سب نے اپنے احباب اور ملاقاتیوں سے روئداد بیان کی اور جیسا کہ
انکو زیادہ تر ضروری اور شوق تھا بیان کرتے ہوں گے یہی سبب ہے جو تھوڑی ہی
مدت میں امام صاحب کی [illegible] ملک میں مشہور ہو گئی تھی۔

اب غور کیجئے کہ امام صاحب کا حلقۂ درس [illegible] کہ
قلیل علوم کی بدولت [illegible] کیا ممکن ہے کہ اس شخص کے
حلقہ کے دیکھنے اور اس سے مستفید ہونے کا شوق دنیا بھر کے اہل علم
کو ایک دلچسپی ہوگی کہ یہ خبر شہرت [illegible] اس حلقہ کی طرف [illegible]
لاتی تھی پھر علاوہ اس خبر شہرت کے ہر ملک و دیار کے مختلف حصوں سے
جو امام صاحب کی تعریف کرتے ہیں وہ حد سے زیادہ ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ
کے [illegible] کتابیں [illegible] نکلتا [illegible] تھوڑی [illegible]

باوجود اسکے جن محدثین نے آپ کی تعریفیں کیں اور اپنے چشمدید واقعے بیان کیے اس کثرت سے اُنہیں مذکور ہیں کہ ہم بالاستیعاب اُن کو نہ لکھ سکے۔ اگرچہ جس قدر لکھے گئے ہیں وہ بھی اتنے ہیں کہ بے تعصب منصف مزاج کے اطمینان کے لیئے کافی ووافی ہوسکیں مگر قابل غور یہ بات ہے کہ جو کتابیں ہم تک نہیں پہونچیں وہ کتنی ہوں گی اور اُن میں کتنے محدثین سے امام صاحب کے فضائل مروی ہوں گے۔

الحاصل اکابر محدثین نے امام صاحب کی نسبت جو فرمایا ہے جسکو آپنے ابھی دیکھ لیا کہ ہم لوگ عطار ہیں اور آپ طبیب حاذق۔ آپ کا سا دقیقہ شناس عالم عاقل ذکی ذی فہم صاحب حافظہ دنیا میں نہیں۔ آپ کا مثل اور تو کیا طبقۂ تابعین میں کبھی نہیں دیکھا گیا آپ کا مثل بہت تلاش کیا مگر نہ ملا۔ آپ اعلم الناس اور افقہ الناس اور اورع الناس ہیں کوئی عالم آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا جس نے آپ سے مباحثہ کیا وہ مغلوب اور ذلیل ہوا۔ متفرق علما کے پاس جس قدر علم ہے وہ سب آپکے پاس جمع ہے صحابہ میں جو علم تقسیم ہوا تھا وہ سب آپ کے یہاں ہے زمانہ کے لوگ جس علم کی طرف محتاج ہیں وہ آپ خوب جانتے ہیں اور جو علم آپ نہیں جانتے وہ وبال جان ہے۔ آپنے علم کی جو تفسیر کی ہے وہ کسی سے نہ ہوسکی مشکل حدیثوں کو جس طرح آپنے حل کیا کوئی نہ کرسکا۔ تمام علما تفسیر احادیث میں آپ کے محتاج ہیں۔ آپ فقہ و فتوی میں مؤید من اللہ ہیں۔ سید الفقہا ہیں۔ جو شخص آپ کے حلقہ میں

نہ پیشاوہ جعلی اور محروم رہ گیا وغیرہ وغیرہ۔ ان امور کی شہرت سے [illegible]
اور متدین محدثین کے نزدیک آپ ایسے نیک نام تھے کہ احادیث موضوعہ کو
رواج دینے والے کہا کرتے تھے کہ یہ روایت ابو حنیفہ سے ہے [illegible]
ہے تاکہ کوئی چون و چرا نہ کر سکے۔ چنانچہ میزان الاعتدال میں احمد بن جعفر
کے ترجمہ میں ابن حبان کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی عادت
تھی کہ مساجد جامع میں صباحی ہو کے [illegible]
میں اس کا سرمایہ حدیث معلوم کرے [illegible]
ایک ذخیرہ پیش کیا اس میں دیکھا کہ تین سو سے زیادہ حدیثیں ابو حنیفہ سے
مروی ہیں۔ حالانکہ ابو حنیفہ نے وہ روایتیں کسی شخص سے کبھی نہیں کی ہیں [illegible]
شیخ خدا اسے [illegible]
اور اسی میں احمد بن یعقوب کے ترجمہ میں حاکم کا قول نقل کیا ہے کہ وہ
حدیثیں بنا کر لوگوں میں روایت کی تاکہ یہ روایتیں سب ابو حنیفہ سے [illegible]
ہیں غرضیکہ امام صاحب محدثین میں ایسے مشہور [illegible] تھے
ایسے شخص کی نسبت ساقط الحدیث کی جرح مذکورہ بالا شہادتیں
شہرہ آفاق ہوئی ہو گی تو عقل سلیم ہرگز قبول نہیں کر سکتی [illegible] اگرچہ بیان
ہو یہ بات دوسری ہے کہ بعض طالب علم [illegible]
سے اس حالت میں شبہ نہیں سکتے تھے [illegible]
ان محدثین میں سب جو متقدمین [illegible]
و دقائق حدیث کیلئے اور احادیث کے اشکال حل [illegible] ضرورت کا احساس [illegible]

وہ تو امام صاحب کے حلقہ میں شریک ہوتے اور حاسدین کے اقوال کی
تفہیم کئے تھے۔ دیکھئے عبد اللہ ابن مبارک رح کو ان لوگوں نے کس
طرح بہکانا چاہا تھا مگر انہوں نے ایک کی نہ سنی اور دائم شریک حلقہ میں ہی
رہے گئے۔ اور امام صاحب کے فیضان صحبت کو دیکھ کر صاف کہہ دیا کہ
اگر خدا کی باتوں کا میں یقین نہ کر لیتا تو مفلس اور محروم رہ جاتا اور بازاری علی
[illegible] ہوتا اور طلب حدیث میں اس قدر محنت کی تھی اور مال صرف کیا
سب ضائع ہو جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ اکثر طلبا امام صاحب کے
حلقہ کے دشمن تھے اور قسم قسم کی برائیاں کر کے وہاں جانے
سے لوگوں کو روکتے تھے مگر سلیم مزاج اور طالبین کمال [illegible]
ان شیطانوں کے مقابلہ میں اُن کے قول کو تو بعید سمجھ کر نفس الامر کی تحقیق
کے لئے حلقہ میں جا کے بیٹھتے تھے۔ جب اُن کی نظر امام صاحب
کے چہرہ پر پڑتی تو آپ کے تقویٰ اور خوف و خشیت الٰہی پر خود [illegible]
تھے جس سے بطلان اُن کی اور خاصہ جو اللہ قبیل ظلم کرنے والوں کا یقین
ہو جاتا کہ ممکن نہیں کہ ایسے متقی باخدا شخص دین میں کوئی بات خلاف مرضی
خدا اور رسول کے احداث کریں۔ پھر جب تقریر سنتے تو نور علی نور کا مضمون
صادق آ جاتا اور اگر ابتدا میں بعض [illegible] تقریر کے بعد میں [illegible] خیال کر کے تو
کر رفتہ رفتہ لگے سمجھنے کی بھی استعداد ہو جاتی جیسا کہ عبد اللہ ابن مبارک
نے کہا اور جن طبیعتوں میں چنداں خوف خدا یا استقلال یا دقیق الطبع
مضامین سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی وہ عدم مناسبت طبعی کی وجہ سے حلقہ سے

خارج ہو کر حاسدوں اور عجمی طلبہ کی جماعت کو قوت دیتے جس سے بھولے بھالے محدثین اس متبرک حلقہ میں جانے کو بھی برا سمجھتے اور صرف سنی سنائی باتوں پر امام صاحب سے مخالفت رکھتے تھے۔ الحاصل تمام ممالک اسلامیہ کے منتخب حق پسند محدثین جن کی طبیعتوں میں استقلال اور مزاجوں میں تدین اور اذہان میں صفائی اور افہام میں رسائی تھی وہ امام صاحب کے حلقہ میں ضرور شریک ہو کر تحقیق مسائل کے وقت اپنا علمی سرمایہ جو شہر بشہر اور قریہ بقریہ پھر کر جمع کیا تھا پیش کیا کرتے جن کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہو گا۔

یوں تو امام صاحب کے حلقہ میں مسئلے پوچھنے کے لیے جہلا اور شبہات رفع کرنے کے لئے طلبہ بھی آتے تھے مگر وہ ارکان حلقہ اور شاگرد نہیں سمجھے جاتے تھے۔ ارکان حلقہ وہ حضرات تھے جو تحصیل حدیث سے فراغت پاکر تفقہ حاصل کرنیکے لئے آتے تھے۔ دیکھئے امام ابو یوسف اور امام محمد رح حالانکہ امام صاحب کے اعلیٰ درجہ کے شاگرد ہیں مگر انہوں نے بھی حدیث امام صاحب سے نہیں پڑھی جیسا کہ کردری رح نے مناقب میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رح نے تحصیل حدیث ابو اسحٰق۔ وسلیمان اعمش۔ ہشام ابن عروہ و عبداللہ بن عمر العمری وحنظلہ ابن ابی سفیان۔ وعطاء ابن السائب اور لیث ابن سعد وغیرہ رحمہم اللہ سے کی ہے اور لکھا ہے کہ امام محمد رح نے مسعر بن کدام اور ثوری اور عمرو ابن دینار اور امام مالک اور ابی عمرو اوزاعی اور زمعہ بن صالح اور بکر وغیرہ رحمہم اللہ سے تحصیل حدیث کی ہے اور وکیع رح کا قول

نقل کیا ہے کہ تحصیل حدیث کے زمانہ میں ہم اُنکے ساتھ چلنے کو پسند نہیں کرتے تھے اس وجہ سے کہ وہ نہایت خوبصورت لڑکے تھے۔ غرض۔

حدیث کی تحصیل انہوں نے امام صاحب سے نہیں کی۔

م۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ ہم جھوٹ کبھی نہ کہیں گے فقہ میں امام ہمارے امام ابوحنیفہ ہیں اور حدیث میں سفیان " اس سے ظاہر ہے کہ حدیث انہوں نے باہر پڑھی۔

م ص۔ فضل ابن جعفر کہتے ہیں کہ روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے بہت کم سنا ہے اور جس قدر سنا ہے وہ میرے نزدیک بہت سارے مسموعات و مرویات سے زیادہ تر محبوب ہے کسی نے پوچھا پھر آپ اُن کے حلقہ میں زیادہ کیوں نہیں بیٹھے کہا میں نے پہلے شعبہ رح کے حلقہ کا التزام کیا اُسکے بعد ابن جریج کے یہاں گیا اور میری رائے یہ تھی کہ آخر میں کوفہ کا طریقہ اختیار کروں اور ابوحنیفہ کے حلقہ میں بیٹھوں مگر ابن جریج رح ہی کے یہاں اُنکے انتقال کی خبر آئی یعنی اُن کا ارادہ یہ تھا کہ ان اکابر محدثین کے یہاں تحصیل حدیث کر کے امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھنے کی صلاحیت پیدا کریں اس سے ظاہر ہے کہ بعد تحصیل حدیث امام صاحب کے حلقہ میں جایا کرتے تھے

الحاصل تقریر بالا سے واضح ہے کہ اُس زمانہ کے تقریباً تمام منصف مزاج محدثین امام صاحب کے حلقہ میں منسلک تھے۔ مگر چونکہ تمام بلاد اسلامیہ کے محدثین کی فہرست لکھنا کوئی آسان کام نہیں اور نہ امام صاحب

طبیعت میں داخل تھی کہ افتخار کی غرض سے ایک رجسٹر بناتے جس میں وقتاً فوقتاً جو لوگ شریک حلقہ ہوتے اُنکے نام لکھ دئے جاتے اِسلئے کل تلامذہ کی فہرست نہ ملسکی۔ چنانچہ خیرات الحسان میں لکھا ہے کہ امام صاحب سے جن لوگوں نے حدیث وفقہ لی ہے انکا استیعاب متعذر ہے اور ضبط ممکن نہیں۔ اسوجہ سے بعض ائمہ حدیث نے کہا ہے کہ جس قدر امام صاحب کے اصحاب اور تلامذہ تھے کسی امام کو اُتنے نصیب نہ ہوے مگر سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ حافظ ابو المحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس میں مستفید ہوے غالباً یہ تعداد مشہور محدثین کی ہوگی یا اُن محدثین کی ہوگی جو اکثر ملازم حلقہ رہا کرتے تھے اور اس کا ثبوت ردالمختار سے بھی ملتا ہے چنانچہ اُس میں بحوالہ طحطاوی رحہ لکھا ہے کہ فقہ کے جمع کرتے وقت ایک ہزار عالم امام صاحب کے ساتھ تھے جس میں چالیس شخص درجہ اجتہاد کو پہونچے ہوے تھے اتنے علما میں مسئلہ کی تحقیق ہوتی اور سب کے اتفاق سے جب طے ہوتا توا سوقت کتاب میں لکھا جاتا تھا۔

اب ہم چند اکابر محدثین کے نام تبرکاً لکھتے ہیں جو تحصیل فقہ کی غرض سے امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھتے اور اپنا اندوختہ سرمایۂ حدیث بحسب ضرورت پیش کرتے تھے اور امام صاحب کی تقریر اور طریقہ اجتہاد میں غور کرتے جاتے تھے کہ جن احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے کس طرح اوٹھایا جاتا ہے اور بعض احادیث کے ظاہری معنی سے عدول

کن ضرورتوں سے کیا جاتا ہے۔"

عبداللہ بن مبارک رح تھذیب التھذیب میں ابن حجر عسقلانی رح سے لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مبارک رح ان حضرات کے شاگرد ہیں سلیمان تیمی بصری حمید الطویل بصری۔ اسمٰعیل ابن ابی خالد کوفی۔ یحییٰ ابن سعید الانصاری بخاری مدنی۔ سعد ابن سعید الانصاری مدنی۔ ابراہیم ابن ابی عبلہ مقدسی ابی خلدہ خالد ابن دینار بصری۔ عاصم الاحول بصری۔ ابن عون بصری۔ عبداللہ ابن عمر مدنی۔ عکرمہ ابن عمار یمامی۔ عیسیٰ ابن طہمان البصری ثم الکوفی فطر ابن خلیفہ کوفی۔ محمد ابن عجلان مدنی۔ موسیٰ ابن عقبہ مدنی۔ ابراہیم بن عقبہ مدنی۔ اعمش کوفی۔ ہشام ابن عروہ مدنی۔ ثوری کوفی۔ شعبہ واسطی۔ اوزاعی دمشقی۔ ابن جریج مکی۔ مالک مدنی۔ لیث مصری۔ ابی ابن ذئب مدنی۔ ابراہیم بن طہمان نیشاپوری۔ ابراہیم بن نشیط مروزی۔ ابی بردہ یزید بن عبداللہ بن ابی بردہ کوفی حسین المعلم بصری حیوۃ بن شریح مصری خالد بن سعید الاموی۔ خالد عبدالرحمٰن بن بکر السلمی بصری۔ زکریا بن اسحٰق مکی۔ زکریا بن ابی زائدہ کوفی۔ سعید بن ابی عروبہ بصری۔ سعید بن ابی ایوب مصری۔ ابی شجاع سعید بن یزید القتبانی۔ اسکندرانی۔ سعید بن ایاس الجریری۔ سلام بن ابی مطیع بصری۔ صالح بن صالح بن حی کوفی۔ طلحہ بن ابی سعید مصری۔ عبدالملک بن ابی سلیمان کوفی۔ عمر بن ذر کوفی۔ عمر بن سعید بن ابی حسین مکی محمد بن عمر بن فروخ۔ عمرو بن میمون بن مہران کوفی۔ عوف الاعرابی۔ محمد بن ابی حفصہ بصری۔ معمر بن راشد بصری۔ ہشام بن حسان بصری۔

وہیب بن الورد مکی - یونس بن یزید الایلی - ابی بکر بن عثمان بن سہل بن حنیف
مدنی وخلق کثیر اُسکے بعد اُن کے شاگردوں کی یہ فہرست لکھی - ثوری -
معمر بن راشد - ابواسحٰق الفزاری - جعفر بن سلیمان الضبعی - بقیہ بن الولید -
داؤد بن عبدالرحمٰن العطار - ابن عیینہ - ابوالاحوص - فضیل بن عیاض -
معتمر بن سلیمان - ولید بن مسلم ابوبکر بن عیاش وغیرہم یہ وہ حضرات ہیں،
جو اُنکے شیوخ اور اقران ہیں - اور مسلم بن ابراہیم - ابواسامہ - ابوسلمہ
التبوذکی نعیم بن حماد - ابن مہدی - قطان - اسحٰق بن راہویہ - یحییٰ بن معین -
ابراہیم بن اسحٰق الطالقانی - احمد بن محمد مردویہ - اسمٰعیل بن ابان الوراق -
بشیر بن محمد السختیانی - حیان بن موسیٰ - حکم بن موسیٰ - زکریا بن عدی سعید
بن سلیمان - عمرو الاشعثی - سفیان بن عبدالملک المروزی - سلمۃ بن سلیمان
المروزی سلیمان بن صالح سلمویہ - عبداللہ بن عثمان عبدان - ابوبکر وعثمان
بیٹے ابی شیبہ کے - عبداللہ بن عون ابان الجعفی - علی بن الحسن بن شقیق -
عمرو بن عون - علی بن حجر - محمد بن الصلت الاسدی - محمد بن عبدالرحمٰن بن
سہم الانطاکی - ابوکریب - ابوبکر بن اصرم - منصور بن ابی مزاحم - محمد بن مقاتل
المروزی - یحییٰ بن ایوب المقابری - سعید بن نصر - اور خلق کثیر اور اُسی
میں ابن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ ائمہ چار ہیں، ثوری - مالک - حماد
ابن زید - اور ابن مبارک - اور شعیب کا قول ہے کہ جس سے ابن مبارک
نے ملاقات کی وہ اُس سے افضل تھے یعنی کل ملاقاتی محدثین سے -
امام احمدؒ کا قول ہے کہ اُنکے زمانہ میں اُنسے زیادہ علم طلب کرنیوالا

کوئی شخص نہ تھا اور ابو اسامہ نے بھی یہی کہا ہے فضیل بن عیاض رح نے اُنکے انتقال کے بعد کہا کہ انہوں نے اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ ابو اسحٰق فزاری کا قول ہے کہ ابن مبارک امام المسلمین ہیں۔ ایک جگہ اکابر محدثین کا مجمع تھا سب نے کہا کہ ابن مبارک رح میں کیا کیا فضائل اور ابواب خیر جمع ہوا گننا چاہیئے چنانچہ یہ امور بالاتفاق بیان کئے گئے۔ علم حدیث۔ فقہ۔ ادب۔ نحو۔ لغت۔ شعر۔ فصاحت۔ زہد۔ ورع۔ خاموشی۔ قیام لیل عبادت۔ حج۔ جہاد۔ گھوڑے کی سواری۔ قوت جسمانی۔ لایعنی باتوں کا ترک۔ قلت مخالفت۔ ابن معین کا قول ہے کہ جن کتابوں سے انہوں نے حدیث بیان کیا بیس یا اکیس ہزار تھیں۔ اسمٰعیل بن عیاش کا قول ہے کہ روے زمین پر ابن مبارک رح جیسا کوئی شخص نہیں اور کوئی فضیلت خیر ایسی نہیں جو اُنمیں نہ تھی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ بہت سی کتابیں ابواب علم میں انہوں نے تصنیف کیں۔ حسن بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ وہ مجاب الدعوۃ تھے۔ ابو وہب کہتے ہیں کہ ابن مبارک رح کا کسی نابینا پر گذر ہوا اُس نے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کریں میں دیکھ رہا تھا کہ ادہر انہوں نے دعا کی اور ادہر اُس کی آنکھوں میں بصارت آگئی۔ یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کہتے ہیں کہ ایک بار ہم امام مالک رح کی مجلس میں بیٹھے ہوے تھے کہ ابن مبارک آے امام نے ہٹ کر اُن کو اپنے نزدیک جگہ دی۔ ایک شخص حدیث کی قرارت کر رہا تھا بعض بعض مقامات میں امام اُنسے پوچھتے تھے کہ اس باب میں تمہارے پاس کیا ہے وہ دبی آواز سے جواب

لیتے تھے بعد برخواست امام مالک رح نے انکے ادب پر تعجب کیا اور فرمایا
کہ یہ ابن مبارک فقیہ خراسان ہیں۔ خلیلی رح نے ارشاد میں کہا ہے کہ
ابن مبارک متفق علیہ امام ہیں۔ اور اُن کی کرامتیں بے شمار ہیں کہا جاتا
ہے کہ وہ ابدال سے تھے حسن بن عرفہ کہتے ہیں کہ شام میں انہوں نے
کسی سے ایک قلم مستعار لیا تھا خراسان پہونچنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ
بھولے سے ساتھ آگیا ہے تو صرف اُس کو واپس کرنیکے لئے خراسان
سے شام کو تشریف لے گئے۔ اور اُس بار امانت سے سبکدوش ہوئے
امام نسائی کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ ابن مبارک رح کے زمانہ میں کوئی
شخص اُنسے زیادہ بزرگ اور اعلے درجہ والا اور جمیع خصائل حمیدہ کا
جامع موجود تھا۔

سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات
میں اُن کا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے " وہ امام جن کی امامت وجلالت پر
ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جنکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل
ہوتی ہے جن کی محبت سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔ اور
تاریخ ابن خلکان سے اسی میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید
رقہ گیا۔ اُسی زمانہ میں عبداللہ بن مبارک بھی رقہ پہونچے۔ اُن کے
آنیکی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑنے اور اس قدر کشمکش ہوئی
کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں ہزاروں آدمی ساتھ ہوے اور ہر طرف گرد
چھاگئی ہارون الرشید کی ایک حرم نے برج کے غرفہ سے تماشا دیکھ رہی تھی

حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہے۔ ہارون نے کہا حقیقت میں سلطنت اسکا نام ہے۔ ہارون الرشید کی ملکہ نے کہا یہ کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا انتہی۔

امام احمد وغیرہ کی تصریحات کے قرائن سے ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مبارک امام وقت اور افضل المحدثین اور تقریباً کل محدثین انکو اپنے سے بڑھکر سمجھتے تھے۔ اس خیر رسابیت کے قائل تھے کہ یہ محدث امام صاحب کے علوم کی طرف محتاج ہے بلکہ تابعین بھی ہوتے تو ان کی طرف محتاج ہوتے اور عملی طور پر اس مضمون کو محدثین کے ذہن نشین کر دیا کہ بعد تکمیل حدیث عمر بھر امام صاحب ہی کی خدمت میں رہے جیسا کہ بستان المحدثین وغیرہ سے ظاہر ہے اور امام صاحب کے انتقال کا انکو بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ قبر پر جا کر زار زار روئے اور کہتے کہ خدا آپ پر رحمت نازل کرے ابراہیم نخعی اور حماد ابن سلیمان نے مرتے وقت اپنا خلف چھوڑا تھا اور آپ نے خلف نہیں چھوڑا یعنی دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو آپ کا قائم مقام ہو سکے۔

مِسعر ابن کدام رح تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا ذکر ان لفظوں میں کیا الامام الحافظ احد الاعلام اور لکھا ہے کہ انہوں نے علی ابن ثابت وحکم ابن عتیبہ وقتادہ وعمرو بن مرہ اور اُن کے طبقہ سے روایت کی ہے اور اُن سے سفیان وابن عیینہ ویحییٰ قطان ومحمد ابن بشر ویحییٰ ابن آدم وابو نعیم وخلاد ابن یحییٰ اور خلق کثیر نے روایت کی ہے یحییٰ ابن قطان کہتے ہیں کہ

اُن سے اثبت میں نے نہیں دیکھا۔ امام احمد رح نے ثقہ کی مثال دی ہے کہ جیسے شعبہ اور مسعر۔ وکیع رح کہتے ہیں کہ مسعر کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اعمش رح سے لوگوں نے کہا کہ مسعر نے حدیث میں شک کیا ہے انہوں نے کہا اُن کا شک بھی دوسروں کے یقین کے برابر ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ مسعر کا نام اُنکے اتقان کی وجہ سے ہم لوگوں نے مصحف رکھا تھا۔ ابوجعفر منصور نے اُن کو والی بنانا چاہا مگر انہوں نے لطائف الحیل سے ٹالدیا اُن کا قول ہے کہ جو شخص سرکہ اور باقول پر صبر کرے وہ کسی کا غلام نہ بنے گا۔ حکومت وغیرہ تعلقات دنیوی کو وہ غلامی سمجھتے تھے اسیوجہ سے آزاد رہے۔ ایسے جلیل القدر محدث امام کا یہ حال تھا کہ امام صاحب کو جب دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے۔ اور حلقہ میں آپکے روبرو بیٹھتے۔ اور مثل شاگردوں کے سوالات کرتے۔ حالانکہ آپ امام صاحب کے استاد بھی تھے جیسا کہ امام موفق اور سبط ابن جوزی رحمہ نے لکھا ہے۔ کلام۔

وکیع ابن الجراح تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا "الامام الحافظ الثبت محدث العراق" اور لکھا ہے کہ انہوں نے ہشام ابن عروہ اور اعمش اور اسمٰعیل ابن ابی خالد اور ابن عون اور ابن جریج اور سفیان ابن بغدادی اور خلائق سے روایت حدیث کی سنی اور امام احمد وغیرہ کے استاد ہیں۔ امام احمد کہتے ہیں کہ جامعیت علم اور حافظہ میں اُنسے بڑھا ہوا شخص میں نے نہیں دیکھا۔ یحیٰی کہتے ہیں کہ اُنسے افضل میں نے نہیں دیکھا

ابراہیم ابن شماس کا قول ہے کہ اگر میں کچھ تمنا کرتا تو ان امور کی کرتا ابن مبارک کی عقل۔ وکیع کا حفظ عیسیٰ ابن یونس کا خشوع۔ یہ مروان ابن محمد کہا کرتے تھے کہ جس کی میں نے تعریف سنی جب دیکھا تو ویسا نہ پایا۔ الّا وکیع کے جتنے اوصاف سنے اُس سے زیادہ پائے۔ ابن عمار کہتے ہیں کہ وکیع کے زمانہ میں اُن سے افقہ اور حدیث کو زیادہ جاننے والا کوئی بھی نہ تھا۔ امام احمد رح کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے وکیع کا مثل کبھی نہیں دیکھا جو حافظ حدیث ہو اور ورع اور اجتہاد کے ساتھ فقہ میں کلام کرے۔ حماد بن مسعدہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو بھی دیکھا ہے کہ وہ وکیع کے مثل نہ تھے۔ سیرۃ النعمان میں تہذیب الاسماء واللغات مولفہ علامہ نووی رح سے لکھا ہے کہ امام احمد رح وکیع کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظوں سے شروع کرتے تھے "یہ حدیث مجھ سے اُس شخص نے روایت کی ہے کہ تیری آنکھوں نے اُس کا مثل نہیں دیکھا"۔ یحییٰ ابن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں اُن کا قول ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں۔ خطیب بغدادی نے تاریخ میں لکھا ہے۔ کان یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان قد سمع منہ شیئاً کثیراً انتہیٰ۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ اور الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

مقری۔ تذکرۃ الحفاظ میں ان القاب سے اُنکے ترجمہ کی ابتدا کی ہے"

الامام المحدث شیخ الاسلام ابو عبد الرحمٰن اور لکھا ہے کہ انہوں نے ابن
عون اور ابو حنیفہ اور کہمس اور شعبہ اور عبد الرحمٰن افریقی اور سعید بن ابی العروبہ
وحرملہ ابن عمران و یحییٰ ابن ایوب - اور اُن کے طبقہ سے روایت کی ہے
اور اُنسے بخاری وغیرہ نے - تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ ابو حاتم
اور نسائی وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے اور ابن مبارک رح سے جب
اُن کا حال پوچھا جاتا تو فرماتے ”زرزدہ“ یعنی زر خالص اور ابن سعد نے
کہا ہے کہ اُن کو حدیثیں بہت یاد تھیں - تذکرۃ الحفاظ اور تبییض الصحیفہ میں
لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں - دیکھئے محدثین میں وہ امام اور
شیخ الاسلام سمجھے جاتے تھے اور امام صاحب کے شاگرد تھے اور
کمال جوش میں امام صاحب کو شاہ مردان کہا کرتے تھے - کام -

ابراہیم ابن طہمان رح - تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو ان لقبوں سے ذکر کیا
”الامام الحافظ ابو سعید عالم خراسان“ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ
ابو اسحٰق سبیعی اور ابو اسحٰق شیبانی اور عبد العزیز ابن صہیب اور ابو حمزہ
اور نصر ابن عمران ضبعی - اور محمد ابن زیاد جمحی اور ابو الزبیر اور اعمش اور
شعبہ اور سفیان اور حجاج ابن حجاج باہلی سے اور اُن کے سوا ایک جماعت
سے روایت کرتے ہیں اور ابن مبارک اور خود اُن کے استاد صفوان
بن سلیم اُنسے روایت کرتے ہیں - عثمان ابن دارمی کہتے ہیں کہ ہمیشہ
ائمہ فن اُن کی روایت کی خواہش اور رغبت کیا کرتے تھے - یحییٰ ابن
اکثم کہتے ہیں کہ جن جن لوگوں نے خراسان اور عراق اور حجاز میں

حدیث بیان کی ہے۔ اُن سب میں وہ اوثق اور علم میں افضل تھے۔ ابن خلکان
کہتے ہیں کہ امام احمد رح ایک بار تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے کسی نے
ابراہیم ابن طہمان کا ذکر کیا امام سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا کہ مناسب
نہیں کہ صالحین کا ذکر ہو اور ہم تکیہ لگائے بیٹھیں۔ تذکرۃ الحفاظ اور تہذیب التہذیب
میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

غور کیجئے کہ جن کا نام سنکر ائمہ حدیث اس قسم کا ادب کیا کرتے تھے
تو جن کے روبرو خود وہ زانوے ادب تہ کئے ہوئے بیٹھتے تھے۔
اُن کا کس قدر ادب چاہیئے۔ مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اُنکی
توہین و تذلیل ضروری سمجھی جاتی ہے۔

یزید بن ہارون - تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کیا
"الحافظ القدوۃ شیخ الاسلام" اور لکھا ہے کہ انہوں نے عاصم احول
و یحیٰی بن سعید۔ و سلیمان التیمی و جریری۔ و داؤد ابن ابی ہند۔ و ابن عون
اور خلق کثیر سے روایت کی ہے۔ اور اُن کے شاگرد امام احمد وغیرہ بکثرت
ہیں۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ حفظ میں کسیکو اُنسے زیادہ میں نے نہیں دیکھا
یحیٰی ابن یحیٰی کہتے ہیں کہ وہ حافظ میں وکیع سے بھی زیادہ تھے عاصم
ابن علی کہتے ہیں کہ وہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے تھے چالیس سال
سے زیادہ انہوں نے عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہشیم کہتے ہیں
کہ اہل مصر میں اُن کا مثل نہیں۔ ابن اکثم کا بیان ہے کہ ایک بار مامون
نے ہم لوگوں سے کہا کہ اگر یزید ابن ہرون کا خیال نہ ہوتا تو میں صاف کہہ دیتا

اس خیال کو ظاہر کرتا کہ "قرآن مخلوق ہے" کسی نے کہا کہ یزید ابن ہارون ایسے کون شخص ہیں جو اُنسے خوف کیا جاتا ہے کہا خوف یہ ہے کہ اگر میں وہ ظاہر کروں اور وہ رد کریں تو لوگ انہی کی پیروی کریں گے جس سے فتنہ پیدا ہوگا" اس سے ظاہر ہے کہ بادشاہ ایک مدت تک اس مسئلہ کو صرف اُن کے خوف سے ظاہر نہ کرسکا۔ یہ تھی اُن کی علمی سطوت کہ خلیفۂ وقت اُنسے خائف وترساں تھا۔

سیرۃ النعمان میں ہے کہ علامہ نووی رح نے تہذیب الاسماء واللغات میں اُنکے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ اُن کا شمار نہیں ہوسکتا یحییٰ ابن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک بار میں اُن کے حلقۂ درس میں شریک تھا لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم وبیش ستر ہزار تھی۔ کثرت حدیث میں لوگ اُن کی مثال دیا کرتے تھے

دیکھئے ایسے جلیل القدر مقتدائے محدثین شیخ الاسلام امام صاحب کے شاگرد تھے جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ اور تبییض الصحیفہ وغیرہ میں لکھا ہے اور امام صاحبکو اپنے کل اساتذہ پر ترجیح دیتے اور صاف کہا کرتے کہ اُن کا مثل بہت تلاش کیا گیا مگر نہ ملا کما مر۔

حفص ابن غیاث۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الامام الحافظ لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے دادا طلق ابن معاویہ اور اسمٰعیل ابن ابی خالد و اشعث الہمدانی و ابو مالک الاشجعی۔ و سلیمان التیمی و عاصم الاحول۔ و عبید اللہ ابن عمر و مصعب ابن سلیم۔ و یحییٰ ابن سعید الانصاری

وہشام ابن عروہ۔ واعمش۔ وثوری۔ وجعفر صادق ویزید ابن عبداللہ وابن جریج ولیث ابن ابی سلیم۔ اور خلق کثیر سے روایت کی ہے اور ان سے امام احمد وغیرہم نے۔ اور اُن کے علم کا حال لکھا ہے کہ وکیع سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اُنپر حوالہ دیتے۔ ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ ابن ادریس سے بھی زیادہ حدیث جانتے ہیں۔

کردری رحمۃ نے اُن کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے امام صاحب سے اُن کی کتابیں اور آثار سنے ہیں۔

سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے اُن کو کثیر الحدیث لکھا ہے اور مختصر تاریخ بغداد میں اُن کی نسبت لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے وہ مشہور شاگردوں میں ہیں۔

ابو عاصم الضحاک النبیل تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا، الحافظ شیخ الاسلام، تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے یزید ابن ابی عبید وایمن ابن نابل وشبیب ابن بشر وسلیمان التیمی وعثمان ابن سعد ومعروف ابن خربوذ وابن عون وابن عجلان وابن ابی ذئب وابن جریج واوزاعی وسعید ابن عبدالعزیز وثور ابن یزید الرحبی وجعفر ابن یحیی وحنظلہ ابن ابی سفیان وشریح ابن شریح وزکریا ابن اسحٰق وثوری وشعبہ وسعید ابن ابی عروبہ وعبدالحمید ابن جعفر وعزرہ ابن ثابت وعمر بن محمد العمری وعثمان ابن الاسود۔ وعمر بن سعید ومالک ابن انس وہشام بن حسان ومنظاہر ابن اسلم وقرہ ابن خالد اور ایک جماعت سے روایت کی ہے

اور اُن سے جریر ابن حازم وامام احمد وغیرہ نے۔
تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

یحیی ابن زکریا ابن ابی زائدہ ۔ تذکرۃ الحفاظ میں ان الفاظ سے انکے حالات کی ابتدا کی ہے "الحافظ الثبت المتقن الفقیہ صاحب ابی حنیفہ" اور لکھا ہے کہ وہ اپنے والد زکریا اور عاصم احول و داؤد ابن ابی ہند۔ وہشام ابن عروہ۔ وعبید اللہ ابن عمر ولیث ابن ابی سلیم وابو مالک الاشجعی سے روایت ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے۔ وہ امام اور صاحب تصنیف تھے۔ علی ابن مدینی نے کہا ہے کہ کوفہ میں سفیان ثوری کے بعد اُنسے اثبت کوئی نہ تھا۔ اُنکے زمانہ میں اُنپر علم کا خاتمہ ہوگیا یعنی اُسوقت اُنسے علم میں بڑا ہوا کوئی نہ تھا۔ سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابن مبارک اور یحیی ابن ابی زائدہ کے جیسا کوئی شخص ہمارے یہاں نہیں آیا۔
سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور مدت تک اُنکے ساتھ رہے یہاں تک علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے۔ یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ تیس برس تک وہ شریک تھے اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف وتحریر کی خدمت انہی سے متعلق تھی انتہی۔

یحییٰ ابن سعید القطان رح - تذکرۃ الحفاظ میں انکے ترجمہ کی ابتداء ان القاب سے کی ہے "الامام العلم سید الحفاظ" اور لکھا ہے کہ انہوں نے ہشام بن عروہ - وعطار ابن السائب وحسین المعلم خثیمۃ ابن عراک - وحمید طویل وسلیمان التیمی ویحییٰ ابن سعید انصاری - واعمش اور ان کے طبقہ سے سماعت کی ہے اور ان سے امام احمد رح وغیرہ نے۔ امام احمد رح کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ کا مثل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا - ابن معین کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمٰن نے کہا کہ یحییٰ ابن قطان کا مثل تم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوگے ابن مدینی کہتے ہیں کہ اُنسے زیادہ رجال کا حال جاننے والا میں نے نہیں دیکھا - بندار کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ والوں کے امام تھے - ابن معین کہتے ہیں کہ بیس سال تک وہ ہر شب قرآن کا ایک ختم کیا کرتے تھے اور چالیس سال تک کبھی ایسا نہ ہوا کہ زوال کے وقت وہ مسجد میں نہ ہوں اور جب قرآن سنتے زمین پر گر جاتے ایک بار شعبہ کے ساتھ لوگوں نے کسی بات میں مناظرہ کیا۔ فیصلہ پر قرار پایا کہ کوئی حکم مقرر کیا جائے - شعبہ نے یحییٰ بن سعید کو حکم قرار دیا اور انہوں نے شعبہ کے خلاف میں فیصلہ کیا نسائی کا قول ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تو نیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امین یہ حضرات ہیں - مالک - شعبہ - اور یحییٰ قطان - امام احمد رح کہتے ہیں کہ ہمارے استادوں میں اُن کا مثل کوئی نہیں تھا۔

سیرۃ النعمان میں فتح المغیث اور جواہر منیفہ سے نقل کیا ہے کہ حدیث میں اُن کا یہ پایہ تھا کہ وہ حلقہ درس میں بیٹھتے تو امام احمد وعلی بن مدینی وغیرہ

مودب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو اُنکے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے اور تھذیب التھذیب سے لکھا ہے کہ راویوں کی تحقیق و تنقید میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جسکو چھوڑ دیں گے ہم بھی چھوڑ دینگے باوجود اس جلالت شان کے وہ قسم کہا کر فرماتے ہیں کہ ہم نے جو ابو حنیفہ کی رائے سُنی اُن میں سے اکثر اقوال کو لیا جیسا کہ امام موفق رحمہ نے مناقب میں لکھا ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں ترجمہ وکیع میں لکھا ہے کہ وہ اور یحییٰ ابن سعید قطان ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

سیرۃ النعمان میں ہے کہ (یحییٰ بن سعید) اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے اور انکی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔

عبد الرزاق بن ہمام تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الحافظ الکبیر لکھا ہے تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور وہب۔ معمر عبید اللہ ابن عمر العمری۔ عبد اللہ ابن عمر العمری۔ ایمن بن نابل۔ عکرمہ بن عمار۔ ابن جریج اوزاعی۔ مالک۔ دونوں سفیان۔ ذکریا ابن اسحٰق مکی جعفر بن سلیمان یونس بن سلیم الصنعانی۔ ابن ابی رواد۔ اسرائیل۔ اسمٰعیل ابن عیاش اور خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے ابن عیینہ اور وکیع وغیرہ نے احمد ابن صالح مصری کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کیا آپ نے

عبد الرزاق سے بہتر یعنی روایت حدیث میں کسی کو ہم کیمہ بات ہوا یا نہیں۔ معمر کہتے ہیں کہ وہ اس لائق ہیں کہ تحصیل حدیث کے لئے دور دراز مسافت سے اُن کی طرف سفر کیا جائے۔ ہشام بن یوسف کہتے ہیں کہ عبد الرزاق علم اور حفظ میں ہم سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ابو الازہر کہتے ہیں کہ میں نے اُن سے سنا ہے کہ شیخین کو میں علی رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے تفضیل دیتا ہوں کہ خود علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو اپنے آپ پر فضیلت دی ہے اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں ہرگز فضیلت نہ دیتا میری تحقیر کیلئے یہ کافی ہوگا کہ علی رضہ کے ساتھ محبت رکھوں اور اُنکے قول کی مخالفت کروں صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ شیعیت کی نسبت اُن کی طرف جو کی گئی ہے اُس کا منشا یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ اُن کو زیادہ محبت تھی۔ غرضکہ شیعی تھے تو شیخین رضی اللہ عنہما کو افضل سمجھتے تھے۔

سیرۃ النعمان میں انساب سمعانی اور تاریخ یافعی سے نقل کیا ہے کہ طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کر کے اُنکی خدمت میں حاضر ہونے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز مسافتیں طے کر کے لوگ نہیں گئے۔ حدیث میں اُنکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اُس کتاب سے مستفید ہوا ہوں علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ

علم کا خزانہ ہے، عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں وہ زیادہ رہے ہیں انتہیٰ۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ کس قدر سرمایۂ حدیث اُنکے پاس ہوگا کہ تمام بلاد اسلام کے طالبان حدیث اُس کی تحصیل کے لئے اُنکی خدمت میں آتے تھے پھر جب انہوں نے امام صاحب کے حلقہ میں شریک ہو کر وہ تمام سرمایہ پیش کر دیا تو کیا ممکن ہے کہ امام صاحب کے اجتہادی مسائل مخالف حدیث ہوں۔ اگر تھوڑی بھی عقل ہو تو یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ امام صاحب کا اجتہاد مخالف حدیث ہوتا تو امام صاحب کی شاگردی تو کیا جب اور ملاقات بھی باعث جرح ہو جاتی جیسا کہ مسئلہ خلق قرآن میں آپنے دیکھ لیا کہ اُسمیں توقف کرنے والے مستند محدثین اور اُنکے ملاقاتی مطعون اور متروک ہو جاتے تھے برخلاف اُسکے اکابر محدثین امام صاحب کی شاگردی کا اعتراف علی رؤس الاشہاد کیا کرتے اور ائمہ جرح و تعدیل حسب نام اُن کو امام صاحب کے شاگردوں میں لکھا کرتے تھے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس وجہ سے اُن میں کوئی کلام کر سکے۔ حالانکہ امام صاحب کے مخالفین اور بدگویوں کے ذخیرے قائم ہو چکے تھے۔ اگر محدثین کے ساتھ تھوڑا بھی حسن ظن ہوتا تو بہ آسانی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں اُن حضرات کا بیٹھنا اور مستفید ہونا اس بات پر دلیل قطعی ہے

کہ امام صاحب کا اجتہاد ہرگز مخالف حدیث نہ تھا بلکہ وہ حضرات اُسکو احادیث کی تفسیر سمجھتے تھے چنانچہ خود اِن حضرات نے اس کی تصریح کی ہے۔

اسحٰق بن یوسف ازرق رح۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الحافظ الثقہ لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابن عون اعمش شریک۔ ثوری۔ مسعر۔ عمر بن ذر۔ عوف وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُن سے امام احمد وغیرہ نے۔ امام احمد سے اُنکا حال دریافت کیا گیا تو انہوں نے قسم کھا کر کہا وہ ثقہ ہیں۔ اسیطرح اور ائمہ فن نے جو اُن کی توثیق کی ہے اُس میں منقول ہے اور صحاح ستہ میں اُنکی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

جعفر ابن عون رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمعیل ابن خالد۔ ابراہیم بن مسلم الہجری۔ اعمش۔ ہشام ابن عروہ۔ یحییٰ بن سعید مسعودی۔ ابوالعمیس۔ عبدالرحمن ابن زیاد اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور اُن سے امام احمد وغیرہ نے۔ اور اُن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ اور الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

حارث بن نبہان رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے

ابو اسحٰق۔ عاصم بن ابی النجود۔ اعمش عتبہ بن الیقظان۔ ایوب۔ معمر وغیرہم سے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ وہ صالح شخص تھے مگر وہم اُن پر غالب تھا۔ اگرچہ اکثر محدثین نے اُن میں کلام کیا ہے۔ مگر ترمذی اور ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

حیان بن علی العنزی رحمہ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اعمش سہیل ابن ابی صالح۔ ابن عجلان۔ لیث ابن ابی سلیم عقیل بن خالد الایلی۔ عبد الملک بن عمیر جعفر ابن ابی المغیرہ۔ یزید بن ابی زیاد یونس بن یزید وغیرہ سے روایت کی ہے اور اُن سے ابن مبارک وغیرہ نے۔ اگرچہ محدثین نے اُن میں کلام کیا ہے مگر یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ وہ صدوق ہیں۔ ابو بکر خطیب کا قول ہے کہ وہ صالح اور دیندار تھے۔ جبر ابن عبد الجبار کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں کوئی شخص اُن سے افضل نہیں دیکھا۔ ابن ماجہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

حماد بن دلیل رحمہ۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے ثوری سے روایت کی ہے ابن معین نے اُن کی توثیق کی اور اُن کی روایت ابوداود میں موجود ہے۔ اور وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

حفص بن عبدالرحمن البلخی رح تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے خالد بن ابن مصعب - حجاج بن ارطاۃ - اسرائیل - سفیان - ابن ابی عروۃ عاصم الاحول - محمد بن مسلم الطائفی - ابن ابی ذئب - ابن اسحٰق وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے ابو داؤد طیالسی - اور ابن مبارک و ابن حبان وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے - ابن مبارک کہتے ہیں کہ تین خصلتیں اُن میں جمع ہیں - وقار - فقہ - اور ورع - نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں - حاکم نے لکھا ہے کہ اصحاب ابو حنیفہ جو اہل خراسان ہیں اُنمیں وہ افقہ تھے -

تھذیب الکمال اور تھذیب التھذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں -

حکام بن سلم الرازی تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عنبسۃ ابن سعید - عمرو بن ابی قیس - سعید ابن سالم وغیرہ اہل رے سے اور حمید الطویل علی ابن عبد الاعلی - عثمان بن زائدہ - ثوری - اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور اُنسے یحییٰ بن معین وغیرہ نے مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں -

تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں -

حمزہ بن حبیب زیات قاری رح تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابو اسحٰق السبیعی - ابو اسحٰق الشیبانی - اعمش عدی بن ثابت

حکم بن عتبہ۔ حبیب بن ابی ثابت۔ منصور بن المعتمر۔ ابو المختار الطائی اور اُنکے سوا ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے ابن مبارک وغیرہ نے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ صالح صدوق اور صاحب سُنّت تھے۔ ابن فضیل کہتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ صرف حمزہ کے طفیل سے کوفہ کی بلائیں دفع فرماتا ہے۔ اگرچہ اُن کی قرارت پر محدّثین کا کلام اُس میں نقل کیا ہے مگر اُسکے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ بالآخر اُنکی مقبولیت بالاجماع ثابت ہو گئی ہے مسلم وغیرہ میں حمزہ کی روایتیں موجود ہیں۔

تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

خارجہ بن مصعب الضبعی رح۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے زید بن اسلم۔ سہیل بن ابی صالح۔ ابو حازم سلمہ ابن دینار بکیر بن الاشج۔ خالد الحذاء۔ شریک بن ابی نمیر۔ عاصم الاحول۔ عمرو بن دینار امام مالک۔ یونس بن یزید۔ یونس ابن عبید سے اور اُنکے سوا ایک خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے ثوری وغیرہ نے اگرچہ بعض محدّثین نے اُن میں کلام کیا ہے مگر اُن کی روایتیں ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں انتہی ملخصًا۔

تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

داؤد بن نصیر الطائی رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے
عبدالملک بن عمیر۔ اسمٰعیل بن خالد۔ حمید الطویل۔ سعد بن سعید الانصاری۔ ابن
ابی لیلیٰ اور اعمش وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے وکیع وغیرہ نے
ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ داؤد نے علم پڑھا اور فقیہ ہوئے۔ پھر عبادت کی
طرف توجہ کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ داؤد طائی نے اپنی کتابوں کو دفن کیا
ابن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے ابن حبان نے اُن کو ثقات میں ذکر کیا
ہے۔ محارب بن دثار کا قول ہے کہ اگر داؤد طائی امم سابقین میں ہوتے تو حق تعالیٰ
اُن کے حالات کی خبر ہم لوگوں کو دیتا۔ نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں
تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ اور نفحات الانس مولانا جامی میں
لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

زید بن حباب عکلی رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں
نے ایمن بن نابل۔ عکرمہ بن عمار الیمامی۔ ابراہیم ابن نافع المکی۔ ابن
ابی عباس۔ حسین بن واقد المروزی۔ یونس بن ابی اسحٰق۔ سیف بن سلیمان المکی
عبدالملک بن الربیع۔ اسامہ بن زید بن اسلم۔ اسامہ بن زید اللیثی۔ مالک ابن
انس۔ ثوری۔ ابن ابی ذئب۔ قرہ ابن خالد۔ افلح ابن سعید۔ ضحاک ابن
عثمان الحزامی۔ عبدالعزیز ابن عبداللہ۔ معاویہ ابن صالح یحیٰی ابن ایوب
اور خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے وہ تحصیل
حدیث کے لئے خراسان مصر اندلس وغیرہ گئے۔ ابوالحسین عکلی کہتے ہیں
کہ وہ ذکی حافظ اور عالم تھے۔ ابن یونس نے کہا کہ انہوں نے طلب

حدیث میں بہت شہروں کی سیاحت کی ہے مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں

موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے

شاگرد تھے۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جس قدر سرمایۂ حدیث انہوں نے

شہر بہ شہر پھر کر حاصل کیا تھا اسی طرح دوسرے محدثین نے وہ گویا امام

صاحب ہی کے لئے تھا۔ چنانچہ انہوں نے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہو کر

وہ سب پیش کر دیا۔

شعیب بن اسحٰق بن عبد الرحمٰن الدمشقی رحمہ ۔ تہذیب التہذیب میں

لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور ابن جریج۔ اوزاعی۔ سعید بن عروہ

عبید اللہ بن عمر ہشام بن عروہ۔ وغیرہم سے روایت کی ہے اور

اُن سے اسحٰق بن راہویہ اور ابو کریب وغیرہ نے۔ اور باوجودیکہ لیث ابن

سعد ان کے استاد ہیں۔ مگر انہوں نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ دلیمانؔ

مسلم کہتے ہیں کہ اوزاعی اُن کو اپنے نزدیک بٹھلا دیتے تھے بخاری

اور مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں

اور تہذیب التہذیب میں علاوہ شاگردی کے یہ بھی تصریح کی ہے کہ انہوں

نے امام صاحب کا مذہب اختیار کیا۔

صباح ابن محارب رحمہ ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں

نے زیاد بن علاقہ۔ حجاج ابن ارطاۃ۔ اسمٰعیل ابن ابی خالد۔ محمد ابن عمرو۔

ہشام ابن عروہ وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے عبدالسلام ابن عاصم وغیرہ نے۔ ابوذرعہ وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے اور اُن کی روایتیں ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

صلت ابن الحجاج الکوفی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عطا ابن ابی رباح یحیٰی کندی۔ ابن عیینہ۔ مجالد ابن سعید وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے اہل کوفہ نے امام بخاری نے بھی اُن کی روایت لی ہے اور کوئی جرح اُنپر نہیں کی۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

عائذ ابن حبیب العبسی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے حمید الطویل زرارہ ابن امین۔ حجاج ابن ارطاۃ۔ صالح ابن حسان۔ عامر ابن السمط۔ اسمعیل ابن ابی خالد وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے۔ امام احمد رح اُن کی ثنا و صفت بہت کیا کرتے تھے کہتے ہیں کہ وہ شیخ جلیل عاقل تھے اُن کی روایتیں نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

عباد ابن العوام رحمہ۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو امام المحدث لکھا ہے اور تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے حمید الطویل۔ اسمٰعیل ابن ابی خالد۔ سعید الجریری۔ ابو سلمہ۔ سعید ابن یزید۔ ابن عون۔ عوف الاعرابی حجاج ابن ارطاۃ۔ حصین ابن عبد الرحمٰن۔ سعید ابن ابی عروبہ۔ سفیان بن حسین۔ ہلال بن خباب۔ یحییٰ ابن ابی اسحٰق الحضرمی۔ ابو مالک الاشجعی۔ ابو اسحٰق الشیبانی وغیرہم سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے ابن عرفہ کہتے ہیں کہ مجھے وکیع نے اُن کا حال پوچھا میں نے کہا تمہارے یہاں اُن کا سا ایک بھی نہیں۔ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

عبد الحمید ابن عبد الرحمٰن الحمانی رحمہ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے یزید ابن ابی زیاد۔ اعمش۔ دونوں سفیان۔ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے ابو کریب وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں بخاری مسلم وغیرہ میں موجود ہیں۔

تھذیب الکمال اور تھذیب التھذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

عبد العزیز ابن خالد ابن زیاد ترمذی رحمہ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور ابو سعد البقال۔ سعید ابن ابی

ابن جریج۔ ثوری۔ ہشام ابن حسان۔ حجاج ابن ارطاۃ سے روایت کی ہے اور اُنسے احمد ابن حجاج وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں نسائی میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

عبدالکریم بن محمد الجرجانی رحمہ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے قیس ابن الربیع۔ عبدالرحمن بن سلیمان۔ زہیر ابن معاویہ۔ مسعودی۔ ابن جریج وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے امام بلخی وغیرہ نے۔ ابن حبان نے اُن کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور اُنکی روایتیں ترمذی میں مذکور ہیں۔

تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

عبدالعزیز ابن ابی رواد رحمہ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عکرمہ۔ سالم بن عبداللہ۔ نافع۔ محمد ابن زیاد الجمحی الحمصی۔ اسمٰعیل ابن امیہ۔ ضحاک ابن مزاحم وغیرہ سے روایت کی ہے اور اُنسے وکیع وغیرہ نے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ اکثر اُن کی یہ حالت ہوتی تھی کہ باتیں کرتے اور اشک اُن کے رخسار پر جاری رہتے تھے۔ شعیب ابن حرب کہتے ہیں کہ اُن کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ قیامت اُنکے پیش نظر ہے۔ بخاری وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں

عبید اللہ ابن عمرو الرقی تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الامام الحافظ مفتی الجزیرہ لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عبد الملک ابن عمیر۔ عبید اللہ بن محمد یحییٰ ابن سعید الانصاری۔ اعمش۔ ایوب۔ لیث ابن ابی سلیم معمر۔ ثوری ابن ابی انیسہ۔ اسحٰق بن راشد وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے علی ابن حجر وغیرہ نے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے یعنی حدیثیں اُن کو بہت یاد تھیں۔ اور فتویٰ میں اُنسے کوئی منازعت نہیں کرسکتا تھا۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

عبید اللہ ابن موسیٰ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمعیل ابن ابی خالد۔ ہشام ابن عروہ۔ ایمن ابن نابل۔ معروف ابن خربوذ۔ اعمش۔ ہارون ابن سلیمان الفراء محمد ابن عبد الرحمٰن۔ ثوری۔ حسن ابن صالح۔ یونس ابن ابی اسحٰق۔ اوزاعی۔ ابن جریج۔ عثمان بن الاسود۔ اسرائیل۔ حنظلہ ابن ابی سفیان۔ زکریا ابن ابی زائدہ۔ شیبان۔ عبد العزیز بن سیاہ۔ موسیٰ بن عبیدۃ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے بخاری وغیرہ نے۔ ابو سعد کہتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں

تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

علی ابن ظبیان الکوفی ۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمٰعیل ابن ابی خالد سے اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام شافعی رحہ کے استاد ہیں اور ان کی روایتیں ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

علی ابن عاصم الواسطی ۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو "مسند العراق الامام الحافظ" کے لقب سے ملقب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے سہیل ابن ابی صالح ۔ عطاء ابن السائب ۔ یزید بن ابی زیاد ۔ یحیٰی بکا ۔ بیان بن بشر حصین بن عبدالرحمن ۔ عبداللہ بن عثمان ۔ لیث ابن سلیم اور حمید الطویل سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے ۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ابوداؤد و ترمذی ۔ اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تھذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

علی ابن مسہر ۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو "الامام الحافظ" کے ساتھ ملقب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے داؤد ۔ اسمعیل ابن ابی خالد ۔ ابی مالک الاشجعی ۔ زکریا ابن ابی زائدہ ۔ عاصم الاحول ۔ اور اس طبقہ کے

محدثین سے روایت کی ہے۔ اور اُن سے بشر ابن آدم وغیرہ نے۔ احمد عجلی کہتے ہیں کہ وہ جامع حدیث و فقہ تھے اور ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

ابو نعیم الفضل ابن دکین رح۔ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو الحافظ الثبت لکھا ہے اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اعمش۔ زکریا ابن ابی زائدہ۔ اور ایک خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُن سے بخاری وغیرہ نے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ ابو نعیم اتقان میں اعلیٰ درجہ پر تھے۔ تہذیب التہذیب میں اور بہت سے اساتذہ کے نام گنا کر لکھا ہے کہ خلق کثیر سے انہوں نے روایت کی ہے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں صحاح میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

الفضل ابن موسیٰ السینانی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمٰعیل ابن ابی خالد۔ اعمش۔ ہشام ابن عروہ۔ عبید اللہ ابن عمر العمری۔ حمید اللہ ابن سعید۔ عبد الحمید ابن جعفر۔ حنظلہ ابن ابی سفیان۔ داؤد ابن ابی ہند۔ حسین ابن ذکوان۔ عبد المومن ابن خالد حنفی جعفر

ابن واقد - ابن عراک - سعید ابن عبد الطائی فضیل بن غزوان - ابی حمزہ السکری معتمر ابن ارشد - یونس ابن ابی اسحق - ثوری - اور شریک وغیرہ سے روایت کی ہے - اور اُنسے اسحق ابن راہویہ وغیرہ نے - ابونعیم وغیرہ کہا ہے کہ وہ ابن مبارک سے بھی اثبت تھے - وکیع رح کہتے ہیں کہ وہ صاحب السنۃ تھے اسحق ابن راہویہ کا قول ہے کہ میرے اساتذہ میں کوئی اُنسے اوثق میرے خیال میں نہیں - خلاصہ میں لکھا ہے کہ کل صحاح ستّہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں - تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں -

عبد الوارث ابن سعید رح - تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عبد العزیز بن صہیب شعیب ابن الحباب ابو التیاح یحیی بن اسحق الحضرمی سعید ابن جمہان - ایوب سختیانی - ایوب بن موسیٰ - جعد بن عثمان - داؤد بن ابی ہند - خالد بن الحذا - حسین المعلم - سعید الجریری - سعید بن ابی عروبہ - سلیمان التیمی - عبد اللہ بن سوادہ - عزرہ بن ثابت - عبد اللہ بن نجیح - علی بن الحکم البنانی - قاسم بن مہران - قطن ابن کعب الخزاعی - محمد ابن جحادہ کثیر بن شنظیر - یزید الرشک - یونس بن عبید ابو عصام البصری - اور خلق کثیر سے روایت کی ہے - اور اُنسے سفیان ثوری وغیرہ نے - ابو عمر الجرمی کہتے ہیں کہ میں نے کسی فقیہ کو اُنسے افصح نہیں دیکھا شعبہ اُن کی ثنا و صفت بہت کیا کرتے تھے اُن کی روایتیں کل صحاح ستّہ میں موجود ہیں - تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے

شاگرد ہیں۔

القاسم بن الحکم العرنی رحمہ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے سعید بن عبید الطائی۔ عبداللہ بن الولید۔ سلمہ بن نبیط۔ اور یونس بن ابی اسحٰق وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور ترمذی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں تھذیب الکمال اور تھذیب التھذیب اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

القاسم بن معن المسعودی رحمہ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اعمش۔ عاصم الاحول۔ عبدالملک بن عمیر۔ منصور بن معتمر۔ طلحہ بن یحییٰ۔ داؤد بن ابی ہند۔ محمد بن عمر۔ ہشام بن عروہ۔ یحییٰ بن سعید عبدالرحمٰن مسعودی وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے ابن مہدی وغیرہ نے اور نسائی میں موجود ہیں۔ تھذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

قیس بن ربیع رحمہ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابواسحٰق سبیعی۔ مقدام بن شریح۔ عمرو بن مرہ۔ ابوحفص عمران بن ابی جحیفہ۔ عثمان بن عبداللہ۔ محمد بن حکم الکاہلی۔ ابن ابی لیلیٰ۔ ابوہاشم الرمانی اغر بن صباح۔ سماک بن حرب۔ اعمش سدی۔ اسود بن قیس۔ محارب بن دثار۔ ہشام بن عروہ۔ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ ابونعیم کہتے ہیں کہ سفیان جب اُن کا ذکر کرتے بہت ثنا وصفت کرتے۔ اُن کی روایتیں ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔

تہذیب الکمال اور تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

محمد بن بشر العبدی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد۔ ہشام بن عروہ۔ عبید بن عمر العمری۔ یزید بن زیاد عمش زکریا ابن ابی زائدہ۔ ثوری۔ شعبہ۔ سعید بن ابی عروبہ مسعر۔ نافع بن عمر الجمحی۔ عبد العزیز بن عمر۔ حجاج بن ابی عثمان الصواف۔ ابی حیان التیمی فطر ابن خلیفہ۔ محمد بن عمرو۔ اور عمرو بن میمون وغیرہم سے روایت کی ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں جو لوگ اُس وقت کوفہ میں تھے سب سے وہ احفظ تھے۔ اور لکھا ہے کہ حدیثیں اُن کو بکثرت یاد تھیں۔ اور صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

محمد ابن الحسن بن آتش الصنعانی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے ہمام بن منبہ۔ ابراہیم بن عمر والصنعانی۔ رباح صنعانی سلیمان بن وہب الجندی۔ عمر بن عبد الرحمن۔ ابو بکر بن ابی شیبہ اور بہت سے محدثین سے روایت کی ہے اور ان سے امام احمد وغیرہ نے۔ ابو حاتم نے اُن کی توثیق کی۔ اور ابن حبّان نے انکو ثقات میں لکھا ہے۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

محمد بن خالد الوہبی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد۔ عبد اللہ بن الوصافی۔ عبد العزیز بن عمر۔ ابن جریج

معروف ابن واصل۔ عبد الرحمن بن سلیمان وغیرہم سے روایت کی ہے۔
اور اُنسے ابن روح وغیرہ نے اُن کی روایتیں ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ
میں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبییض الصحیفہ
میں لکھا ہے۔ کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

محمد بن عبد الوہاب العبدی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے
کہ انہوں نے اپنے والد۔ اور جعفر بن الحکم۔ ابو النضر ہاشم لیلیٰ بن عُبید
شبابہ۔ ہوذہ بن خلیفہ۔ واقدی۔ یعقوب بن محمد الزہری۔ سلیمان بن
داؤد الہاشمی۔ اسحٰق۔ علی ابن الحسن۔ ابن شقیق۔ معاذ بن المورع۔ یحیی بن بکیر الکرمانی
محمد بن ابی یحیی الکنانی۔ علی بن عثمان العامری۔ محمد بن زیاد اور خلق کثیر سے
روایت کی ہے۔ ابوداؤد و ترمذی و نسائی میں اُن کی روایتیں موجود
ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے
شاگرد ہیں۔

محمد بن یزید الواسطی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے
اسمٰعیل بن ابی خالد۔ ابو الاشہب۔ جعفر بن حیان۔ سفیان بن حسین
ہاشم بن رجا۔ مجالد بن سعید۔ محمد ابن اسحٰق ابن یسار۔ مسلم بن سعید
ابوایوب ابوالعلاء القصاب۔ اسمٰعیل بن مسلم المکی اور عبد الرحمن بن زیاد
بن انعم وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے امام احمد وغیرہ نے۔
وکیع کہتے ہیں کہ وہ ابدال سے تھے ابوداؤد و ترمذی اور نسائی میں اُن کی
روایتیں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ

وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

مروان بن سالم رحمہ اللہ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے صفوان بن عمرو۔ اعمش۔ عبید اللہ ابن عمر۔ ابن جریج۔ اوزاعی۔ عبد العزیز بن ابی رواد۔ اور ابو بکر بن ابی مریم وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُن سے عبد المجید بن ابی رواد وغیرہ نے۔ ابو داؤد اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

مصعب ابن مقدام رحمہ اللہ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے فطر بن خلیفہ۔ زائدہ۔ عکرمہ بن عمار۔ مبارک ابن فضالہ۔ مسعر۔ ثوری۔ داؤد بن نصیر۔ اسرائیل۔ حسن بن صالح۔ فضیل بن غزوان وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُن سے اسحٰق ابن راہویہ وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں مسلم۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ اور عقود الجمان میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں

المعافیٰ بن عمران الموصلی رحمہ اللہ۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے حریز بن عثمان۔ ابن جریج۔ مالک بن مغول۔ ثوری۔ اوزاعی۔ مسعودی۔ عبد اللہ بن عمر العمری۔ سلیمان بن بلال۔ صخر ابن جویریہ۔ ابراہیم بن طہمان۔ اسرائیل۔ ثور بن یزید۔ حماد بن سلمہ۔ حنظلہ بن ابی سفیان۔ عبد الحمید بن جعفر۔ عثمان بن الاسود۔ سیف بن سلیمان المکی۔ سعید بن ابی عروبہ

زکریا ابن ابی اسحق ہشام بن سعد۔ اور ایک خلق کثیر سے روایت کی ہے اور اُنسے ابن مبارک وغیرہ نے۔ ابو زکریا نے تاریخ موصل میں لکھا ہے کہ انہوں نے طلب علم کے لئے آفاق میں سفر کیا ہے۔ بشر بن حارث کہتے ہیں کہ معافی علم فہم اور خیر سے بھرے ہوئے تھے اُن کا قول ہے کہ مجھے آٹھ سو شیوخ سے ملاقات ہے۔ بخاری ابوداؤد اور نسائی میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

مکی ابن ابراہیم البلخی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے جعید بن عبد الرحمن۔ عبداللہ بن سعید۔ ابن ابی ہند۔ ایمن ابن نابل۔ یزید بن عبید۔ بہز بن حکیم۔ ابن جریج ہشام بن حسان ہشام الدستوائی۔ جعفر صادق۔ یعقوب بن عطا۔ ابن رباح۔ ہاشم بن ہاشم یحیٰی بن سہیل۔ فطر بن خلیفہ۔ حنظلہ ابن ابی سفیان۔ اور عبدالعزیز بن ابی رواد وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے بخاری وغیرہ نے کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تہذیب التہذیب تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

النعمان ابن عبدالسلام الاصبہانی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے سلمہ بن وردان۔ ابی خلدہ خالد بن دینار۔ ابن جریج۔ ثوری۔ ابن ابی ذئب۔ مسعر۔ حماد بن سلمہ۔ ابن ابی زناد شعبہ

ورقہ اور خلق کثیر سے روایت کی اور اُن سے عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ نے
اُن کی روایتیں ابوداؤد اور نسائی میں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال
تہذیب التہذیب میں تبیض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب
کے شاگرد ہیں۔

نوح بن دراج القاضی رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ
اُنہوں نے اسمعیل بن ابی خالد۔ ہشام بن عروہ۔ نظر بن خلیفہ ابن
اسحق۔ اور اعمش وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُن سے علی بن حجر وغیرہ
نے۔ تہذیب الکمال۔ تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ میں لکھا
ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

نوح ابن ابی مریم رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ اپنے
والد اور زہری۔ ثابت البنانی یحیٰی ابن سعید الانصاری۔ عبداللہ بن
عمرو۔ ابن ابی لیلی۔ بہز ابن حکیم۔ ابن اسحق۔ اعمش۔ مقاتل بن حیان
اور یزید النحوی وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُن سے علی بن موسیٰ غنجار
وغیرہ نے۔ تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اور تبیض الصحیفہ
میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

ہریم بن سفیان رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے
اسمعیل بن ابی خالد۔ بیان بن بشر۔ اعمش۔ منصور۔ ابی اسحٰق بشیبانی
عبداللہ المعری۔ لیث بن ابی سلیم سہیل بن ابی صالح۔ عبدزابن سعید
الانصاری۔ مجالد بن سعید وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُن سے

وغیرہم نے ۔ کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں تھذیب الکمال
اور تحقیق الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

ہوذہ بن خلیفہ رح ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے
سلیمان تیمی عبداللہ بن عون ۔ ابن جریج ۔ ہشام بن حسان عوف [illegible]
یونس ابن عبید وغیرہم سے روایت کی ہے اور ان سے امام احمد
وغیرہ نے ۔ ابن حبان وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور ابو داؤد
میں ان کی روایتیں موجود ہیں ۔ تھذیب الکمال ۔ تھذیب التھذیب
اور تحقیق الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں

ہیاج ابن بسطام الہروی رح ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے
کہ انہوں نے حمید الطویل ۔ اسمعیل ابن ابی خالد ۔ [illegible] بن عبدالرحمن
القرشی ۔ عوف [illegible] خالد الحذاء
محمد بن عمرو بن علقمہ ۔ یزید ابن کیسان ۔ اور ایک جماعت سے روایت کی
اور ان سے [illegible] میں ہے
ان سے زیادہ فصیح نہیں دیکھا ۔ ایک بار انہوں نے بغداد میں حدیث
بیان کی تو ایک لاکھ آدمی جمع ہو گئے ۔ اور وہ [illegible] تھے
ان کی روایتیں ابن ماجہ میں موجود ہیں ۔ تھذیب الکمال [illegible]
میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

یحییٰ بن یمان رح ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے
ہشام بن عروہ ۔ اعمش ۔ اسمعیل بن ابی خالد ۔ معمر ۔ [illegible]

ثوری۔ حمزہ الزیات وغیرہم سے روایت کی ہے اور ان سے یحییٰ بن [illegible]
معین وغیرہ نے۔ بخاری، مسلم وغیرہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔
تہذیب الکمال و تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے
شاگرد ہیں۔

یزید بن زریع۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے سلیمان
التیمی۔ حمید الطویل۔ ابن عون۔ [illegible] ایوب۔ حبیب المعلم
[illegible] خالد الحذاء [illegible] داؤد بن
ابی ہند۔ سعید [illegible] سعید بن ابی عروبہ۔ ہشام بن حسان۔ یونس
[illegible] شعبہ۔ معمر [illegible] ہشام الدستوائی
عوف الاعرابی [illegible] حسین المعلم [illegible] سے روایت کی ہے
اور ان سے [illegible] لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ
حافظ تھے [illegible] امام احمد
نے [illegible] ہے [illegible]
[illegible] اصول ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔
تہذیب الکمال و تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے
شاگرد ہیں۔

یونس بن بکیر۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے [illegible]
خالد بن دینار السعدی۔ خالد بن دینار النیلی۔ عمر بن [illegible] بلال بن [illegible]
[illegible] محمد بن اسحاق۔ عون بن دینار۔ عثمان بن عبد الرحمن [illegible] وغیرہم

وغیرہم سے روایت کی ہے اور اُنسے یحیٰی بن معین وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں مسلم ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

ابو اسحٰق فزاری رح۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے خالد الحذاء حمید الطویل۔ ابی طوالہ۔ مالک۔ موسیٰ بن عقبہ۔ اعمش۔ اور خلق کثیر سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے ثوری وغیرہ نے۔ اُن کو حدیثیں بکثرت یاد تھیں ابو حاتم نے اُن کو امام کہا ہے فضیل بن عیاض رح کہتے ہیں کہ مینے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف رکھے ہیں۔ اور حضرت کے بازو میں تھوڑی جگہ خالی ہے۔ میں نے وہاں بیٹھنا چاہا۔ فرمایا یہ ابو اسحٰق فزاری کی جگہ ہے۔ کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

موسیٰ بن نافع ابو شہاب الاکبر الحناط رح۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے سعید بن جبیر عطاء۔ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے ابو نعیم وغیرہ نے۔ اُن کی روایتیں بخاری مسلم وغیرہ میں موجود ہیں تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

حماد بن زید رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ ثابت بنانی انس ابن سیرین۔ عبد العزیز بن صہیب۔ عاصم الاحول۔ محمد بن زیاد۔ ابو جمرہ ضبعی جعد۔ ابو حازم سلمہ بن دینار شعیب بن حبحاب۔ صالح بن کیسان عبد الحمید

صاحب الزیادی۔ ابی عمران الجونی، عمرو بن دینار، ہشام بن عروہ، عبیداللہ بن عمر وغیرہ تابعین اور تبع تابعین سے روایت کی ہے اور ان سے ابن مبارک وغیرہ نے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں امام چار شخص تھے۔ کوفہ میں سفیان ثوری۔ حجاز میں امام مالک۔ شام میں اوزاعی۔ اور بصرہ میں حماد بن زید۔ اور کہا کہ ان سے زیادہ حدیث جاننے والے کو میں نے نہیں دیکھا۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ان سے زیادہ حافظ والا میں نے نہیں دیکھا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ حماد بن زید ائمہ مسلمین میں سے تھے۔ جس روز ان کا انتقال ہوا یزید بن زریع نے کہا کہ آج سید المسلمین کا انتقال ہوا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو ان کے روبرو دو زانو بیٹھے دیکھا۔ کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ الخیرات الحسان میں امام علی بن المدینی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

ہشام بن عروہ رح۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عثمان۔ عباد بن عبداللہ۔ یحییٰ بن عباد۔ عباد بن حمزہ۔ فاطمہ بنت المنذر۔ وہب ابن کیسان۔ صالح ابن ابی صالح السمان۔ عبداللہ بن ابی بکر۔ عبدالرحمٰن بن سعد۔ محمد بن ابراہیم التیمی۔ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رض وغیرہم سے روایت کی ہے اور ان سے ایوب سختیانی وغیرہ نے۔ ابن سعد کہتے ہیں وہ ثقہ ثبت اور حجت تھے۔ اور حدیثیں ان کو بہت یاد تھیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ فن حدیث میں وہ امام تھے۔ کل صحاح ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں

الخیرات الحسان میں علی ابن المدینی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

یحییٰ بن معین رح۔ تذکرۃ الحفاظ میں ان الفاظ سے اُن کو ملقب کیا ہے۔ الامام الفرد سید الحفاظ۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ انہوں نے عبدالسلام بن حرب۔ عبداللہ بن مبارک۔ حفص بن غیاث۔ جریر۔ ہشام بن یوسف۔ عبدالرزاق ابن عیینہ۔ وکیع ابن عدی۔ غندر۔ عمرو بن عبدالرحمٰن حجاج بن یوسف۔ حاتم بن اسمٰعیل۔ اسمٰعیل بن مجالد۔ حسین بن محمد۔ عبدالصمد عباد بن عباد۔ سکن بن اسمٰعیل۔ مروان بن معاویہ قطان ابوعبیدۃ بن الحداد۔ ابی اسامہ۔ حماد بن خالد۔ عبدالرحمن بن مہدی۔ اور خلق کثیر سے روایت کی ہے۔ اور اُنسے بخاری و مسلم وغیرہ نے۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ علم بنی آدم پر منتہیٰ ہوا۔ اور انکے بعد یحییٰ بن معین پر۔ اور اُنسے ایک روایت یہ بھی ہے کہ علم ابن مبارک پر منتہیٰ ہوا۔ اور اُن کے بعد یحییٰ بن معین پر۔ ہارون بن معروف کہتے ہیں کہ شام سے ایک محدث ہمارے یہاں آئے۔ سب سے پہلے میں اُن کے یہاں گیا اور (املا یعنی روایتیں لکھوانے) کی درخواست کی شیخ نے اپنی کتاب سے لکھوانا شروع کیا اس عرصہ میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ پوچھا کون ہے کہا احمد بن حنبل۔ اُن کو آنیکی اجازت دی۔ اور اُسیطرح لکھوای جاتے تھے اُنکے بعد احمد دورقی۔ اور عبداللہ رومی۔ اور زہیر بن حرب آئے۔ اور شیخ برابر لکھواتے رہے کہ اتنے میں دروازہ کھٹکھٹانے کی پھر آواز آئی

شیخ نے کہا کون ہے کہا یحییٰ بن معین یہ سنتے ہی شیخ کے ہاتوں میں لرزہ پڑ گیا۔ اور کتاب ہاتھ سے گر گئی۔

مولانا مولوی حافظ محمد عبدالحی رحمہ نے الرفع والتکمیل میں فتح المغیث سے نقل کیا ہے کہ راویوں میں کلام کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ کہ تمام راویوں میں کچھ نہ کچھ کلام کرتے ہیں۔ جیسے یحییٰ بن معین اور ابی حاتم۔ پھر باقی اقسام بیان کر کے لکھا ہے کہ جرح میں تشدد اگر یہ کسی کی توثیق کریں تو اُس کا قول دانتوں سے پکڑو یعنی پوری حفاظت کرو۔ اور اُن کی توثیق کو دستاویز بناؤ۔

تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے علی بن مدینی کہتے ہیں کہ یہ حضرات علم میں منتہی تھے یحییٰ بن ابی کثیر اور قتادہ البصرہ میں۔ اور ابی اسحٰق اور اعمش کوفہ میں۔ اور ابن شہاب۔ اور عمرو بن دینار حجاز میں۔ اور ان سب کا علم سعید بن عروبہ۔ اور شعبہ۔ اور معمر اور حماد بن سلمہ اور ابو عوانہ۔ اور سفیان ثوری۔ اور سفیان بن عیینہ۔ اور مالک بن انس اور ابی زائدہ۔ اور وکیع اور ابن مبارک کو پہونچا۔ مگر ابن مبارک کا علم ان سب سے وسیع تر تھا اور نیز ابن مہدی اور یحییٰ ابن آدم۔ انہی حضرات میں شامل ہیں۔ پھر ان سب کا علم یحییٰ بن معین کو پہونچا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو یحییٰ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں ابن المدینی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک کسی نے یحییٰ بن معین کے برابر حدیثیں

روایت کی ہوں اور انہی کا قول ہے کہ تمام آدمیوں کا علم انکو پہنچا ہے۔
کردری رحمہ نے لکھا ہے۔ ذکر ابو المعالی الاسفرائنی عن یحییٰ بن معین قال
جالسناہ (ای اباحنیفہ) وسمعناہ وکتبنا منہ واذا نظرت الی وجہہ عرفت انہ
وجہہ اتقی اللہ یعنی یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ہم ابوحنیفہ کے ساتھ بیٹھے
اور انکے افادات سنے۔ اور لکھے۔ ان کی یہ حالت تھی کہ جب ہم انکے
چہرہ کی طرف دیکھتے تو صاف معلوم ہوتا کہ ان کو خدائے تعالیٰ کا بہت
خوف ہے" اس روایت میں شاید یہ کلام کیا جائیگا کہ یحییٰ بن معین کا
انتقال ۲۳۳ھ دو سو تینتیس ہجری میں ہوا اور ابن خلکان رحمہ نے ان کی
عمر چہتر یا ستہتر سال کی علی اختلاف الروایہ لکھی ہے اس سے ثابت ہوتا
ہے کہ ان کی ولادت امام صاحب کی انتقال کے بعد ہے۔ کیونکہ امام
صاحب کا انتقال ۱۵۰ھ ایک سو پچاس میں ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے
کہ حساب میں کچھ غلطی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ ابن خلکان رحمہ نے خود اعتراف کیا ہے کہ
خطیب بغدادی نے جو تاریخ لکھی ہے وہ یقیناً غلط ہے۔ یہ بات
مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بعض لوگوں کے قویٰ قوی ہوتے ہیں کہ
باوجود کبیر السن ہونیکے اپنے کم عمروں سے ہر بات میں قوی ہوتے
ہیں اور دیکھنے میں بھی کم عمر نظر آتے ہیں۔ اسلئے ممکن ہے کہ تقریباً
سو سال کی ان کی عمر ہو بہر حال اس روایت کی وجہ سے احتمال ملاقات
قطعی طور پر غلط ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ملاقات نہ بھی ہو تو اس میں
شبہ نہیں کہ امام صاحب کو وہ اپنے مقتدا ضرور سمجھتے تھے جس پر

کئی قرینے دلالت کرتے ہیں۔ ایک بار اُنسے سوال کیا گیا کہ غیر معتبر روایت
بیان کرنا درست ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب میں امام صاحب کا قول
پیش کیا کہ وہ جائز نہیں کہتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے
ساتھ اُن کو ایک خاص نسبت تھی۔ یہ بھی اُن پر معلوم ہوا کہ کسی نے امام
صاحب کا حال اُنسے پوچھا تو ثقہ ثقہ مکرر ایک قسم کھائی کہ اُن کا رتبہ
اس سے بلند ہے کہ کسی بات میں وہ جھوٹ کہتے۔ مکرر توثیق کرکے قسم کھانا
صاف بتلا رہا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ اُن کو کمال عقیدت تھی۔
امام موفق رحمہ نے لکھا ہے کہ کسی نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کیا
سفیان رحمہ ابو حنیفہ رحمہ سے روایت کی ہے کہا ہاں ابو حنیفہ ثقہ اور حدیث
فقہ میں صدوق اور دین میں مامون تھے۔ اور نیز موفق رحمہ نے مناقب
میں یحییٰ بن معین رحمہ کا قول نقل کیا ہے کہ الفقہ فقہ ابی حنیفہ علیہ
ادرکت الناس یعنی قابل اعتبار اور مستند فقہ پوچھو تو ابو حنیفہ کی فقہ ہے
اُسی پر میں نے لوگوں کو پایا ہے جب اُن کے نزدیک فقہ حنفیہ اس
درجہ کی موثق اور متفق علیہ مسلم تھی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا عمل اسی
فقہ پر تھا۔ اگر اسکو قابل عمل اور مطابق قرآن و حدیث نہ سمجھتے تو صاف
کہدیتے کہ وہ مخالف ہے بلکہ اُس کی وجہ سے خود امام صاحب پر
جرح کردیتے کہ انہوں نے مخالف فقہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کیا جیسے
آخری زمانہ کے بعض مولوی کہا کرتے ہیں ایک لحاظ سے ان کا یہ
کہنا ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ الانسان عدو لما جہل البتہ بعض مسائل

بخاری اور مسلم کی حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یحییٰ بن معین کا سا تبحر فن حدیث میں ہوتا تو وہ بھی یہی کہتے "الفقہ فقہ ابی حنیفہ" مگر وہ تبحر کس کو نصیب ہو سکتا ہے وہ تو یحییٰ ابن معین ہی کا حصہ ہو گیا۔ اس اُمت مرحومہ میں وہ ایک ہی شخص تھے جنہوں نے تمام احادیث نبویہ کو ازبر کر لیا تھا جس کی گواہی امام احمد بن حنبل رحمہ وغیرہ اکابر دے رہے ہیں الغرض جب اُنہوں نے تمام مسائل فقہیہ کو جانچ لیا کہ بالکل مطابق احادیث نبویہ ہے۔ اسوقت فرمایا الفقہ فقہ ابی حنیفہ تاکہ محدثین معلوم کریں کہ اگر بعض مسائل چند حدیثوں کے مخالف ہیں۔ تو دوسرے حدیثوں کے موافق ہیں۔ جن کی اُن کو خبر نہیں۔

کیوں نہ ہو جتنے حدیثیں یحییٰ بن معین رحمہ کو یاد تھیں وہ سب تدوین فقہ کے وقت امام صاحب کے پیش نظر تھیں اسلئے کہ پہلے تو خود انہوں نے چار ہزار استادوں سے حدیثوں کو حاصل کیا تھا پھر جتنے طلبہ درس میں آتے اُن میں اکثر اس سرمایہ کیساتھ آتے جو اجتہاد کیلئے کافی ہو سکے کیونکہ امام صاحب نے روایت حدیث کا طریقہ تو اختیار کیا ہی نہ تھا جس کے طالب ہر قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ وہ تو اجتہاد کا طریقہ سکھاتے تھے جسکے لئے حدیث کا کافی سرمایہ درکار ہے۔ اسلئے ہر طالب علم کو اُس حلقہ میں شریک ہونیکی جرارت ہی نہیں ہوتی تھی۔ اسی فہرست میں دیکھ لیجئے کہ وہ حضرات محدثین کے نزدیک کس درجہ کے ہیں۔ اور تذکرۃ الحفاظ میں کیسے کیسے الفاظ اُن کے مذکور ہیں

مثلاً الامام۔ الحافظ احد الاعلام۔ الثبت۔ شیخ الاسلام۔ القدوہ۔ المتقن۔ سید الحفاظ الحافظ الکبیر۔ العفرد۔ کثیر الحدیث۔ وغیرہ۔ کیا ممکن ہے کہ جن کے یہ القاب ہوں۔ وہ معمولی مولوی ہوں۔ یہ تو اُن کے ذاتی مسائل تھے جو علمی حیثیت سے اُن کو تمام محدثین میں ممتاز کر رہے ہیں جن سے اُن کا ذاتی تجربہ اور کثرت سرمایۂ حدیث صاف معلوم ہوتا ہے پھر ہر ایک نے جن محدثین سے وہ سرمایہ حاصل کیا ہے اُن کا تو شمار ہی نہیں اسلئے کہ دس بیس نام لکھکر وغیرہم یا عن خلق یا عن جماعۃ وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ ان تمام حضرات کے اساتذہ کی جماعتیں اور ہر جماعت کے افراد کتنے ہوں گے۔ فن رجال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں تحصیل حدیث کا شوق حد سے زیادہ تھا بعض شائقین ایسے بھی تھے کہ اُن کے اساتذہ کی تعداد ہزاروں تک پہونچگئی تھی اور صدہا کی تعداد تو ایک معمولی بات تھی۔ اب دیکھئے کہ امام صاحب کے تلامذہ خود بے شمار تھے جیساکہ سابقاً معلوم ہوا تو اُن کے اساتذہ کا کیا ما ہو۔ اُن کو جانے دیجئے تقریباً ایک ہزار جن کی فہرست بعض محدثین نے قلمبند کی ہے) انہی کے اساتذہ کا خیال کر لیجئے کہ کتنے ہوں گے۔

اس سے بھی تنزل کر کے اگر انہی حضرات کے اساتذہ کا خیال کر لیا جائے جن کی فہرست یہاں لکھی گئی تو بھی ہزارہا کی نوبت پہونچ جاتی ہے۔ پھر فن رجال کی کتابوں سے واضح ہے کہ یہ حضرات کسی ایک خاص شہر کے رہنے والے نہ تھے۔ بلکہ کوئی حجازی ہے تو کوئی عراقی و مصری وغیرہ

غرضکہ فن رجال کی گواہی سے یہ ماننا پڑیگا کہ اسلامی مقامات میں کوئی مقام
و موضع ایسا نہ نکلے گا جس میں کوئی محدّث ہو اور امام صاحب کے شاگردوں
نے وہاں کا سرمایہ حاصل نہ کر لیا ہو۔ ان قرائن و اسباب سے ثابت ہے
کہ امام صاحب کے اجتہاد کے وقت کل روے زمین کے احادیث کا
سرمایہ امام صاحب کے حلقہ میں پہونچ چکا تھا جسکو بحسب ضرورت اہل
حلقہ پیش کیا کرتے تھے محدّثین جو امام صاحب کے حلقہ میں شریک
ہوا کرتے تھے وہ محض لفظ شرکت نہ تھی بلکہ استفادہ مقصود تھا چنانچہ
ان کی خوش اعتقادی ان کے ان دعاؤں اور بیانوں سے ظاہر ہے
ص مسعر رح سجدہ میں امام صاحب کے لئے دعا کرتے اور اسکو ذریعہ
تقرب الہی سمجھتے تھے چنانچہ ان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں اللھم انی
اتقرب الیک بدعائی لابی حنیفہ۔
ابو عاصم نبیل کہتے ہیں مجھے امید ہے کہ ہر روز ابو حنیفہ رح کے اعمال
ایک صدیق کے اعمال کے برابر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں کسی نے
اس کی وجہ دریافت کی فرمایا اسلئے کہ انکے اور ان کے اقوال سے
لوگوں کو نفع پہونچا۔
م ص ت عبد اللہ بن داؤد الخریبی کہتے ہیں کہ اسلام اور اہل اسلام
پر واجب ہے کہ نماز میں ابو حنیفہ کے لئے دعا کیا کریں کیونکہ انہوں نے
احادیث اور فقہ کو محفوظ کر دیا۔
فقہ کو محفوظ کرنا تو ظاہر ہے۔ احادیث کو اس طرح محفوظ کیا کہ مختلف

احادیث سے جو مضمون مستفاد ہوتا ہے اجتہاد کرکے اصل جواب آپ کماحقہ
اور مقصود شارع ہے اسکو معلوم کرلیا۔

ک ص ابن سماک محدث جب وعظ کہتے تو خاتمہ پر امام صاحب کے
حق میں دعاء خیر کیا کرتے۔ اور اہل حضار کو آمین کہنے کی ہدایت کرتے
میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ابن سماک وعظ میں ہنرمند روزگار تھے
اُن کی پُراثر تقریر کی یہ تاثیر تھی کہ جو اسکو سنتا اُسپر خوف الٰہی طاری ہوتا
ہارون رشید نے ایک بار اُن کا وعظ سنا تھا تو ایسے روئے اُن کی یہ حالت
ہوئی کہ بیہوش ہو گئے۔ ابو نعیم رح نے ابن سماک کا حال لکھا ہے کہ وہ
اس قدر روتے تھے کہ اُن کی آنکھوں میں خلل آگیا تھا۔

ص ص ابو الولید کہتے ہیں کہ شعبہ کی مجلس میں جب ابوحنیفہ رح کا ذکر آتا تو ان
آپکے حق میں دعاے خیر کرتے۔ محمد بن مجعان کہتے ہیں کہ انکی تقریر
سے اس قدر خوشی ہوئی کہ لاکھ اشرفی ملنے سے بھی نہیں ہوسکتی
اس قسم کی اور بہت ساری روایتیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ
جو حلقہ درس میں شریک رہا کرتے وہ امام صاحب کے معتقد تھے اور
اس بات کے مجاز تھے کہ مناظرہ کرکے اپنے اپنے شکوک صاف کرلیا کریں
جس کا حال آئندہ معلوم ہوگا اب غور کیجئے کہ جب ہر مسئلہ میں کثرت اختلاف
پیدا ہوتی ہوگی تو اُس کو بطیب خاطر مان لینے اور رائے کے مطابق عمل
کرنے میں کیا تامل کیونکہ مقصود تو ہے۔ یہی معلوم کرنا ہے کہ ہر ایک
واقعہ میں عمل کس طرح کیا جائے۔ پھر جب وہ حضرات مطابق حنفیہ

عمل کرتے تو ان کے تلامذہ اور معتقدین واحباب بھی انہی کی اتباع کیا کرتے
یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں دور دور تک مذہب کی شہرت ہو گئی۔
جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ یہی بات تھی کہ یحییٰ بن معین کو
بھی [illegible] النفس۔ اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ امام احمد
جب امام شافعی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یحییٰ بن معین سے بھی
ذکر کیا ملتفت نہ ہوئے بلکہ اگر انہوں نے تحمل نہیں کیا اسی واسطے
سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن معین نے امام شافعی رح کی کچھ مخالفت کی
اور جرح کی چنانچہ طبقات میں لکھا ہے ثم ذکر ابن عبد البر [illegible]
جماعة من اہل النظر والعلم فی بعض [illegible] الاثبات [illegible]
الی کلام ابن معین فی الشافعی وقال [illegible] علی ابن معین [illegible]
ذکر قول احمد بن حنبل [illegible] یحییٰ بن معین الشافعی [illegible]
والامیرت [illegible] الشافعی۔ اس مخالفت کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے [illegible]

ذکر کیا ملتفت نہ ہوئے
سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن
اور جرح کی چنانچہ طبقات
جماعة من اہل النظر والعلم فی بعض
الی کلام ابن معین فی الشافعی
ذکر قول احمد بن حنبل
والامیرت [illegible] الشافعی۔ اس مخالفت
اگر انہوں نے تحمل نہیں کیا اسی واسطے
معین نے امام شافعی رح کی کچھ مخالفت
میں لکھا ہے ثم ذکر ابن عبد البر
الاثبات [illegible]
وقال [illegible] علی ابن معین [illegible]
الشافعی [illegible]
کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے

اپنے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دیا۔ اور نقد علل کریں یہاں کلام عرف
محل ابن معین ۱۸ کے جرح میں ہے۔ بہر حال یحییٰ بن معین جو امام صاحب
کے اکابر شاگردوں میں تھے تو معتقد ضرور تھے۔ اور تعجب نہیں کہ مقلد بھی ہوں
جیسا کہ آگے فتویٰ دینے اور امام حنیفہ پر اجماع بیان کرنے سے معلوم
ہوتا ہے اب اہل انصاف غور فرماویں کہ جب ایسے ایسے اکابر محدثین
امام صاحب کے شاگرد ہیں جن میں امیر المؤمنین فی الحدیث بھی شامل ہیں
تو کیا محدثین کے [illegible] سے [illegible] کے [illegible] ہو سکتا کہ
امام صاحب کی توہین کریں اگرچہ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے۔

جہل ہو سکس انقیاد ؛ ثبت زہر خان اولی الاجر

کہ مقلدان قوم کو ضرور ہے کہ اپنے بزرگوں کے بزرگی کی تعظیم کی
رعایت کیا کریں۔

[illegible] ۔ [illegible] سعدی [illegible] کے روبرو [illegible] ایک قوم ایسی بھی ہے
کہ وہ ابن مبارک کو امام حنیفہ سے افضل کہتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ مثل
رافضیوں کے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو اپنا امام قرار دیتے ہیں اور
انہوں نے جس کو امام قرار دیا اُن کو امام نہیں سمجھتے۔ فی الحقیقت عبداللہ
ابن مبارک کا سا علم کسی کو ہو تو وہ امام صاحب کی قدر جانے۔ باوجودیکہ
انہوں نے اکابر محدثین سے سرمایہ حدیث وافی و کافی حاصل کیا تھا
مگر جب امام صاحب کی خدمت میں پہنچے تو انہی میں کے ہو رہے
اور امام صاحب کی زندگی تک کہیں جانے کا قصد نہ کیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ

وحدیث کا لب لباب سوائے امام صاحب کے اور کہیں حاصل نہیں ہو سکتا تھا اسی لب لباب یعنی فقہ کو حاصل کرنے کی غرض اور استخراج مسائل کا طریقہ سیکھنے کی غرض سے دور و دراز مسافتیں طے کر کے محدثین امام صاحب کے حلقہ میں آتے تھے۔

اب ہم امام صاحب کے اجتہاد کا تھوڑا سا حال بیان کرتے ہیں امید ہے کہ اہل انصاف اس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

خ۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اس حدیث کو اخذ کرتے تھے جس کی صحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور ناسخ و منسوخ کی معرفت ان کو کمال حاصل تھی۔ احادیث ثقات کے ہمیشہ طالب رہا کرتے تھے جن امور میں علمائے کوفہ کا عمدرآمد مطابق حق پاتے اس کی پیروی کرتے۔ باوجود اسکے لوگ ان کو برا بھلا کہتے ہیں تو ہم سکوت کر کے اس سے استغفار کرتے ہیں۔

یہ امیر المومنین فی الحدیث کا حال ہے کہ امام صاحب کے مخالفوں کی ظلم و زیادتی سے کیسی مظلومی ظاہر کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم سب سنکر سکوت کرتے ہیں۔ اگرچہ اس موقع میں سکوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کا جواب ہے بمصداق "جواب جاہلاں باشد خموشی" مگر چونکہ اس میں احقاق حق نہیں ہوتا اسلئے اسکو برا بلکہ گناہ سمجھتے اور اس سے استغفار کیا کرتے۔

مت خ۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بسر و چشم ہمیں قبول ہے اور صحابہ

اقوال کسی مسئلہ میں مختلف وارد ہوں تو ہم کسی ایک کو اختیار کرتے ہیں لیکن کسی
خارج نہیں ہوتے البتہ تابعین کے اقوال کی مزاحمت کرتے ہیں یعنی
جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا ہم بھی کرتے ہیں۔

م ص ک ۔ امام ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ جب کوئی واقعہ پیش ہوتا
تو امام صاحب ہم لوگوں سے پوچھتے کہ کوئی اثر تمہارے نزدیک ہے پھر
اگر کوئی اثر یعنی قول صحابی ہمارے یا ان کے پاس ہوتا تو اسکو قبول کرتے
اور اگر آثار مختلف ہوتے تو اکثر کو لیتے اور جو کوئی اثر نہ ملتا تو قیاس کرتے
اور قیاس بھی عمدہ ہوتا تو نعمان پر ظلم کرتے۔

یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ امام صاحب کو اس پوچھنے سے استفادہ
مقصود ہوتا تھا اور خود وہ آثار و احادیث کو نہیں جانتے تھے۔ جیسا کہ
اس زمانہ کے بعض مورخین خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو
یہ فی الواقع مندرجین اور وہ ایسے کیوں تسلیم خیال کر لیتے کہ ایسے
شخص کے پوچھنے سے کیا فائدہ جو ہر ایک مسئلہ میں اپنے شاگردوں کا
محتاج ہے۔ بلکہ شاگرد لوگ خود کہدیتے کہ حضرت آپ تو ہر واقعہ میں
اثر ہم ہی سے پوچھتے ہو پھر آپ کی استادی کس مصرف کی ہے بلکہ
اس سوال سے مقصود دوسرا تھا جس میں کئی امور اس میں ملحوظ ہیں
ایک یہ کہ ہر شخص کا حال معلوم ہو کہ احادیث کتنے انکو یاد ہیں اور کن آثار
سے اس واقعہ کا حکم وہ ثابت کرتے ہیں۔ دوسرے طلبہ کی حوصلہ افزائی
کہ ہر شخص کو اپنے ذخیرہ معلومات میں غور کرنے کے واقعہ سے متعلق

احادیث و آثار پیش کرنیکی طرف توجہ ہو۔ اور مواقع استدلال کو عمدگی سے بیان کرسکیں جس سے ملکہ اجتہاد پیدا ہو۔ تیسرے تلاحق افکار سے ایسا سرمایہ پیش ہو جائے کہ حضّار حلقہ کو اس مسئلہ میں بصیرت تامہ حاصل ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اعمش رحمہ جب کوئی شخص فتویٰ پوچھتا تو فرماتے کہ ابو حنیفہ کے حلقہ میں جاؤ وہاں جو مسئلہ پیش ہوتا ہے وہ انکی باہمی مباحثوں سے نہایت روشن ہو جاتا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا جو تھے یہ پوچھنا بعینہ ایسا تھا جیسے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا کہ رطب سوکھ کر کیا کم ہو جاتی ہے حالانکہ حضرت اُسکو جانتے تھے مگر مقصود یہ تھا کہ صحابہ ہی کی زبان سے حکم کہلا دیا جائے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔

ک خ۔ حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ امام صاحب فرمایا کرتے تھے جب نص قرآنی یا حدیث یا اجماع کسی مسئلہ میں موجود ہو تو کسی کو حق نہیں کہ اپنی رائے سے کوئی بات کہے ہاں جب صحابہ کا اختلاف کسی بات میں ہوتا ہے تو ہم وہ قول اختیار کرتے ہیں جو کتاب یا سنت سے قریب ہو اور جو اس سے متجاوز نہ ہو ہم اس میں اجتہاد کرتے ہیں۔ کیونکہ فقہا کیلئے توسیع کی گئی کہ اجتہاد کریں بشرطیکہ اختلاف کو جان لیں اور عمدگی سے قیاس کریں۔ سلف صالح کا یہی طریقہ رہا ہے۔

م۔ ابو حمزہ سکری کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح سے سنا ہے کہ کسی مسئلہ میں کوئی حدیث وارد ہو تو ہم اُسکے مقابلہ میں کسی دوسرے کی بات نہیں

اور اُس کو قبول کر لیتے ہیں اور صحابہ سے مختلف اقوال وارد ہوں تو کسی ایک کے
اختیار کرتے ہیں۔

ک۔ عبد الکریم بن ہلال کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے سُنا ہے
کہ جو حکم خدا اور رسول کا ہمیں پہونچتا ہے ہم اُس سے تجاوز نہیں کرتے۔
اور جس بات میں صحابہ کا اختلاف ہو تو ہم کسی ایک قول کو اختیار کرتے
ہیں اور اُن کے سوا کسی کا قول مناسب ہو تو لے لیتے ہیں ورنہ ترک
کر دیتے ہیں۔

م ک امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ایکبار اعمش رح سے مجھے ملاقات ہوئی
اُنہوں نے فرمایا تمہارے استاد نے ابن مسعود رح کی مخالفت کی۔
اِسلئے کہ لونڈی کی بیع کو طلاق نہیں قرار دیا۔ حالانکہ ابن مسعود رض اُس
بیع کو طلاق قرار دیتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت آپ ہی سے ہمیں
روایت پہونچی ہے کہ وہ بیع طلاق نہیں ہو سکتی ہے فرمایا کس طرح
میں نے کہا آپ کی روایت ہے۔ عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ
رضی اللہ عنہا انہ علیہ السلام خیر بریرۃ رض بعد ما اشترتہا عائشہ یعنی عائشہ
رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب میں نے بریرہ کو خریدا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے اسکو اختیار دیا کہ چاہے اپنے شوہر کے نکاح میں رہے چاہے
چھوڑ دے۔ فرمایا اگر لونڈی کی بیع طلاق ہوتی تو اختیار دینے سے
کیا فائدہ۔ فرمایا کیا یہ حدیث اسی باب میں ہے میں نے کہا جی ہاں۔
فرمایا ابو حنیفہ کو مواقع علم خوب احساس ہے اور خوب سمجھتے ہیں پھر فرمایا

تم لوگ جادو کرتے ہو اور اس جملہ کو مکرر فرمایا۔ ابن مسعود رضہ ہر چند صحابی اور امام صاحب کے اساتذہ کے سلسلہ میں ہیں مگر حدیث مرفوع کیوجہ سے انکے قول پر عمل نہیں کیا۔ دیکھئے اس حدیث میں صرف خیار مذکور ہے طلاق کا نام بھی نہیں مگر مسئلہ طلاق جو اسوقت مختلف فیہ تھا اُس میں امام صاحب نے اس حدیث سے استدلال کیا اور باوجود اس حدیث کی شہرت کے محدثین کا ذہن اودہر منتقل نہ ہوا اسی وجہ سے اعمش رحہ نے سوال فرمایا "کیا وہ اسی باب میں ہے" محدثین اسی باتیں امام صاحب کے محتاج تھے کہ مواقع استدلال خوب جانتے ہیں کہ کس موقع سے کونسی بات پیدا کی جاتی ہے۔

عم ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ محمد بن واسع جب خراسان گئے تو معین ذہب نے کہا کہ تمہارے یہاں صاحب دعوت آئے ہیں یہ سنکر بہت سے لوگ اُنکے یہاں گئے اور مسائل فقہیہ ان سے پوچھنے لگے کہا فقہ ایک جوان کی صناعت ہے جو کوفہ میں رہتے ہیں جنکی کنیت ابوحنیفہ ہے لوگوں نے کہا وہ حدیث نہیں جانتے ابن مبارک نے کہا تم یہ کس طرح کہتے ہو ایک بار کا اتفاق ہے کہ بیع الرطب بالتمر کا مسئلہ کسی نے اُنسے پوچھا انہوں نے کہا مضائقہ نہیں محدثین نے کہا حدیث سعید کو کیا کروگے کہا وہ حدیث شاذ ہے کیونکہ زید بن عیاش کی روایت نہیں لیجاتی ابن مبارک کہتے ہیں جو شخص ایسی بات کہے کیا ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث نجانتا ہو۔

کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ احمد بن یونس کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ صحیح حدیثوں کی اتباع میں نہایت اہتمام کیا کرتے تھے۔

م ک فضیل بن عیاض رحمہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی عادت تھی کہ جو صحیح حدیث کسی مسئلہ میں ہوتی اُس کی اتباع کرتے۔

وہب رحمہ کہتے ہیں کہ عبد العزیز بن رزمہ امام صاحب کی حدیث دانی کا حال بیان کرتے تھے ایک بار اثنائے بیان میں کہا کہ ایک بار کوفہ میں ایک محدّث آئے جن کی شہرت ہوئی امام صاحب نے اہل حلقہ سے فرمایا کہ خبر لو کوئی حدیث اُن کے یہاں ایسی بھی ہے جو ہمارے یہاں نہیں ہے۔ پھر ایک بار اور دوسرے ایک محدّث آئے اُسوقت بھی ایسا ہی فرمایا" دیکھئے باوجودیکہ امام صاحب کو اتنی حدیثیں یاد تھیں کہ اُس زمانہ میں اُن کا مثل نہ تھا جیسا کہ متعدد شہادتوں سے ثابت ہے اور اہل حلقہ تمام محدث تھے مگر اس خیال سے کہ شاید کوئی حدیث نئی مل جائے ہمیشہ حدیثوں کی تلاش جاری تھی۔ کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ کسی نے عبد اللہ بن مبارک سے کہا کہ حدیث میں جو وارد ہے (اصحاب الرائے اعداء السنتہ) اس سے مراد ابو حنیفہ ہیں کہا سبحان اللہ ابو حنیفہ کی تو نہایت درجہ کی یہ کوشش تھی کہ عمل مطابق سنّت ہو۔ چنانچہ کسی مسئلہ میں وہ سنت سے علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ اعدائے سنّت میں کیونکر ہونگے اُس حدیث سے مراد اہل ہوا اور جھگڑالو لوگ ہیں جو کتاب اور سنّت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کی پیروی کیا کرتے ہیں۔ دیکھئے کیسے جلیل القدر امام المحدثین کی

گواہی سے ثابت ہے کہ امام صاحب کسی مسئلہ میں سنت سے علیحدہ نہیں جاتے
تھے۔

اصول بزدوی میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک سنت کو یہ قوت حاصل ہے
کہ اس سے کتاب یعنی قرآن کے نسخ کو جائز رکھتے ہیں اور حدیث اگرچہ
مرسل ہو اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔ اور روایت مجہول کو بھی قیاس پر مقدم
رکھتے ہیں۔ اور قیاس کو صحابہ کے قول پر مقدم نہیں کرتے۔ اس خیال
سے کہ شاید انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات سنی ہو۔

خ ۔ ابن حزم کا قول ہے کہ اصحاب ابو حنیفہ اس بات پر متفق ہیں کہ ابو حنیفہ کے
نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے۔

ک نذرہ کہتے ہیں کہ مخالفوں کے کلام پر ہرگز التفات نہ کرو امام صاحب نے
جو کچھ کہا کتاب اور سنت یا اقوال صحابہ سے کہا اس کے بعد انہی پر قیاس کیا۔

ک م ص اور شرح بزدوی میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ حدیث میں
بھی مثل آیات قرآنیہ کے ناسخ و منسوخ ہیں اور نعمان یعنی امام صاحب نے تمام
احادیث میں غور کر کے ان احادیث کو جمع کر لیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی آخر عمر میں صادر ہوئے ہیں اور انہی کے مطابق فتوی دیا۔ اس روایت
میں اختلاف ہے۔ بعضے کتابوں میں ہے کہ کوفہ میں جو ناسخ و منسوخ تھیں
ان کو امام صاحب نے محفوظ کر لیا تھا۔ اگرچہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کوفہ خود
مرکز علم تھا جیسا اس کا حال اوپر معلوم ہوا مگر چونکہ امام صاحب نے چار ہزار
شیوخ سے حدیث لی ہے اس لحاظ سے وہی روایت مقدم ہوگی جس میں

عموم ہے۔

مرص حسن بن صالح کہتے ہیں کہ امام صاحب احادیث میں ناسخ و منسوخ کی تفحص کیا کرتے اور رائس حدیث پر عمل کرتے جو انکے نزدیک ثابت ہوتی خواہ وہ حدیث مرفوع ہو یا صحابہ کا قول ہو۔ اور فرمایا کرتے کہ قرآن کی طرح احادیث میں بھی ناسخ و منسوخ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اواخر افعال اُن کو خوب یاد تھے جو اُن کے شہر میں پہنچے تھے۔

مختصر کتاب النصیحہ لاہل الحدیث مؤلفہ خطیب بغدادی میں لکھا ہے کہ ابو نعیم کہتے ہیں کہ جب کبھی زفر رحمۃ اللہ علیہ پر میرا گذر ہوتا تو وہ کہتے کہ آؤ کہ تمہاری حدیثوں کو چھانٹ دوں چنانچہ اپنی مرویات کو پیش کیا کرتا اور وہ فرماتے کہ یہ حدیث لینے کے قابل ہے اور یہ نہیں اور یہ ناسخ ہے اور یہ منسوخ اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے حلقہ میں تمام حدیثیں چھانٹی جاتی تھیں کہ فلاں ناسخ اور فلاں منسوخ وغیرہ۔

ک۔ ابراہیم ابن سلیمان الفدانی جابی کہتے ہیں کہ اسرائیل رحمۃ اللہ علیہ کے روبرو امام صاحب کا ذکر آیا انہوں نے کہا کہ اس زمانہ کے لوگ جن امور کی طرف محتاج ہیں انکو وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ لوگ اس زمانہ میں انہی احکام کی طرف محتاج تھے جو صحیح صحیح احادیث و آثار سے ثابت ہوں۔ اسرائیل رح کی شہادت سے ثابت ہے کہ امام صاحب ان احکام کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ کردری رح نے لکھا ہے کہ یہ اسرائیل ابن یونس کوفی ہیں جو حفظ اور ضبط اور اتقان میں باعث فخر اہل کوفہ

ک حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے اُن کی کتابیں اور آثار سُنے اُنسے زیادہ ذکی اور ان آثار کو زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا جو مُفید اور احکام میں صحیح ہوں۔

م ص ک۔ زرنجری رحمہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کی زیادہ کوشش یہی کہ صدیق اکبر کے اقوال پر عمل ہو چنانچہ تمام افعال وخصال میں عموماً آپ کی اتباع کیا کرتے تھے جس طرح صدیق اکبر رض علم فقہ۔ تقویٰ۔ ورع۔ عبادت۔ زہد۔ سخاوت اور جود میں سب صحابہ سے بڑے ہوے تھے اسیطرح امام صاحب ان تمام صفات میں اپنے اقران میں ممتاز تھے یہاں تک کہ صدیق اکبر رض کی دوکان مکہ معظمہ میں بزازی کی تھی امام صاحب نے بھی بزازی ہی کی دوکان لگائی انتہی۔

ان اُمور کے علاوہ اور بہت باتوں میں اتباع و تتبع کتب سے ثابت ہے مثلاً صدیق اکبر رض باوجود کثرت معلومات کے حدیث کی روایت بہت کم کرتے تھے امام صاحب کا بھی یہی حال رہا۔ یہانتک کہ مخالفوں کو یہ کہنیکا موقع ملگیا کہ وہ حدیث جانتے ہی نہ تھے جس طرح صدیق اکبر رض صحابہ سے اُس باب میں استفسار فرماتے اسیطرح امام صاحب بھی ہر واقعہ میں اپنے اصحاب سے استفسار فرماتے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ اور جسطرح صدیق اکبر رض نے قرآن کو جمع کرکے محفوظ کر دیا جیسا کہ کتب احادیث میں مصرح ہے۔

اسیطرح امام صاحب نے فقہ میں احادیث کو محفوظ کر دیا۔ جسکا اعتراف

خود محدثین کو ہے۔ اور جس طرح صدیق اکبر رضہ نے اپنی رائے اور قیاس سے مانعین زکوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا اور باوجود صحیح حدیث پیش ہونیکے اپنی رائے اور قیاس پر اڑے رہے اور صحابہ کی ایک نہ مانی اسیطرح امام صاحب نے بھی باوجود مخالفت اہل حدیث کے کسی کی نہ مانی۔ اور بحسب ضرورت اپنی رائے سے قیاس کرتے رہے پھر جسطرح اہل انصاف نے صدیق اکبر رضہ کی رائے کو مان لیا۔ اسیطرح امام صاحب کی رائے کو بھی مان لیا۔ غرضکہ امام صاحب کو صدیق اکبر رضہ کے ساتھ ایک خاص طور کی مناسبت معنوی تھی اسی مناسبت نے یہ اثر دکھلایا کہ جسطرح وہ صدیقوں میں صدیق اکبر رضہ کہلائے۔ امام صاحب اماموں میں امام اعظم کہلائے۔ جس لقب کو خود محدثین نے تسلیم کرلیا ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

م ص خ ابوغسان کہتے ہیں کہ میں نے اسرائیل سے سنا ہے کہ نعمان بہت اچھے شخص تھے ان کو وہ حدیثیں جن سے فقہی مسائل نکلتے ہیں کس قدر یاد تھیں اور کس قدر اُن کی تفحص اور تلاش میں رہا کرتے تھے انتہیٰ۔ یہی روایت ردالمحتار میں بھی ہے امام صاحب کو احادیث فقہیہ اس قدر یاد تھیں کہ اسرائیل رح جیسے شخص کو کمال درجہ کا تعجب تھا چنانچہ اُن کی اس عبارت سے ظاہر ہے کان نعم الرجل نعمان ماکان احفظہ لکل حدیث فیہ فقہ واشد فحصہ عنہ۔ اسرائیل وہ شخص ہیں کہ امام احمد رح جیسے سید الحفاظ اُنکے حافظہ پر تعجب کرتے ہیں۔

حالانکہ امام ممدوح رہ کو سات لاکھ سے زیادہ صحیح حدیثیں یاد تھیں دیکھئے تہذیب التہذیب میں ہے عن ابن حنبل کان اسرائیل یونس شیخا ثقۃ وجعل یتعجب من حفظہ۔ اب غور کیجئے کہ جن کے حافظہ پر امام احمد رحہ جیسے حافظہ والے شخص تعجب کرتے ہیں جب وہ امام صاحب کے حفظ احادیث پر تعجب کرتے ہوں تو کس قدر احادیث فقہیہ امام صاحب کو یاد ہونگے اس کے بعد بھی زمانہ کے مولویوں کا بھی قول سن لیجئے وہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو کل سترہ حدیثیں یاد تھیں ہمیں اس کی شکایت نہیں کیونکہ مخالفت میں ایسی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں مگر حیرت اس پر ہے کہ امام صاحب کی شاگردی کا جن اکابر محدثین کو اعتراف ہے اور خود محدثین ان کو شاگرد لکھتے آئے ان میں کوئی امیر المومنین فی الحدیث ہیں اور کوئی شیخ الاسلام اور حافظ وغیرہ وغیرہ جن کا حال اوپر معلوم ہوا ایسے جلیل القدر محدثین کو ان صاحبوں نے کیا سمجھ لیا ہے۔ ہمارے مشاہدہ سے تو ثابت ہے کہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا باکمال طالب علم ہو ایسے شخص کی شاگردی کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا جس کا کل سرمایہ علم سترہ حدیثیں ہوں کوئی عقلمند ان حضرات پر یہ الزام ہرگز نہیں لگا سکتا خصوصاً وہ جو ان کو مقتدا بھی سمجھتا ہو۔

ہم یحییٰ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک محدث نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابو حنیفہ سے پانسو مسئلے پوچھے سب میں انہوں نے فتویٰ دیا اسکے بعد سفیان ثوری سے پوچھا انہوں نے ہر مسئلہ پر ایک حدیث پڑھ دی مطلب یہ کہ کوئی جواب امام صاحب کا خلاف حدیث نہ تھا۔ صرف حدیث پڑھ کر

نہیں سناتے تھے مگر جو حکم بیان کرتے مطابق حدیث ہوتا۔ کیوں نہ ہو وہ تو قرآن و حدیث ہی کا خلاصہ ہوتا تھا پھر مخالف کیونکر ہو سکے سفیان ثوری رح جیسے متبحر ہوں تو ہر مسئلہ پر ایک حدیث پڑھ دیں۔ لاکھوں حدیثوں میں سے چند حدیثیں کوئی شخص پڑھ لے وہ بھی ناظرہ تو کل مسائل فقہیہ کا ماخذ اسکو کیونکر معلوم ہو سکے۔ اسی وجہ سے ہمارے عنایت فرما حضرات غیر مقلدین فقہ پر بہت خفا ہیں اور مقتضائے طبیعت بھی بمصداق الانسان عدو ما جہل یہی ہے مگر حسن ظن کو کام میں لیں تو یہ عداوت جاتی رہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ امام صاحب پر حسن ظن کریں۔ بلکہ ہماری درخواست یہ ہے کہ اپنے ہی مقتدا محدثین پر حسن ظن کریں تو رفع خصومت کے لئے کافی ہے۔

م ص ک اسد بن عمرو کہتے ہیں کہ امام صاحب کہا کرتے تھے کہ جب ہمیں کوئی بات تم سے ایسی پہنچے کہ صحابہ سے اُس میں کوئی روایت نہ ہو تو تلاش کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی اثر اور روایت مل جائے۔ ایک روز فرمایا کہ اگر مرد اپنی عورت سے کہے کہ میں تین مہینے تجھ سے قربت نہ کرونگا تو اس سے ایلا ثابت نہ ہوگا اور کوئی اثر اس میں بیان نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ اس مسئلہ میں اثر تلاش کرو۔ ایک مدت کے بعد سعید بن عروبہ جو اُس زمانہ میں علم اختلاف میں سب سے بڑے ہوئے تھے آئے ہم نے اُنسے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ ابن عباس رض کا قول ہے کہ "اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں تین مہینے اپنی عورت سے قربت نہ کرونگا اُس سے ایلا نہیں ہوتا" ہم نے یہ سنکر امام صاحب کو خوشخبری دی کہ جو آپنے کہا تھا

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی وہی ثابت ہے مگر یہ فرمائے کہ کس دلیل سے وہ آیۃ

کیا تھا - فرمایا اس آیہ شریفہ سے للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشہر
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی مسئلہ میں امام صاحب
اپنا استدلال بیان نہیں کرتے تھے مگر کوئی آیت یا حدیث ضرور آپکے
پیش نظر رہا کرتی تھی -

م ص ک عمرو بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ابن جریج رحمہ سے سنا ہے کہ
ابو حنیفہ رحمہ نے کوئی فتوی بغیر اصل محکم کے نہیں دیا اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے
ہیں کہ ہر مسئلہ میں انہوں نے یہی لحاظ رکھا " انتہی - دیکھئے ابن جریج رحمہ
کس اطمینان سے فرما رہے ہیں کہ تمام فتوے یعنی مسائل فقہ کسی نہ کسی
اصل محکم سے متعلق ہیں - ابن جریج کوئی معمولی آدمی نہ تھے تہذیب
التہذیب سے ظاہر ہے کہ وہ مصنفین میں پہلے شخص ہیں انکی سی
تدوین علم کسی نے نہیں کی وہ محدث اور فقیہ اعلیٰ درجہ کے تھے اکابر محدثین
بکثرت ان کے شاگرد ہیں ۔ کیا ایسے شیخ الشیوخ کا اس بات پر اطمینان
کہ فقہ ایک مستند چیز ہے ہمارے لئے کافی نہیں -

م - عبد اللہ بن مبارک رحمہ کہتے ہیں کہ میں بہت سارے شہروں میں
بڑے بڑے علمائے نامی وگرامی کے یہاں گیا مگر جب تک ابو حنیفہ رحمہ کی
ملاقات نہ ہوئی اصول حلال وحرام مجھے معلوم نہ ہوئے " دیکھئے ابن مبارک
نے کیسے کیسے نامی وگرامی کی شاگردی کی مگر کسی نے حلال وحرام
کے اصول نہ بتلائے اور خود ان کو کتنی حدیثیں یاد تھیں کہ امیر المومنین

فی الحدیث کہلاتے تھے باوجود اس کے نہ اُن کے اساتذہ سے ہو سکا نہ
اُن سے کہ اصول حلال وحرام کو مشخص کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اصول
حلال وحرام سے ائمہ محدثین ناواقف تھے۔ اور یہ کام ایسا مشکل تھا
کہ باوجود ضرورت کے کسی کی ہمت اُس طرف مبذول نہ ہوئی اور امام
صاحب نے اس کو اپنے ذمہ لیا۔ اور نہایت عمدگی سے انجام دیا۔
شاید یہاں یہ کہا جائیگا کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب نے بدعت
ایجاد کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بدعت بھی ہے تو بدعت حسنہ ہے
جس کی فضیلت حدیث شریف من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا ومن عمل بہا
سے ثابت ہے اور یہی قول قدر ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث
اس کی شکر گذاری میں رطب اللسان ہیں۔ اور اکابر محدثین نے
امام صاحب کی اس ہمت کا اعتراف کیا ہے۔

غرضکہ اکابر محدثین کی شہادتوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب
نے جب فقہ کی بنیاد ڈالی اُس وقت آپ کا ذاتی سرمایۂ حدیث
اس قدر تھا کہ کوئی محدث آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا اور علم
ناسخ ومنسوخ وغیرہ لوازم اجتہاد میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔ پھر
سے ائمہ محدثین جو ہر ملک ودیار سے سرمایۂ حدیث فراہم کرکے
لاتے اور وقتاً فوقتاً بحسب ضرورت پیش کرتے وہ علاوہ اُس
کے تھا۔

تمت

قطعۂ تاریخ از خواجہ غلام غوث صاحب بے خبر برادر خلف خواجہ محمد مخدوم صاحب

عشق تصنیف کرد اوستادم
چشم بد دور سال تاریخش

چون پئے اہل دین کتاب بجو
بیخزاں بوستان علم بگو
۱۳۲۷ھ

وَلَہٗ

حقیقت فقہ کی روشن ہوئی جب اس رسالہ سے
کہی تاریخ اسکی عشق نے برجستہ و موزوں

پڑی افزار سی اُسکے جو بزم فقہ کی رونق
حقیقت فقہ کی لکھی کلام حق پسند حق
۱۳۲۷ھ

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ
ناشران قرآن مجید و اسلامی، عربی، اُردو کتب
اشرف منزل ۴۳۷/ڈی گارڈن ایسٹ
لسبیلہ چوک۔ کراچی نمبر ۵
پاکستان
فون ۷۱۶۴۸۸
۷۳۳۶۸۸

WWW.NAFSEISLAM.COM
نفس اسلام